آخری مغل

جنگ آزادی 1857

تحریر: ولیم ڈالرمپل

مرتب: خالد محمود آزاد

معاون خصوصی: علم کی جستجو (فیس بک گروپ)

سروہاراامباکر کے علم کی جستجو (فیس بک گروپ) میں پیش کیے گئے اکتیس لیکرز کا مجموعہ بمع سوالات

انتساب

علم دوست قارئین کے نام

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1	بوڑھے کی موت	3	17	عید الاضحیٰ اور مذہبی صف بندی	105
2	شہروں کا شہر	10	18	خون کا بدلہ	110
3	انقلاب	23	19	گیم پلٹ گئی	113
4	شطرنج کا بادشاہ	32	20	دہلی پر حملہ	117
5	آخری ولی عہد	37	21	شہر کے اندر	124
6	مذہبی اختلافات	45	22	فیصلہ	127
7	فکری تصادم	49	23	دہلی کی فتح	131
8	پرانے گودام کے تنکے	56	24	کوئی نہ بچنے پائے	137
9	طوفان کی آمد	62	25	گرفتاری	147
10	تلوار کی کاٹ	69	26	لاشوں کا شہر	157
11	مکڑی کا جال	73	27	مقدمہ	168
12	آزادی کے بعد	79	28	بادشاہ کے بعد	177
13	محلاتی سیاست	85	29	سرکاری قیدی	183
14	نازک صورتحال	92	30	انقلاب کے بعد	191
15	جنگ کا آغاز	96	31	آخری عظیم مغل	194
16	جنگ کا توازن	101		ختم شد	

1۔ بوڑھے کی موت

نومبر 1862 کو دریائے رنگون کے کنارے انہیں دفنا دیا گیا۔ آخری رسومات میں دو بیٹے اور ایک معمر ملانے شرکت کی۔ چھوٹے سے مجمع، جنہیں اس موت کا علم ہوا تھا، نے جمع ہونے کی کوشش کی تھی۔ فوجیوں نے انہیں روک دیا۔ ان میں سے ایک دو لوگ فوجیوں سے آنکھ بچا کر میت کو کاندھا دینے آ گئے تھے۔ انہوں نے ملکر لحد کو قبر میں اتار دیا۔

آخری رسومات مختصر رہیں۔ فاتحہ پڑھنے کے بعد یہ لوگ چلے گئے۔ قبر پر مٹی ڈال دی گئی۔ احتیاط کی گئی تھی کہ کوئی نشان باقی نہ رہ پائے۔ ایک ہفتے بعد برطانوی کمشنر کیپٹن ڈیویس نے لندن بھیجنے کے لئے رپورٹ لکھی۔

سرکاری قیدی کی موت پر کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ اس کے پسماندگان بھی افسردہ نہیں۔ رنگون کی مسلمان آبادی نے بھی اس کو کوئی خاص نوٹ" نہیں کیا۔ اس جگہ پر گھاس اگ آئے گی اور کوئی نام و نشان نہیں رہ جائے گا"۔

وسطی ایشیا میں وادئ فرغانہ سے آنے والے نوجوان ترک شاعر ظہیر الدین بابر نے درہ خیبر 1526 کو پار کیا تھا۔ اور ہندستان میں مغل خاندان کی حکمرانی کی بنیاد ڈالی تھی۔ مغل تیموروں کا گھرانہ جنوبی ایشیا پر تین صدیوں تک حکومت کرتا رہا اور ہندوستان کی تاریخ کی شاندار ترین سلطنت رہی۔

مغلوں نے اسلام کے بہت رواداری اور کثرت القومی روپ کو ڈیفائن کیا۔ ان کی شاندار سلطنت انڈیا کی ہندو اکثریت کے ساتھ ملکر قائم کی گئی تھی۔ خاص طور پر راجستھان کے راجپوتوں کے ساتھ جو مغلوں کی فوج کا بڑا اہم حصہ تھے۔ مغلوں نے کامیابی میدانِ جنگ میں ہی نہیں، طریقہ حکومت سے حاصل کی تھی۔ اور یہ حکمرانی ہندوستان کی غیر مسلم اکثریت آبادی کو بھی قابلِ قبول رہی۔ یہ مغلوں کی صلحِ کُل کی ڈاکٹرائن تھی۔

جس وقت یورپ میں مذہبی جنگیں جاری تھی، مذہبی منافرت پر قتل و غارت کی جا رہی تھی، یورابرِ اعظم فرقہ وارانہ آگ کی لپیٹ میں تھا، علم و شعور کو مخالفت کا سامنا تھا، برونو کو گھسیٹ کر تختہ دار پر لے جایا جا رہا تھا۔۔۔ مغل بادشاہ کی طرف سے فرمان جاری ہوا تھا، "کسی شخص کو کسی دوسرے کے مذہب میں مداخلت کا حق نہیں۔ ہر ایک کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی مکمل آزادی ہے"۔ انتظامیہ کے ہر لیول پر مذہبی تفریق کے بغیر ترقی دی جاتی

تھی۔ اکبر نے اپنے سابق دشمن، جے پور کے راجہ من سنگھ، پر بھروسہ کرتے ہوئے علاقے کا دفاع انہیں سونپ دیا تھا۔ شاہی محل سے دانشوروں اور آرٹسٹ کو خصوصی مقام ملتا تھا۔ مسلمان بھی اور غیر مسلمان بھی۔

شاہ جہاں کے دور میں اس سلطنت میں تمام پاکستان کا علاقہ اور افغانستان کا بڑا علاقہ شامل تھا۔ فوج ناقابلِ شکست نظر آتی تھی۔ محلات کی شان و شوکت کا دنیا بھر میں مقابلہ نہ تھا۔ کئی مزارات کے گنبد سونے سے چمکتے تھے۔

اس ہم آہنگی کے ماحول میں ایک بڑا گھاؤ پالیسی میں تبدیلی تھی اور اس کا ایک بڑا واقعہ گورو تیغ بہادر کو دی جانے والی سزائے موت تھی جو سکھوں کے نو عظیم استادوں میں سے ایک تھے۔ اٹھارہویں صدی کے آغاز پر اس عظیم سلطنت میں دراڑ پڑنے لگی تھی۔

جب بہادر شاہ کی پیدائش 1775 میں ہوئی تو مغل عروج کے دن گزر چکے تھے۔ برطانوی ابھی ساحلوں پر تین جگہ موجود ایک چھوٹی سی قوت تھے۔ اپنی زندگی میں انہوں نے اپنے خاندان کی اہمیت ختم ہوتے دیکھی جبکہ دوسری طرف برطانوی کمزور تاجروں سے جارحانہ ملٹری فورس میں تبدیل ہوتے گئے۔

بہادر شاہ نے اپنا تخلص ظفر رکھا تھا جس کا مطلب فتح ہے۔ جب اپنے والد کی وفات کے بعد وہ بادشاہ بنے تو ان کی عمر پینسٹھ سال کے قریب تھی۔ اس وقت تک مغلوں کا سیاسی انحطاط روکنا ناممکن ہو چکا تھا لیکن وہ دہلی دربار میں بڑے شاندار دماغ اکٹھا کرنے میں کامیاب رہے۔ تمام مغلیہ بادشاہوں میں شاید وہ سب سے زیادہ ٹیلنٹ رکھنے والے، روادار اور ہر ایک میں پسند کئے جانے والے بادشاہ تھے۔ ماہر خطاط، مصنف، صوفی، مصوری کا زبردست ذوق رکھنے والے اور مصوروں کی حوصلہ افزائی کرنے والے، باغبان اور امیچور آرکیٹکٹ۔ اور وہ ایک سنجیدہ صوفی شاعر تھے۔ انہوں نے شاعری نہ صرف اردو اور فارسی میں کی بلکہ براج بھاشا اور پنجابی میں بھی۔ اور ان کی سرپرستی تھی جس وجہ سے یہ دور اردو ادب کا ایک سنہرا دور رہا۔ وہ نہ صرف خود غزل لکھتے تھے بلکہ مرزا غالب اور ان کے رقیب ذوق جیسے اساتذہ کے ٹیلنٹ کی قدر بھی شاہی دربار سے کی گئی۔ یہ ویسے ٹیلنٹ تھے جیسے یورپ میں موزارٹ اور سلیئیری۔

برطانوی اپنا اثر پھیلاتے رہے۔ مغل اختیارات کم ہوتے گئے۔ سکوں سے مغل نام مٹا دیا گیا۔ دہلی شہر کا نظم و نسق بھی مغلوں کے پاس نہ رہا۔ اور پھر برٹش نے مغل حکمران پر واضح کر دیا کہ وہ لال قلعے سے مغلوں کو بے دخل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

لال قلعے کا ریکارڈ ہمیں شاہی درباری ریکارڈ میں بھی نظر آتا ہے اور برٹش ریزیڈنٹ کی کورٹ ڈائری میں بھی جو اب نیشنل آرکائیو آف انڈیا کا حصہ ہے۔ بہادر شاہ ظفر ہمیں ایک بے ضرر، وضعدار اور رکھ رکھاؤ والے بزرگ کی صورت میں نظر آتے ہیں جو اپنے ادب آداب اس وقت بھی نہیں چھوڑتے جب برطانوی ان کے ساتھ بد تمیزی سے پیش آتے ہیں۔ شکار کرنے، مشاعرے کروانے، چاندنی رات سے لطف اندوز ہونے، موسیقی سننے اور آم کھانے کے شوقین۔

مئی 1857 کی صبح کو تین سو سپاہی اور سوار میرٹھ سے دہلی آتے ہیں جو ہر کرسچن مرد، عورت اور بچے کو قتل کر دیتے ہیں جو بھی ان کے ہتھے چڑھتا ہے۔ اور پھر بہادر شاہ ظفر کو اپنا لیڈر اور بادشاہ تسلیم کرتے ہیں اور انہیں انقلاب کی سربراہی کی درخواست کرتے ہیں۔ ظفر برٹش کے دوست نہیں لیکن انقلابی راہنما بھی نہیں۔ لیکن ان کے پاس جو انتخاب تھے، ان کو دیکھ کر انہوں نے انقلاب کے سربراہ کا کردار نبھانے کو ترجیح دی۔ اگرچہ انہیں بہت امید نہیں تھی کہ یہ رنگ لائے گی۔ برٹش دنیا کی طاقتور ملٹری پاور تھے لیکن انہوں نے اپنی بنگال آرمی کے انڈین فوجی گنوا دئے تھے جو برطانوی افسران سے بغاوت کر کے مغل بادشاہ کے جھنڈے تلے اکٹھا ہونے آئے تھے۔

اس فوج کے پاس محدود اسلحہ تھا، پیسے نہیں تھے، سپلائی نہیں تھی، انتظامی ناتجربہ کاری تھی۔ دہلی سے باہر دیہات میں پھرنے والے لٹیروں نے شہر کا ناطقہ برٹش سے بھی زیادہ کامیابی سے بند کر دیا تھا۔ دہلی کے شہری اور انقلابی سپاہی فاقوں کی نوبت پر آ گئے تھے۔

یہ کالونیل دور میں برطانویوں کو پیش آنے والا سب سے بڑا چیلنج تھا۔ یہ 1857 میں ہندوستان پر مغلوں اور انگریزوں کے لئے بقا کی جنگ تھی۔

سوالات وجوابات

سوال	**Shoaib Nazir** وہ کون سی وجوہات تھیں جس کی بنیاد پر مغل زوال پزیر ہوئے؟۔ انگریز کیسے اور کیوں اتنے پاور فل ہوئے کہ دہلی تک کو روند ڈالا؟۔
جواب	انگریز ٹیکنالوجی میں بہت آگے تھے۔ جہازرانی، مواصلات، انتظامی امور، جنگی حکمتِ عملی میں ہندوستانی پیچھے رہ گئے تھے۔ ایسا کیوں؟ اس کی ایک بڑی وجہ سائنسی ریوولیوشن تھا۔سائنسی ریولیوشن یورپ میں ہی کیوں؟ اس کی وجوہات آئندہ پھر کبھی۔
سوال	**Asadimran Shah** باقی تفصیلات تو آئیندہ سامنے آئیں گی لیکن اب تک کی تحریر کے حوالے سے یہ عرض کرنا تھا کہ بادشاہ نے باغی گروہ کا ساتھ نہیں دیا, وہ انگریزوں کے ساتھ جس معاہدہ میں تھا اس پر قائم رہا لیکن باغی فوجیوں نے زبردستی اسکی فوج کے بڑے حصے کو ساتھ ملایا اور ایک ناکام بغاوت کی کوشش کی.
جواب	یہ درست نہیں۔بارہ مئی کو بادشاہ کے ہاتھ پر باغیوں نے بیعت کی تھی۔
سوال	**Asadimran Shah** شاید زبردستی, کیونکہ بادشاہ کی سوچ اور طرز عمل اسکے میں نہ رہا تھا. آپکی رائے بہرحال سر آنکھوں پر. مغلیہ سلطنت کی جو قبولیت یندوستان میں تھی, ممکن ہے کہ یہ بغاوت نہ ہوتی تو یہ علامتی بادشاہت کئ دہائیاں اور چلتی اور مسلمانوں کو کم نقصان ہوتاان آخری سالوں میں کچھ جگھوں پر مسلمان انگریزوں کے حلیف تھے جیسا کہ پنجاب میں سکھ حکومت کے خلاف.
جواب	مقامی آبادی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی دوستی پرانی رہی۔مرہٹوں کو شکست دینے میں بڑی فوج مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ ہندوستان میں ہونے والی لڑائیوں کے علاوہ چین، برما، افریقہ، مشرقِ وسطٰی کی جنگوں میں مقامی آبادی کے سپاہی بڑے تعداد میں رہے۔اس میں مسلمان، ہندو، سکھ، سبھی تھے۔
سوال	**Shoaib Khan** جب درباروں میں عالم اور سائنسدانوں کے بجائے گویے اور طوئفیں عزت پانے لگیں شاعر سپہ سالاروں کی جگہ سنبھال لیں درسگاہوں کی جگہ مقبرے اور باغ تعمیر ہونے لگیں امور مملکت کے فیصلے حرم سے ہونے لگیں محلوں کی حفاظت ہیجڑے کرنے لگیں تو ایسے ہی ایسے جنم لیا کرتے ہیں کیکر پر گلاب نہیں لگتے۔والسلام

جواب	دنیا میں اگر کوئی بادشاہ نظر آیا جس کے دربار میں سائنسدان تھے تو اس پر بھی ضرور لکھنا چاہیے۔مسئلہ صرف یہ ہے کہ زمین کی تاریخ پر ایسا کوئی گزرا نہیں۔اس کے لئے کوئی اور سیارہ ڈھونڈنا پڑے گا۔ بہرحال۔یہ پوسٹ اور سلسلہjudgementدینے کے لئے نہیں، اس کا تعلق تاریخ سے ہے۔ اگر تاریخ میں غلطی نظر آئے تو نشاندہی ضرور کیجئے گا۔
سوال	**Fauzia Ayubi** سر وہارا آپ نے تو بہادر شاہ ظفر کی اتنی ساری کوالیٹیز بتائی ہیں۔جب کہ تاریخ میں انہیں ایک عیش و عشرت کا دلدارہ بادشاہ بتایا گیا ہے۔اور ان کی حکومت کے زوال کی وجہ بھی یہی ٹھہرائی جاتی ہے
جواب	ایک وجہ تو یہ ہے کہ جیتنے والوں کی لکھی تاریخ میں ان کا caricature بنایا گیا ہے۔ دوسرا یہ کہ مغل خاندان کا بیڑا تو ان سے بہت پہلے غرق ہو گیا تھا
سوال	**Fauzia Ayubi** بیڑا غرق تو بیشک پہلے ہو چکا تھا۔مگر آخری کیل تو بہادر شاہ ظفر نے ہی ٹھونکی تھی
جواب	بہادر شاہ ظفر ایسا کیا کر سکتے تھے کہ تاریخ کا دھارا بدل سکتے؟ شاید کچھ بھی نہیں۔ ان کو کمزور لیڈر اور منتظم ضرور کہا جا سکتا ہے تا ہم عیش و عشرت کا دلدادہ کہنا ان کے کردار کی ٹھیک عکاسی نہیں کرتا۔
سوال	**Yasir Mahmood** مئی 1857 کی صبح کو تین سو سپاہی اور سوار میرٹھ سے دہلی آتے ہیں جو ہر کرسچن مرد، عورت اور بچے کو قتل کر دیتے ہیں جو بھی ان کے ہتھے چڑھتا ہے۔اور پھر بہادر شاہ ظفر کو اپنا لیڈر اور بادشاہ تسلیم کرتے ہیں اور انہیں انقلاب کی سربراہی کی درخواست کرتے ہیں۔ظفر برٹش کے دوست نہیں لیکن انقلابی راہنما بھی نہیں۔لیکن ان کے پاس جو انتخاب تھے، ان کو دیکھ کر انہوں نے انقلاب کے سربراہ کا کردار نبھانے کو ترجیح دی۔اگرچہ انہیں بہت امید نہیں تھی کہ یہ رنگ لائے گی۔برٹش دنیا کی طاقتور ملٹری پاور تھے لیکن انہوں نے اپنی بنگال آرمی کے انڈین فوجی گنوا دئے تھے جو برطانوی افسران سے بغاوت کر کے مغل بادشاہ کے جھنڈے تلے اکٹھا ہونے آئے تھے۔ اس فوج کے پاس محدود اسلحہ تھا، پیسے نہیں تھے، سپلائی نہیں تھی، انتظامی ناتجربہ کاری تھی۔دہلی سے باہر دیہات میں پھرنے والے لٹیروں نے شہر کا ناطقہ برٹش سے بھی زیادہ کامیابی سے بند کر دیا تھا۔دہلی کے شہری اور انقلابی سپاہی فاقوں کی نوبت پر آ گئے Kya baat hai,aap ne azadi mangnay walon ko lutaoray,aur rastay mein aanay walay aurton aur bchon ka qatil bna diya,
جواب	جی بھائی، یہ دنیا فرشتوں اور شیطانوں کی نہیں، انسانوں کی ہے۔اچھے بمقابلہ برے پر بہت سا مواد اور بچوں کی کہانیاں دستیاب ہیں۔یہ مضمون ہسٹری پر ہے۔

سوال	**Shakeel Firoz Ayyan** سر سنا ہے جب انگریزوں نے قلعے پے حملا کیا تو بادشاہ تخت نہ چھوڑ سکے، کیونکہ ان کو چپلیں پہنانے وال کوئ نہیں تھا، کیا یہ درست ہے،
جواب	جس نے بھی یہ قصہ گھڑا ہے، بالکل ہی غلط ہے۔بادشاہ سترہ ستمبر کو محل چھوڑ کر جا چکے تھے جبکہ انگریزوں کا حملہ حملہ بیس ستمبر کو ہوا تھا۔اور ان کی گرفتاری کئی روز بعد دہلی سے چھ میل دور ہمایوں کے مقبرے سے ہوئی۔
سوال	**Shafi Usmani** Buht aala tehreer. Leken sir aap ne babar ko turk kaha. Ye bat kuch samjh ma nhi aai.
جواب	بابر ترکستان سے آئے تھے اور ترک تھے۔
سوال	**Tanvir Rana** یہی بات جب وزیراعظم نے کہی تو سب لٹھ کے اس کے پیچھے پڑ گئے تھے۔
جواب	کونسے وزیرِاعظم نے؟
سوال	**Tanvir Rana** عمران خان صاحب
جواب	معذرت، میں کنفیوز ہو گیا تھا کہ شاید اس کا کسی تاریخی موضوع سے تعلق ہو۔غالباً، یہ پھر سوشل میڈیا کے لٹھ برداروں کے سیاسی مکالمات کا کوئی باب ہو گا۔ان میں دلچسپی نہیں۔
سوال	**فاروق اعظم** جتنی خوبیاں آپ نے بہادر شاہ ظفر کی گنوای ہیں انھیں چاہیے تھا بجاے بادشاہ کی کرسی پر بیٹھنے کہ کوئی استانہ بنا کر پیری مریدی شروع کر دیتے۔آج ہر سال انکا عرس بڑے دھوم دھام سے منایا جاتا
جواب	بہادر شاہ ظفر صوفی پیر تھے اور لوگ ان کی مریدی میں آیا کرتے تھے۔
سوال	**فاروق اعظم**۔زبردست۔یہی کام انھیں سوٹ کرتا تھا۔خوامخوہ تکلف ہی کیا بادشاہ بن کر۔
جواب	جی اچھا
سوال	**فاروق اعظم**۔ اور اگر نوبت فوجیوں کے فاقوں تک پہنچ چکی تھی تو خود ھی قلعہ کی چابیاں فرنگیوں کو دے کر سنیاسی بن جاتے
جواب	جی اچھا
سوال	**Afaq Ahmed** Wahara Umbakar sir please tell us the pics we see an old man dying is that real bahadur shah in his last days?????

جواب	یہ تصویر اس وقت کھینچی گئی تھی جب وہ دہلی میں انگریزوں کی قید میں تھے۔انگریزوں نے اس کو مشہور کیا تھا تا کہ کمزور شخص کے طور پر ان کا تاثر مضبوط ہو۔
سوال	**Javed Siddiqui** آپ تاریخ کو حقائق اور واقعات کی روشنی میں پیش کررھے ھیں جو نہایت مستحسن عمل ھے۔۔ ورنہ زیادہ تر مورخ تاریخ کے واقعات کو اپنی خواھش کی عینک سے دیکھتے اور دوسروں کو دکھاتے ھیں اور اصل تاریخ مسخ ھو کر رہ رہ جاتی ھے۔۔
جواب	تاریخ "کیا ہوا تھا" کا علم ہے۔ جب اس کے درمیان میں "کیا ہونا چاہیے تھا" آ جاتا ہے تو پھر تاریخ پڑھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔
سوال	**Shakeel Firoz Ayyan** سر مغلوں کی شکست اور انگریزوں کی فتح میں فیصلہ کن محرکات کیا تھے، یہ ٹیکنالوجی کی فتح تھی یا سیاسی عدم استحکام اس کی وجہ بنی، اور سر اس وقت عالمی قوتوں کا بڑتے عصر و رسوخ کو سمجھنے کا اور اس سے نمٹنے کا کوئ ادارتی سطح کا میکنزم (پیٹاگون) ہوتا تھا یا دشمن کی طاقت اور قابلیت میدان جنگ میں ہی آشکار ہوتی تھی۔
جواب	برٹش نے ہندوستان میں جو بڑی فتوحات کیں، وہ بنگال میں پلاسی کی جنگ، میسور میں ٹیپو سلطان، پنجاب کی سکھا شاہی، مرہٹوں اور فرانسیسیوں کے خلاف تھیں۔مغل سے تو ان کی براہِ راست لڑائی ہوئی ہی نہیں۔
سوال	**Shakeel Firoz Ayyan** کمال ہے، بہادر شاہ ظفر تو شطرنج کے بادشاہ ہوئے پھر۔شکریہ سر۔
جواب	جی، ان کے دادا کو شطرنج کا بادشاہ کہا جاتا تھا۔(اور ان کے دادا زیادہ بااختیار تھے)۔

2۔ شہروں کا شہر

دہلی کا 1857 کا محاصرہ برٹش راج کے لئے ہندوستان میں آخری سٹینڈ تھا۔اگر اس میں ہندوستانی انقلابی کامیاب ہو جاتے تو ہندوستان برٹش کے ہاتھ سے نکل جاتا۔کالونیل دور کا سب سے بڑا انعام ان کے پاس نہ رہتا۔ یہ دو طاقتوں کے درمیان ہونے والی موت تک لڑائی تھی، جس میں کوئی بھی پیچھے نہیں ہٹ سکتا تھا۔اس میں دونوں اطراف نے بے پناہ جانی نقصان اٹھایا۔دونوں طرف لڑنے والے اپنی ذہنی اور جسمانی ہمت کی آخری حدوں پر تھے۔برطانوی کئی بار بہت کمزور پوزیشن میں رہے تھے۔ لیکن جنگ کے نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے 14 ستمبر 1857 کو چار ماہ کے محاصرے کے بعد برٹش فوج نے دہلی پر حملہ کیا۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

برطانویوں نے 1757 میں پلاسی کی جنگ جیتی اور 1893 میں ہنزہ اور نگر کو پروٹیکٹریٹ بنایا۔ان 136 برسوں میں 1857 ان کے لئے بڑا چیلنج تھا۔برٹش نے ہندوستان میں جو فتوحات کیں، اس میں سب سے مشکل تختِ لاہور کو الٹانے میں ہوئی اور سکھاشاہی کو الٹانا صرف اس لئے ممکن ہوا کہ پنجاب کے طاقتور حکمران رنجیت سنگھ کے بعد ان کے جانشین کمزور تھے۔برٹش کی خوش قسمتی رہی تھی کہ 1857 سے صرف چند سال قبل ہی وہ پنجاب فتح کر چکے تھے اور اس میں ایک اہم کردار گلاب سنگھ نے ادا کیا تھا۔گلاب سنگھ کو انگریزوں نے موجودہ افغانستان کے جلال آباد والا حصہ دینے کی پیش کش کی تھی۔ لیکن جموں سے تعلق رکھنے والے گلاب سنگھ نے جموں اور کشمیر کو خریدنے کو ترجیح دی تھی اور اس کی قیمت اس خزانے سے ادا کی تھی جو رنجیت سنگھ کے خاندان سے حاصل کر کے گاڑیاں بھر کر جموں لے جایا گیا تھا۔

لاہور دربار کی شکست اور جموں کشمیر میں دوست حکمران کے ہونے نے 1857 میں برٹش فتح میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔جب ہندوستان میں فوجیوں نے بغاوت کی تو برٹش اکیلے رہ گئے تھے۔اور اس وقت میں انہیں سپورٹ ہندوستان کے مغربی علاقے سے ملی تھی۔پنجابی سکھ اور مسلمان، پٹھان اور کشمیری اور ایک بلوچ رجمنٹ کی آنے والی کمک اس جنگ کا ٹرننگ پوائنٹ تھے۔جس فوج نے آخر میں دہلی پر کامیابی سے دھاوا بولا تھا، وہ انہی پر مشتمل تھی۔1857 میں ہندوستان پر اپنی بقا کی سب سے اہم جنگ لڑنے والی برٹش فوج میں برٹش اس کا بیس فیصد تھے۔

دہلی شہر تاراج کر دیا گیا۔اس کو لوٹ لیا گیا۔ قتلِ عام ہوا۔کوچہ چیلاں، جو دہلی کے دانشوروں اور فنکاروں کا محلہ تھا۔صرف اسی میں کئے گئے قتلِ عام میں 1400 لوگوں کو مار دیا گیا۔ایڈورڈ وبارٹ جو اس وقت انیس سالہ برٹش آفیسر تھے لکھتے ہیں، ”ہمیں آرڈر تھے کہ کسی ذی روح کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔یہ قتل تھا۔میں نے زندگی میں بڑا خون اور ہولناک مناظر دیکھے ہیں لیکن جو کل دیکھا، میری خواہش ہے کہ ایسا پھر کبھی دیکھنے کو نہ ملے۔عورتوں کو ہم چھوڑ دیتے تھے۔لیکن جب ان کے سامنے ان کے شوہروں اور بیٹوں کو ذبح کیا جا رہا ہوتا تھا تو ان کی چیخیں سننا تکلیف دہ تھا۔میں رحمدل نہیں لیکن جب آپ کے سامنے ایک ادھیڑ عمر شخص لایا جاتا ہے اور وہ گر کر زندگی کی بھیک مانگ رہا ہوتا ہے تو اس پر گولی چلا دینا بڑا مشکل کام ہے“۔

جو قتل کئے جانے سے رہ گئے، وہ بھاگ کر دیہاتوں کی طرف چلے گئے۔دہلی کھنڈر رہ گیا۔مغل شاہی خاندان نے ہتھیار ڈال دئے۔ بہادر شاہ ظفر کے سولہ بیٹوں میں سے زیادہ تر پکڑے گئے۔مقدمات چلائے گئے اور پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔تین بیٹوں کو بے دردی سے مارا گیا جب وہ ہتھیار ڈال چکے تھے اور قیدی بنا کر لایا جا رہا تھا۔شہر پہنچ کر سب کے سامنے انہیں کپڑے اتارنے کا حکم دیا گیا۔اور پھر ایک ایک کر کے تینوں کے سینے میں دو دو گولیاں اتار دی گئیں۔یہ کرنے والے کیپٹن ولیم ہوڈسن نے اگلے دن خط میں لکھا، ”میں ظالم انسان نہیں۔لیکن میں تسلیم کرتا ہوں کہ مجھے ان کمینوں کو دوسرے جہان پہنچا کر مزا آیا تھا“۔

بہادر شاہ ظفر کو نمائش کے لئے رکھا گیا جیسے ”پنجرے میں جانور“ (یہ ایک برٹش افسر کے الفاظ ہیں)۔ٹائمز کے صحافی ولیم رسل کو بتایا گیا تھا کہ ”یہ قیدی مغربی کالونیل دور ختم کرنے کا سب سے خطرناک ماسٹر مائنڈ تھا“۔رسل لکھتے ہیں کہ ”کیا یہ شخص واقعی ایک عظیم سلطنت کی بحالی کا منصوبہ ساز تھا؟ کیا دنیا کی تاریخ کی سب سے بڑی انقلابی فورس انہوں نے بنائی تھی؟ ان کے ہونٹوں سے ایک لفظ بھی نہیں نکل رہا تھا۔آنکھیں زمین پر گڑی تھیں اور حرکت نہ تھی۔جیسے کچھ معلوم نہ ہو کہ ارد گرد کیا ہو رہا ہے۔بوڑھی اور تھکی ہوئی آنکھیں۔کچھ لوگوں نے انہیں جلی ہوئی لکڑی سے دیوار پر شعر لکھتے دیکھا تھا“۔

اس سے اگلے مہینے عدالت لگائی گئی اور ظفر پر مقدمہ چلایا گیا۔انہی کے پرانے محل کے کھنڈر پر انہیں جلاوطنی کی سزا سنا دی گئی۔ موت کی اس لئے نہیں کہ گرفتاری کے وقت جان بخشی کا وعدہ کیا گیا تھا۔ان پر ایک الزام یہ لگایا گیا تھا کہ وہ فارس اور ترکی کے بادشاہوں کے ساتھ ملکر عظیم سازش میں مصروف تھے اور یہ انقلاب اس سازش کا پہلا باب تھا۔اس کا مقصد برطانوی ملکہ کو ہٹا کر دنیا بھر میں مسلم راج قائم کرنا تھا۔اس الزام کے ثابت ہو جانے کے بعد صبح کے چار بجے انہیں بیل گاڑی میں بٹھا کر دہلی سے بے دخل کر دیا گیا۔

ظفر کے جانے کے بعد ہندوستان سے بادشاہت اور دربار کا خاتمہ ہو گیا۔ساتھ ہی ان روایات اور آداب کا بھی جو اس دربار سے خاص تھے۔غالب کے الفاظ میں، "یہ سب بس اس وقت تک تھا جب تک شاہ کی حکومت تھی۔"جب 87 سال کے عمر میں 1862 کو بہادر شاہ ظفر کا انتقال ہوا تو دہلی بہت بدل چکا تھا۔لال قلعہ کا بڑا حصہ گرایا جا چکا تھا۔دہلی کا بہت سا حصہ مسمار کیا جا چکا تھا۔یہاں بسنے والے شاعر اور صوفی، خطاط اور درباری، ملا اور بنیے، تاجر اور شہزادے، سکالر اور ساہوکار لٹکائے جا چکے تھے یا کالا پانی کی ناقابلِ رہائش قید میں بھیجے جا چکے تھے۔جو بچے، وہ بدترین غربت کی زندگی گزار رہے تھے۔غالب چند بچ جانے والوں میں سے تھے۔شاہی خاندان کے جو مرد مارے جانے سے بچ گئے تھے، ان کا بعد میں پانچ روپے ماہانہ وظیفہ مقرر ہوا تھا۔خواتین کے ساتھ زیادہ برا ہوا تھا۔غالب کے مطابق،

"دہلی اب ایک صحرا ہے۔نہ قلعہ، نہ شہر، نہ بازار، نہ نہر۔دہلی کو چار چیزیں زندہ رکھتی تھیں۔لال قلعہ، جامعہ مسجد پر ہجوم، جمنا کے پل پر سیر اور سالانہ پھولوں کا میلہ۔کچھ بھی نہیں بچا تو دہلی نے کیسے بچنا تھا۔ہاں، ہندوستان میں کبھی اس نام کا شہر ہوا کرتا تھا"۔

مورخ جیمز فرگوسن لکھتے ہیں کہ جو دہلی میں ہوا، وہ تباہی تھی۔اس کے علاوہ ایسا صرف پیکنگ میں ہوا۔اس کی کوئی وجہ نہ تھی، کوئی جواز نہ تھا۔ایک وقت میں قسطنطنیہ اور کینٹن کے درمیان اس کے پائے کا کوئی شہر نہ تھا۔حمام اور باغ، ہزار ستونوں کے ہال اور شاندار مقبرے، صوفی خانقاہیں اور مساجد۔

دہلی شہروں کا شہر تھا۔

نوٹ: ساتھ لگی تصویر دلی شہر کی جو 1850 میں منصور خان نے لاہور گیٹ سے بنائی۔تصویروں کا یہ پینوراما سر تھامس میٹکاف نے بنوایا تھا۔دس سال بعد اس والے حصے سے کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔

سوالات وجوابات

سوال	**Afaq Ahmed** Sir Wahara Umbakar please clear two things why the English man some time become so much merciful????
جواب	کیونکہ وہ انسان ہیں۔ویسے ہی جیسے ہندوستانی یا عرب یا افریقی یا امریکی
سوال	**Sahibzada Fakher Maharvi** سر تھامس مٹکاف کافی عرصہ تک دہلی میں رہے تھے۔غداری کی عظیم داستانیں رقم کی گئی تھیں انگریزوں کے بر صغیر میں قدم رکھنے کے بعد۔اندازہ لگائیں کہ انگریز حملہ آور اور دہلی کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں مگر انگریز آفیسرز اپنے خیموں میں شاہی باورچی خانے کا کھانا بیٹھے کھا رہے ہیں۔بادشاہ کی ملکائیں اپنے اپنے بیٹوں کی ولی عہدی حاصل کرنے کے لئے محاصرہ کرنے والے انگریزوں سے خط و کتابت کر رہی ہیں۔بادشاہ کا کتابت کرنے والا انگریزوں کے ساتھ مل چکا تھا جسے بادشاہ اپنا بیٹا کہتا تھا۔حکیم احسن اللہ خاں بادشاہ کا طبیب،بھروسے مند اور بادشاہ کے بیٹے کا سسر انگریزوں کے ساتھ مل چکا تھا۔بادشاہ کے گرفتاری کے انتظامات بھی اسی خبیث شخص نے کئے تھے اور ولیم ہوڈسن کو بادشاہ کے ہمایوں کے مقبرے میں چھپے ہونے کی خبر بھی اسی نے دی۔روہیلہ سردار جنرل بخت خان ہمایوں کے مقبرے میں بادشاہ کی منتیں کرتا رہا کہ دہلی چلا گیا تو کوئی بات نہیں آپ اور آپ کا خاندان میرے ساتھ چلیں ہم کہیں اور سے یہ جنگ شروع کریں گے مگر حکیم احسن اللہ نے بادشاہ کی برین واشنگ کی اور گرفتاری دینے پر آمادہ کیا۔اور چھوٹی چھوٹی غدار ریاستوں نے دہلی کا تخت الٹانے میں اہم کردار ادا کیا۔شائد آپ کو معلوم نہ ہو بادشاہ عالمگیر کے دور میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تھی تو عالمگیر کی فوجوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ذلت آمیز شکست دی تھی۔اور ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان چھوڑنے کا حکم دیا مگر گورنمنٹ آف انگلینڈ درمیان میں آگئی اور ان کے سفیر کو دربار میں بری طرح ذلیل کرنے کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی انگلنڈ کو اپنی تجارت جاری رکھنے کی اجازت دی گئی تھی۔مگر جب 1707 میں عالمگیر فوت ہوا تو مرکز کمزور ہو گیا اور صوبوں کے نوابوں نے غداری کی اور اپنی ریاستوں کا اعلان کیا۔عالمگیر کے فوت ہونے کے صرف پچاس سال بعد پلاسی ہوئی جس میں بنگال کی فوج کی تعداد پچاس ہزار سے اوپر تھی اور برٹش آٹے میں نمک کے برابر تھے مگر پھر آئے جناب شہنشاہ نمک حراماں میر جعفر جس نے سراج الدولہ کو عبرت ناک موت دے کر انگریزوں کو ہندوستان میں طاقت میں لے آیا۔اس کے بعد انگریزوں نے کبھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔میسور نظام آف حیدر آباد کی غداری اور میر صادق کی غداری کی وجہ سے 1799 میں ہندوستانیوں کے ہاتھ سے چلا گیا۔مگر ہندوستان کی مٹی نے چند ہیرے بھی پیدا کئے جن میں ٹیپو سلطان،جھانسی کی رانی،تاتیا ٹوپی اور جنرل بخت خان جیسے لوگ تاریخ ہندوستان میں ہیروں کی طرح جگمگاتے رہیں گے۔

جواب	اگرچہ اس میں واقعات ٹھیک ہیں لیکن نمک حرام، نمک حلال، غدار، ہیرے قسم کے لیبل کے ساتھ نہ تاریخ پڑھی جاتی ہے اور نہ ہی اس کی سمجھ آتی ہے۔
سوال	**Hamid Ul Haq** .انگریزوں کا.ساتھ دینے والے کل. بھی.غدار تھے اور آج. بھی غدار ہیں ہندوستان پر انگریزوں سے پہلے جتنے بھی حکمران. آئے.تھے.. انہوں نے ہندوستان کو متحد مظبوط اور خوشحال بنایا. مغلوں کے دور میں ہندوستان سونے کی چھڑیا کے نام سے مشہور تھا. شاہ جہان اور اورنگزیب علمگیر کے دور میں پورے.دنیا کی جی ڈی.پی .میں ہندوستان کا حصہ 25٪ تھا پھر انگریز آئے. انہوں سوچھے سمجھے منصوبے کے. تحت صنعتی بنگال.کو زرعی بنگال.بنایا.اور پھر لگان کی.سخت شرائط لگاکر مصنوعی قحطوں سے کروڑوں بنگالیوں کا خون کیا. اس کے علاوہ یہاں کے.علماء ادیب اور سکالر سب کو.توپوں کے.منہ میں ڈال دیا. انگریزوں کے.مظالم کو اگر گننا جائے تو نا ختم.ہونے.والاا مضمون کھل جائے گا. 1947 میں ہندو مسلم.فسادات برپا کرکے اس خطے کی وحدت کو ہمیشہ کیلئے ختم کیا اور جاتے وقت ہندوستان کو ایسے کنگال کردیا کہ 1947 میں ہندوستان کا جی ڈی پی دنیا کے جی ڈی پی کا 3٪ بھی نہیں .تھا. انگریزوں نے ہندوستان کو جتنا نقصان پہنچایا تاریخ انسانی کے اوراق پر ایسے ظلم کسی دوسرے خطے.میں نہیں پایا جاتا اگر آپ آج کے پاکستان یا انڈیا کے مثال دیتے ہے.تو یہ دونوں ممالک پچھلے 250 سال سے غلام اور برطانوی نو آبادیات کابڑاحصہ ہے. اس لئے جنگ کی صورت میں پرانے غداروں کا انگریز کا ساتھ دینا اور موجودہ دور کی پاک بھارت نفرت کا موازنہ مناسب نہیں ہے **Faheem Awan** اس حمام میں سب ننگے، جب سندھ کے حر انگریز سے لڑ رہے تھے تو مدد کو سر شہباز بگٹی پہنچے بدلے میں سکھر کی جاگیر ملی، جب ٹالپور انگریز کے سامنے کھڑے ہوئے تو میر دودا خان بھٹو برٹش سرکار کی مدد کو آئے ، جنوبی پنجاب کے یوسف رضا گیلانی، شاہ محمود قریشی، سیدہ عابدہ حسین اور فخر امام کے بڑے ،ملتان کے مخدوم، چکری کے چوہدری نثار علی خان کا دادا، کرک کے خٹک،یہ اب کے سب انگریز کے حمایت یافتہ لوگ یہی لوگ جنہوں نے مشکل ترین وقت میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی مدد کی ، پہلی افغان اینگلو جنگ میں سکھا شاہی نے برطانوی فوج کو راستہ سینے سے انکار کیا تھا اور طویل سپلائی لائن ایک بڑی وجہ تھی برطانوی شکست کی لیکن پنجابی اور پٹھان کی مدد نے انگریز کو فتح دلوانے میں اہم کردار ادا کیا ، جہلم،چکوال،اٹک،راولپنڈی، بنوں،مردان،پشاور،صوابی کے ہر ایک گاوں .میں آپکو دوسری جنگ عظیم لڑنے والا بابا حوالدار، باباصوبیدار، بابا جمعدار ملے گا یہ سب کے سب غدار تھے
جواب	"ہندوستان پر انگریزوں سے پہلے جتنے بھی حکمران. آئے.تھے.. انہوں نے ہندوستان کو متحد مظبوط اور خوشحال بنایا" تاریخ کو اس فقرے سے بہت اختلافات ہیں۔ انگریز کالونیل دور سے کوئی ہمدردی نہیں لیکن ہندوستان کے گرتے ہوئے فرسودہ فیوڈل آرڈر کو اگر آخری دھکا انگریز نہ لگاتے تو فرانسیسی یا جرمن یا پرتگالی یا کوئی اور لگا دیتا یا یہ خود ہی گر جاتا۔

سوال	**Usman Khan** Delhi ko sub say bara nuqsan hindustan k apnay ghaddaron nay pohnchaya tha. Jo log british army ka us waqt 20% thay woh is tabahi k barabar k zimm-e-dar thay. Khair history aisay logon say bhari pari hy tu aik yeh bhi sahi.
جواب	غدار ایک بے کار لفظ ہے۔ان سے مغلوں سے وفا کی توقع کیوں تھی؟
سوال	**Usman Khan** mughlon say nahi apni zameen say hi wafa kartay angrezon say kon si wafa ki tawaqqa thi jo us waqt unka sath dia?
جواب	دشمنوں کے دشمن کا ساتھ دیا تھا۔
سوال	**Usman Khan** meer jafar aur us k hum fitrat logon nay bhi shayad yehi kia tha.
جواب	بالکل ایسا ہی کیا تھا۔اور یہ کامیاب جنگی حکمتِ عملی تھی جو ان کوexploit کر سکے۔
سوال	**Usman Khan** Jo baat ap kar rahay hen is say sahi aur ghalat ki tameez khatam ho jati hy, yeh 20% log hindustan say talluq rakhtay thay angrezon ka sath dena samajh say bala tarr hy. Gulab singh aur bhagat singh, tipu sultan aur meer jafar men kuch tu farq hoga. Jo log britishers say bahaduri say laray unki tareef angrezon nay khud bhi ki, baqi "ghaddaron" ki tareef koi bhi nahi karta. Agay chal kar yehi angrez aaqa thay in k aur jaliyan wala bagh jesa incident tha.
جواب	ہندوستان ایک سیاسیentity نہیں تھا۔ مثلاً، ٹیپو سلطان یا رنجیت سنگھ یا باجی راؤ مغلوں کیsovereignty میں نہیں تھے۔ انڈیا اور پاکستان ہمسائے ہیں۔اگر بالفرض انڈیا اور برطانیہ تنازعہ ہوتا ہے تو کیا پاکستان انڈیا کا ساتھ اس لئے دے گا کہ وہ ہمسایہ ملک ہے؟ جہاں تک میر جعفر یا الٰہی بخش یا ایسے کرداروں کا تعلق ہے تو تاریخ میں انہیں اس لئے پسند نہیں کیا گیا کہ انہوں نے اپنی وفاداری کے حلف کی خلاف ورزی کی۔جبکہ ٹیپو سلطان کو مغلوں کا غدار نہیں کہا جاتا کیونکہ ان کا وفاداری کا کوئی معاہدہ نہیں تھا۔اسی طرح کشمیر یا پٹیالہ کے حکمران کا کوئی ایسا اتحاد نہیں تھا۔ کیا ان کا اتحاد کا فیصلہ مناسب تھا؟ اس پر بحث ہو سکتی ہے۔لیکن اس کو غداری نہیں کہا جاتا۔

سوال	**Usman Khan** اگر برطانیہ کا انڈیا سے تنازع ہوتا ہے اور ان کے عزائم پاکستان پر بھی قبضہ کے ہوں تو کیا انکا ساتھ دینا جائز ہو گا ان کرداروں کی وجہ سے پورا ہندوستان برطانیہ کی غلامی میں چلا گیا۔دوسری جنگ عظیم نہیں ہوتی تو پتہ نہیں کتنا عرصہ غلام رہتے۔حلف مغلوں سے وفاداری کا نہیں تھا تو حلف تو برطانیہ سے بھی نہیں تھا۔خیر آپ کی باقی باتوں سے اتفاق لیکن آخری لائن سے متفق نہیں۔
جواب	ہندوستان ایک ملک نہیں تھا۔اسے انگریزوں نے ایک ملک بنایا تھا بلکہ کافی عرصے تک برما کو بھی اسی کا صوبہ بنا دیا تھا۔ ہندوستان کا 1764 کا نقشہ ساتھ لگا ہے۔
سوال	**Noor Khan** یہ زبردست سیریس ہے۔ کیا بہادر شاہ انگریزوں کا وظیفہ خوار نہیں تھے؟ وظیفہ لینے کا مطلب ان کا اطاعت گزار ہونا تھا جبکہ الٹا بغاوت کی سربراہی کر کے مصیبتیں مول لیں۔ دوسری طرف یہ بھی تاریخ ہے کہ بابر نے جب دہلی پہنچ کر مغل بادشاہی شروع کی تو بھی انگریز اور دیگر یورپی تاجر پہلے سے ہندوستان میں کمپنیاں چلاتے تھے۔
جواب	نہیں۔بہادر شاہ ظفر وظیفہ خوار نہیں تھے۔قانونی لحاظ سے معاملہ الٹ تھا۔ایسٹ انڈیا کمپنی مغلوں کی باجگزار تھی جس کو محصول جمع کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ تجارت تو دنیا کے ہر علاقے میں ہر وقت ہوتی رہی ہے۔چینی، عرب اور عثمانی تجارت بھی ہندوستان میں اس سے پہلے ہوتی رہی تھی۔
سوال	**Usama Mahatir** سر کیا پنجاب سے انگریزوں کو "عوامی" حمایت حاصل تھی دہلی پر حملے کے وقت؟
جواب	یہ انیسویں صدی کی تاریخ ہے۔عوامی کا لفظ ہندوستان کی سیاسی ڈکشنری تک نہیں پہنچا تھا۔

سوال	**Shakeel Firoz Ayyan** بہت افسوس ناک منظر کھینچا ہے سر آپ نے بہادر شاہ ظفر اتنے معصوم سے انسان پے اتنا بڑا ظلم،میں ذاتی طور پے ان سے شرمندہ ہوں، اور افسوس ہے ان 80 فیصد غداروں پے جن کی بدولت وجہ سے یہ ظلم عام ہوا،
جواب	غداری اس وقت ہوتی ہے اگر وفاداری کا حلف ہو۔یہ علاقے مغل اثر میں نہیں تھے۔اس لئے یہ غداری نہیں تھی۔یہاں پر ڈائریکٹ براہِ راست حکومت تھی یا راجاؤں کی۔کشمیر، پٹیالہ، ہریانہ کے حکمرانوں نے فوج دی۔لاہور، پشاور کے کمشنر نے فوج اکٹھی کی۔آنے والے پہلے دستے میں سکھ تھے اور ملتان سے مسلمان۔باقی علاقوں سے بعد سے آئے۔ان علاقوں کے لوگ دہلی والوں کے ساتھ بھی تھے۔ جہاں تک غداری کا تعلق ہے تو دہلی کا غدار کا لقب بہادر شاہ ظفر کے کزن اور سمدھی مرزا الٰہی بخش کو ملا ہے۔
سوال	**Tariq Ahmad Awan** Wahara Umbakar hindustan ak alag jaga thi or angrez al alag jaga se aye thy , to is sorat me agar koi hindustani apny hindustan k logo ko chor k sngrezo k sath mily to ye ghaddari ni to or kya he
جواب	ہندوستان اصل میں ایک جگہ نہیں تھی۔اس کی ایک مثال ایسے دیکھ لیں کہ کیا انڈیا اور پاکستان ایک جگہ ہیں؟ اگر بالفرض انڈیا اور امریکہ کا تنازعہ ہو (یا انڈیا اور چین کا) تو پاکستان انڈیا کا ساتھ اس لئے نہیں دے گا کہ ہم قریبی پڑوسی ہیں۔اور انڈیا کا ساتھ نہ دینا غداری نہیں کہلائے گا۔ اسی طرح برٹش کو مقامی آبادی کے اچھے خاصے حصے کی ہمیشہ حمایت رہی۔جب برٹش آئے تھے تو ہندوستان کی سب سے بڑی ابھرتی طاقت مرہٹوں کی تھی۔مسلمانوں کی اکثریت نے اور دہلی نے ان کے خلاف برٹش کا ساتھ دیا تھا۔(اگر برٹش ہندوستان میں نہ آتے تو شاید یہاں کی سب سے بڑی زبان مراٹھی ہوتی)۔
سوال	**Tariq Ahmad Awan** Wahara Umbakar to pher ye sara hi hindustan q kehlaya ? Or mughal hakaomat kis jaga pe karty rahy ? Mene to aj tak yahi suna he k Bangladesh Pakistan or india , ye sab hindustan kehlata tha or mughal is pe hakomat kartt thy . Mehmood ghaznawi se pehly ye choti choti riasto me taqsim tha jis pe rajy hakomat karty thy
جواب	وہ نقشہ کچھ وضاحت کر دے گا کہ 1764 میں ہندوستان کی صورتحال کیا تھی۔ اور مغل حکومت کی عملداری کہاں تک تھی۔ یہ علاقہ اشوکا نے بڑی حد تک اکٹھا ایک سیاسی یونٹ بنایا تھا۔مغلوں میں ہمایوں سے اورنگزیب تک مغلوں کا کافی بڑے علاقے تک قبضہ رہا تھا۔شاہ جہاں کے دور میں مغلوں کے پاس سب سے زیادہ بڑا علاقہ تھا جس میں آج کے افغانستان

	کا بڑا حصہ بھی شامل تھا۔لیکن یہ سرحدیں ہمیشہ متحرک رہی ہیں۔ جس طرح یورپ میں لڑتے لڑتے سرحدیں بدلتی رہیں تھی، ویسی ہی برِصغیر میں۔اگر کوئی عظیم فاتح چین یا ہند کی طرح یورپ بھر پر قبضہ کر لیتا تو شاید یورپ بھی ایک ملک ہوتا۔
سوال	**Tariq Ahmad Awan** Wahara Umbakar duranio k under kon konsy ilaqy aty thy . Kya mojoda Abbott abad or Peshawar atay thy ?
جواب	اپنے عروج کے وقت درانیوں کے پاس کشمیر کا زیادہ تر حصہ، پنجاب میں موجودہ پاکستانی پنجاب کا تمام علاقہ اور اس سے کچھ زیادہ، سندھ اور بلوچستان کا بیشتر حصہ تھے۔ موجودہ ایران میں اصفہان تک کا علاقہ ان کے پاس تھا۔وسطی ایشیائی ریاستوں کا کچھ حصہ بھی ان کے پاس تھا۔
سوال	راحیل احمد دھمیال ایڈووکیٹ پنجابی سکھ۔مسلمان پٹھان اور بلوچ رجمنٹ کے متعلق کہ ان کا برٹش فوج کا ساتھ دینا ٹرننگ پوائنٹ تھا۔۔۔اس کا ریفرنس مل جائے گا۔۔۔بوقت ضرورت کام آ سکے
جواب	Last Mughal: William Dalrymple
سوال	**Sanam Khan** Hindsight is the historian's necessary vice. Hilary Mantel ہمارا مطالعہ پاکستان لکھنے والے ہستورین کے بارے میں۔
جواب	برٹش دور میں اسی طرز پر برکاتِ حکومتِ انگلیشیہ پڑھایا جاتا تھا۔
سوال	**Sanam Khan** برکاتِ حکومتِ انگلیشیہ

جواب	جی ہاں، یہ درسی نصاب میں تھا۔اسی کی پیروڈی ابنِ انشا نے کی ہے۔ برکات حکومت غیر انگلیشیہ" عزیزو بہت دن پہلے اس ملک میں انگریزوں کی حکومت ہوتی تھی اور درسی کتابوں میں ایک مضمون برکات حکومت انگلیشیہ کے عنوان سے شامل رہتا تھا۔اب ہم آزاد ہیں۔اس زمانے کے مصنف حکومت کی تعریف کیا کرتے تھے کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ہم اپنے عہد کی آزادی اور قومی حکومتوں کی تعریف کریں گے۔اس کی وجہ بھی ظاہر ہے۔ عزیزو انگریزوں نے کچھ اچھے کام بھی کئے ہیں۔لیکن ان کے زمانے میں خرابیاں بہت تھیں۔کوئی حکومت کے خلاف بولتا تھا یا لکھتا تھا تو اس کو جیل بھیج دیتے تھے، اب نہیں بھیجتے۔رشوت ستانی عام تھی، آج کل نہیں ہے۔دوکاندار چیزیں مہنگی بیچتے اور ملاوٹ کرتے تھے، آج کل کوئی مہنگی چیزیں نہیں بیچتا، ملاوٹ بھی نہیں کرتا۔انگریزوں کے زمانے میں امیر اور جاگیر دار عیش کرتے تھے، غریبوں کو کوئی پوچھتا نہیں تھا۔اس اتنا پوچھتے ہیں کہ وہ تنگ آجاتے ہیں۔خصوصاً حق رائے دہندگی بالغان کے بعد سے۔ تعلیم اور صنعت و حرفت کو لے لیجئے۔ربع صدی کے مختصر عرصے میں ہماری شرح خواندگی اٹھارہ فیصد ہو گئی ہے۔غیر ملکی حکومت کے زمانے میں ایسا ہو سکتا تھا؟ انگریز شروع شروع میں ہمارے دستکاروں کے انگوٹھے کاٹ دیتے تھے، اب کارخانوں کے مالک ہمارے اپنے لوگ ہیں۔ دستکاروں کے انگوٹھے نہیں کاٹتے، ہاں کبھی کبھار پورے دستکار کو کاٹ دیتے ہیں۔آزادی سے پہلے ہندو بنئیے اور سرمایہ دار ہمیں لوٹا کرتے تھے، ہماری خواہش تھی کہ یہ سلسلہ ختم ہو اور ہمیں مسلمان بنئیےاور سیٹھ لوٹیں۔الحمد للہ کہ ہماری یہ آرزو پوری ہوئی۔جب سے حکومت ہمارے ہاتھ آئی، ہم نے خاصی ترقی کی ہے۔خاص برآمدات دو ہیں، وفود اور زر مبادلہ۔ درآمدات ہم گھٹاتے جا رہے ہیں۔ایک زمانے میں تو خارجہ پالیسی تک باہر سے درآمد کرتے تھے۔اب یہاں بننے لگی ہے۔
سوال	**Shoaib Nazir** کمال سر۔۔یہ بات مرے لیے حیران کن ہے۔کہ " 1857 میں ہندوستان پر اپنی بقا کی سب سے اہم جنگ لڑنے والی برٹش فوج میں برٹش اس کا بیں فیصد تھے"۔ مطلب انہیں یہاں سے کافی حمایت ملی تبھی اس قابل ہوئے؟۔
جواب	برطانیہ سے کم لوگ ہندوستان آئے تھے۔ایسٹ انڈیا کمپنی کی فورس ہمیشہ مقامی اکثریت کی رہی۔
سوال	**Yasir Malik Yasir** مرشد جی۔اس پورے واقعے میں آپ نے 1875 کا ذکر کیا۔لیکن اس وقت کے مذہبی مشائخ جو اس واقعہ میں شریک تھے اس کا نام نہیں۔اور تحریک ریشمی رومال کا ذکر نہیں۔ایسا کیوں؟
جواب	شاید اس لئے کہ تحریکِ ریشمی رومال کا تعلق جنگِ عظیم اول سے تھا اور یہ مضمون اس سے لگ بھگ ساٹھ سال پہلے کے واقعات کے بارے میں ہے۔
سوال	**Yasir Malik Yasir**۔ اور مشائخ؟

جواب	ان کی تحریک تو اس سے بھی بعد کی ہے۔البتہ 1857 میں ابتدا اگرچہ ہندو سپاہیوں کی طرف سے ہوئی لیکن بعد میں جہادیوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ان کا ذکر بھی اس سلسلے میں ہو گا۔
سوال	**Shoaib Nazir** سر مختصرا میں جاننا چاہتا ہوں کہ سٹپ بائی سٹپ انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کیسے کیا؟۔ مثلا پہلا کام کیا کیا پھر دوسرا کام کیا کیا؟۔۔ ظاہر ہے یہ کام یک دم ہوا نہیں۔۔۔۔
جواب	تجارت کا مقصد تھا۔اس کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کو معاہدوں پر عملدرآمد کروانے کی ضرورت پیش آئی۔مثال: اگر کپاس کی فصل کا سودا کیا ہے تو جب فصل کٹے تو انہیں ہی ملے۔اس پر عملدرآمد کے لئے سیاسی معاہدے کئے، اپنی فورس رکھی۔ تجارتی شرائط کو اپنے حق میں رکھنے کے لئے ان مقامی حکمرانوں کا ساتھ دیا جو زیادہ بہتر شرائط دے سکتے تھے۔پرتگالیوں، فرانسیسیوں وغیرہ سے مقابلہ تھا۔مقامی حکمرانوں کے لئے وہ ایک فورس تھے جن کی دوستی مفید تھی۔ملکر دوسروں کو مارا۔ نئے اتحاد بنتے۔انتظامی امور اپنے ہاتھ میں لئے اور ڈیڑھ سو سال میں پورا ہندوستان اور برما یا ان کے پاس تھا یا ان کا باجگزار تھا۔
سوال	**Fida Muhammad** سولہ بچے لیکن بیویاں کتنی تھی ؟ ان کو شہزادے کہنا گناہ ہے انکی عیاشیاں بھی ایک قسط میں لکھ دیں۔کہتے ہیں محل میں آگ لگی سب لوگ بھاگ رہے تھے۔لوگوں نے ایک شہزادے کو آواز دی باہر آوَ اسنے کہا کہ کوئ ہے جو مجھے جوتے پہنائے۔ذراتفصیل انکی بھی بتادیں کیونکہ کہ یہ ہمارے مرے ہوئے اور کام چور قوم کے ساتھ بڑی نیکی ہوگی۔شکریہ آپکا جناب عالی۔
جواب	بادشاہ کے بیٹے کو شہزادہ کہا جاتا ہے۔ شاہی محل میں لگی آگ پر نہ بھاگنے کی کہانی فرضی قصہ ہے۔ ہم جب اٹھارہویں یا انیسویں صدی کی تاریخ پڑھتے ہیں تو اس کا مقابلہ بیسویں یا اکیسویں صدی کی اقدار سے نہیں کرتے۔ یہ عوام اور حکومت کا نہیں، رعایا اور بادشاہ کا تعلق تھا۔بادشاہ کام کریں یا نہیں، عوام کو جواب طلبی کا حق نہیں تھا۔ان کو خطرہ شاہی خاندان، اشرافیہ اور دوسری ریاستوں سے ہوتا تھا جن سے چوکنا رہنا ہوتا تھا۔عوام اس مساوات کا حصہ نہیں تھے۔کام چور ہونا خود بادشاہ کی جان لے لیتا تھا۔
سوال	**Mujahid Khan** !آہ برطانیہ کو آجکل کی سب سے مہذب قوم مانا جاتا ہے

جواب	ایسا کون مانتا ہے؟ یہ تو برطانیوں کا دعویٰ بھی نہیں۔ اور آج کے برطانیہ میں کالونیل دور کے طرزِ عمل پر تنقید کرنے والے ہندوستان میں ان پر تنقید کرنے والوں سے زیادہ ہیں۔ یہ اکیسویں صدی نہیں، انیسویں صدی کی کہانی ہے۔
سوال	**Bilal Khan** اگر دوسری جنگ عظیم نہ ہوتی اور اس جنگ میں جرمنوں نے انگریزوں اور فرانسیسیوں کے پاوں نہ توڑے ہوتے تو دنیا کا بیشتر حصہ آج بھی انگریزوں اور فرانسیسیوں کے قبضے میں ہوتا۔
جواب	اگر دوسری جنگِ عظیم نہ ہوتی تو کالونیل دور خاصا عرصہ باقی رہتا۔
سوال	**Tanveer Ahmed** بہت معلوماتی تحریر۔ سر 1857 کی جنگ کی فاتح برطانوی حکومت تھی یا ایسٹ انڈیا کمپنی ؟
جواب	ایسٹ انڈیا کمپنی۔ برطانوی حکومت نے "انڈیا پر اچھی حکومت کا قانون" اس سے پانچ سال بعد منظور کیا تھا اور پھر ہندوستان تاجِ برطانیہ تلے آیا تھا۔
سوال	**Farhad Ali** موصوف نے جو بیان کیا سچ بیان کیا۔ لیکن اگر دوسری طرف شاہی خاندان کے وہ عیاشیاں بیان کرتے جو مسلمانوں کے زوال کا اسباب بنا۔ تو یہ تاریخ کو چار چاند لگتے
جواب	ایسی کوئی عیاشیاں نہیں تھیں جو مغل شاہی خاندان سے ہی خاص رہیں۔ مغل وہی کرتے تھے، جو باقی دنیا کے بادشاہ کیا کرتے تھے۔
سوال	**Zia Ulhaq** کاش کہ جس طرح انگریزوں نے مغل خاندان کو تبا کیا کوئی مسلمان (خاندان) اگر اس ملکہ وکٹوریہ کی اولاد کو اسی بیدردی سے مارے جس طرح انگریزوں نے مغل خاندان کو مارا تھا۔۔۔ آج جو انگریزوں کے پالے ہوئے حرامي ہمارے ملک پاکستان کے مالک ہیں۔۔ کاش! کہ کوئی مسلمان لشکر ایسا تیار ہو جو ان حرامیوں کی فہرست تیار کرکے چن چن کر اُن کی اولاد سے اس ظلم کا بدلہ لے۔
جواب	ایسی سوچ کسی تہذیب سے عاری گروہ کی بھی نہیں ہوتی۔ جو کسی کے باپ کے گناہ کا بدلہ اولاد سے لینے کو جائز سمجھتا ہو۔
سوال	**Zia Ulhaq** جب تک لارڈ میکالے کے قوانین اس ملک میں رائج ہیں ہم برطانیہ اور امریکہ کے غلام رہیں گے۔۔۔۔ ہمارا نظام تعلیم ہمیں غلام بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ھے۔۔۔
جواب	لارڈ میکاولے کی پیشکردہ اصلاحات کبھی منظور ہی نہیں ہوئیں۔ انڈیا ایجوکیشن ایکٹ 1835 بھی انیسویں صدی میں تبدیل ہو چکا تھا۔

	امریکہ اور برطانیہ دو الگ ممالک ہیں۔الگ براعظموں پر ہیں۔ ہمارے نظامِ تعلیم کے معیار میں بہت کمزوریاں ہیں۔ہمیں اس کے لئے موثر اصلاحات مسلسل کرتے رہنے کی ضرورت ہے۔ انیسویں صدی میں ہندوستان کے نظامِ تعلیم کو فرسودہ ہوئے بھی عرصہ گزر چکا تھا۔
سوال	**Zia Ulhaq** بس مجھے بچپن سے ہی برطانیہ سے نفرت ہے۔۔۔۔ باقی آپ کی معلومات کے تبادلے کا بہت شکریہ۔۔۔۔
جواب	نفرت صحت مند جذبہ نہیں ہے۔اور اگر ہم کسی ملک کے تمام رہنے والوں سے نفرت رکھتے ہیں تو اخلاقی لحاظ سے بھی درست نہیں اور مذہبی لحاظ سے بھی نہیں۔باقی، جیسے آپ کی مرضی۔

3۔ انقلاب

جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے لوگ سب سے پہلے دہلی پہنچے اور بسے تو وہ اس جگہ سے اثر قبول کئے بغیر نہ رہ سکے۔انہوں نے یہاں کی روایات اپنا لیں۔جب برٹش کمانڈر انچیف کی اہلیہ لیڈی ماریہ نیوجنٹ نے دہلی کا دورہ کیا تو اس کو نوٹ کیا۔انہوں نے لکھا ہے، "ہمارے لوگ تو ان جیسے ہو چکے ہیں۔ویسے ہی بڑی بڑی مونچھیں رکھنے لگے ہیں۔گائے اور سور کا گوشت کھانا چھوڑ دیا ہے۔ویسے ہی خیالات اپنا لئے ہیں۔سوائے شکل و صورت کے، یہ لوگ مقامی ہو گئے ہیں"۔

دہلی کا کلچر اپنا لینے والے تاریخ میں "گورے مغل" کہلائے گئے ہیں۔انہوں نے ہندوستان میں شادیاں کر لیں۔("بی بی" کا لفظ انگریز کی مقامی بیوی کے لئے استعمال ہوتا تھا)۔کئی لوگوں نے اپنا مذہب بھی چھوڑ دیا۔

انیسویں صدی میں یہ رجحان بدلنا شروع ہو گیا تھا۔اس کی ایک وجہ برٹش برتری تھی جنہوں نے فرانسیسی فوجوں کو بھی فیصلہ کن شکست دے دی تھی اور مقامی حکمرانوں کو بھی۔دوسری وجہ کرسچن انتہا پسندوں کی آمد تھی جو مقامی آبادی کو تبدیل کرنا چاہتے تھے۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

برطانوی آفیشلز نے 1850 کی دہائی کے اوائل سے پلان بنانا شروع کر دیا تھا کہ مغل بادشاہت کو ختم کر دیا جائے اور نہ صرف برطانوی قوانین اور ٹیکنالوجی انڈیا میں متعارف کروائی جائے بلکہ مسیحیت بھی۔مغلوں کی رواداری کی جگہ جب ان نئے برٹش خیالات نے لی تو اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلا۔اور یہ وہ غیرحساسیت تھی جو 1857 کے انقلاب تک لے آئی۔ہندوستانیوں کے لئے "جنگِ آزادی" اور برٹش کے لئے "غدر"۔یہ اتنا کامیاب تھا کہ 139000 بنگال فوجیوں میں سے صرف 7796 ایسے تھے جو برٹش آرمی سے وفادار رہے تھے۔اودھ میں مقامی آبادی ان فوجیوں کے ساتھ ہی اٹھی تھی۔

اس انقلاب کا گڑھ دہلی تھا۔انقلابی افواج نے شمالی انڈیا سے یہاں کا رخ کیا تھا۔کانپور پر نانا صاحب کے حملوں کے فوجیوں نے بھی۔ اور انگریزوں کو یہ معلوم تھا کہ اگر دہلی کو قابو میں نہ لے سکے تو ان کی ہمیشہ کے لئے چھٹی ہو جائے گی۔اور اسی طرح وہ تمام انقلابی سپاہی جو دہلی پہنچے تھے، وہ بہادر شاہ ظفر کو جائز حکمران تسلیم کرتے تھے اور انہیں بھی معلوم تھا کہ دہلی ہاتھ سے گیا تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔تمام برٹش فوجیوں کو اس مقابلے سے نپٹنے کے لئے دہلی بھیج دیا گیا تھا۔اور اس کے لئے مغربی ہندوستان کے لاہور سے پشاور تک جیسے اہم مقامات کو خالی کر دینے کا خطرہ بھی مول لیا گیا تھا۔ہندوستان کے گرم ترین موسم کے چار مہینوں میں مغل

دارالحکومت برٹش آرٹلری کی گولہ باری سے سنسناتا رہا اور "دہلی والے" اس لڑائی کے درمیان رہے جو انہوں نے شروع نہیں کی تھی۔

ملک کے دوسرے حصوں میں کیا ہو رہا تھا؟ دہلی میں جمع ہونے والی افواج اس سے بے خبر رہیں۔شروع میں محاصرہ کرنے والی برٹش افواج کانپور سے جنرل وہیلر کی فوج کا انتظار کر رہی تھیں۔جبکہ کانپوریوں نے برٹش فوج کو شکست دے دی تھی۔جنرل وہیلر نے ہتھیار ڈال دئے تھے اور انقلابیوں نے ان کی فوج کے ایک بھی سپاہی کو زندہ نہیں چھوڑا تھا۔برٹش کو اس شکست کا ایک ماہ بعد پتا لگا تھا۔دہلی والے فارس سے آنے والی دو افواج کا انتظار کرتے رہے۔ایک نے درہ خیبر سے پہنچنا تھا اور دوسری نے براستہ سمندر ممبئ سے۔اس افواہ پر یقین کیا جاتا رہا۔

یہ کسانوں کا انقلاب تھا یا شہری انقلاب۔طبقاتی کشمکش تھی یا مذہبی جنگ۔جنگِ آزادی تھی یا فوجی بغاوت؟ یہ سب کچھ تھا۔

دہلی خوبصورت خواتین، میٹھے آموں, بہترین شعراء اور نفیس اردو کا شہر سمجھا جاتا تھا۔جب یہاں انقلابی سب سے پہلے آئے تھے تو انہیں خوش آمدید کہا گیا تھا۔لیکن یہ جلد ہی بدل گیا تھا۔دہلی والے بہار سے اور اتردیش سے آئے لوگوں سے اور ان کی ہلڑبازی سے خوش نہیں تھے۔خاص طور پر جب لوٹ مار کے واقعات ہونے لگے تھے۔دہلی میں ان کو "تلنگا" یا "پوربئے" (مغرب سے آنے والے) کہا جاتا تھا۔

دہلی اردو اخبار میں ان کی آمد پر پہلے مولوی باقر نے بہت پرجوش مضمون لکھا کہ "جب ان فوجوں نے آ کر ہمیں کفار سے نجات دلائی تو میں سبز پگڑیوں والے سوار ان کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔یہ اللہ کی بھیجی گئی مدد تھی۔انہوں نے ان کافروں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا"۔

اور دو ہفتے بعد۔۔۔۔

جب یہ شہر میں گھنٹا والا سے مٹھائی کھا رہے ہیں اور جامع مسجد کے پاس گپیں لگا رہے ہیں تو یہ اپنی طاقت اور ارادہ کھو چکے ہیں۔" انہیں انگریزوں سے زیادہ دہلی کی عورتوں میں دلچسپی ہے۔انہوں نے شہر میں اودھم مچا دیا ہے۔یہ دہلی کے لئے برا وقت ہے"۔

دہلی میں لڑنے والے بہت طرح کے تھے اور یہ ایک نکتے پر متفق تھے۔ مغلیہ سلطنت کی بحالی پر۔ یہ لڑائی شروع ہندو فوجیوں نے کی تھی۔ ہندستان میں تاریخ لکھنے والے اور فلمیں بنانے والے اس نکتے کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے رہے ہیں کہ خواہ میرٹھ کے تھے یا بنگال کے یا کہیں اور کے۔ ہندو فوجیوں نے اکٹھا ہونے کے لئے انہوں نے سیدھا مغل جھنڈے تلے جمع ہونے کے لئے دہلی کا ہی رخ کیا تھا۔

بہادر شاہ ظفر خواہ جتنے بھی بے اختیار تھے، "خلیفہ الوقت" اور "ظل الٰہی" کہلاتے تھے۔ مسلمان ہوں یا ہندو، سب کے لئے اکٹھا ہونے کی علامت تھے۔

قانونی طور پر بغاوت کرنے والی ایسٹ انڈیا کمپنی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی دو صدیوں سے زیادہ عرصے سے مغل بادشاہ کی زیرِ نگیں تھی۔ کمپنی کو سرکاری طور پر مغلوں نے بنگال سے ٹیکس اکٹھا کرنے کا ٹھیکہ دیا ہوا تھا اور بادشاہ کی اجازت سے اسے کاروبار کرنے کی اجازت تھی۔ تاریخ کا یہ مذاق ہے کہ ایک ملٹی نیشنل کمپنی نے ایک بادشاہ کو "غداری" کے جرم میں سزا سنائی تھی۔

اور یہ وجہ ہے کہ بہادر شاہ ظفر اپنی کمزوری کے باوجود لوگوں کی امیدوں کا مرکز تھے اور یہ برٹش کے لئے حیران کن تھا کیونکہ وہ اس بادشاہ کو سنجیدہ لینا کب کا چھوڑ چکے تھے۔

اس انقلاب کا ایک پہلو مذہبی جنگ کا تھا۔ جب سپاہی بہادر شاہ کے پاس آئے تھے تو انہیں کہا تھا کہ "ہم اپنا دھرم اور دین بچانے آئے ہیں"۔ جو برٹش مرد و خواتین مسلمان ہو چکے تھے (اور ان کی تعداد کم نہیں تھی)، انہیں کچھ نہیں کہا گیا تھا۔ جبکہ جو انڈین کرسچن ہو چکے تھے، انہیں بھی مار دیا گیا تھا۔ برٹش آرمی کے لئے "گورے" یا "فرنگی" کا نہیں، بلکہ "کافر" یا "نصرانی" کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔

اگرچہ بڑی تعداد میں ہندو تھے، لیکن جہاد کا علم جامعہ مسجد سے بلند کیا تھا۔ اور سب کو مجاہدین، غازی یا جہادی کہا جاتا تھا۔

آج یہ علاقہ اور پرانے کھنڈر غائب ہو رہے ہیں۔ کبھی خبر آ جاتی ہے کہ ذوق کے مقبرے کی جگہ پبلک ٹوائلٹ بن گیا ہے یا غالب کی حویلی کی جگہ کوئلے کا سٹور آ گیا ہے لیکن یہ تاریخی عمارات مٹتی جا رہی ہیں۔ پرانے دہلی کی جگہ اب آئی ٹی کی بلڈنگز، شاپنگ مال اور تیزی سے پھیلتا انفراسٹرکچر لے رہا ہے۔

ان سب کے نیچے دہلی کے پرانے علاقوں میں وہ قتلِ عام ہوا تھا جس نے برٹش کے لئے اس کالونی پر اگلے نوے سال کے لئے ان کا مستقبل محفوظ کر دیا تھا۔

اور اگر کوئی آج کی دنیا میں پاکستان اور انڈیا کے تلخ تعلقات کے ستر سالوں کو سمجھنا چاہے، تو 1857 میں ہونے والا انقلاب اور اس کی عجیب مذہبی تقسیم کو سمجھنا بھی بہت مددگار رہے گا۔ جس میں ایک طرف مسلمان اور ہندو ایک مسلمان بادشاہ کے جھنڈے تلے جمع تھے اور دوسری طرف کرسچن فورسز، جن کے لئے سب سے زیادہ قربانیاں دینے والے سکھ اور مسلمان فوجی تھے۔

ہندوستان پر برطانوی فتح کی تاریخ زیادہ تر برٹش نے لکھی ہے۔ یا پھر کچھ انڈین قوم پرستوں نے۔ اس جنگ کی کئی اطراف تھیں۔ اور یہ ریکارڈ محفوظ رہے ہیں۔ صرف یہ کہ ان کو پڑھنے والے نہیں رہے۔ انہیں زیادہ پڑھا نہیں گیا۔ بھیجے گئے خطوط، عرضداشتیں، درخواستیں، احکام، روزنامچے، اخبارات۔ انڈین نیشنل آرکائیو سے، لاہور میں سیکرٹیریٹ میں پنجاب آرکیائیو اور برما کے آرکائیو میں محفوظ رہے ہیں۔ بہت سا مواد برٹش ریکارڈ کا حصہ ہے۔ یہ اس اہم واقعے کو، دہلی کے عام شہریوں کی آنکھ سے بھی دکھاتے ہیں، انقلابیوں کی نظر سے بھی، انگریزوں کے نکتہ نظر سے بھی اور بہادر شاہ ظفر کی نگاہ سے بھی۔ ان شکستہ تحریروں کو اکٹھا کر کے پڑھنے پر ایک مکمل تصویر بنتی ہے۔ لاہور سے اعجاز الدین، یونس جعفری، عذرا قدوائی، ارجمند آراء، رنگون سے وکی بومین، ہندوستان سے سیما علوی، مرزا فرید بیگ، سندیپ ڈوگل، شیریں ملر اور وینا کپور۔ سکاٹ لینڈ سے ولیم ڈالرمپل اور برطانیہ سے امین جعفر، کرسٹوفر ہبرٹ، مہرا ڈالٹن، امریکہ سے نیل فرگوسن، اندرانی چیٹرجی نے ان کی مدد سے تاریخ کا یہ باب ترتیب دیا ہے۔

دہلی اردو اخبار اور سراج الاخبار نے اس سب واقعے کے دوران اشاعت ایک دن کے لئے بھی نہیں روکی اور یہ سب انڈین نیشنل آرکائیو کا حصہ ہیں۔ ظہیر دہلوی، جو اس وقت مغلیہ دربار کا حصہ تھی، کی لکھی گئی "داستانِ غدار" بہت کھلے واقعات پر مشتمل ہے۔ مضامین کا یہ سلسلہ ان سب سورسز سے لیا گیا ہے۔ آنے والی اقساط میں قوسین کے درمیان اصل الفاظ ہوں گے جن میں سے کچھ آج کے وقت کے لحاظ سے نامناسب لگیں لیکن یہ ہمیں اس وقت کی فکر کا پتا دیتے ہیں۔

سوالات وجوابات

سوال	**Shoaib Nazir** خوب۔یہ بتائیے گا کہ پچھلی تحریر میں آپ نے لکھا تھا کہ دہلی فتح کرنے کے بعد انگریزوں نے بہادر شاہ ظفر پر مقدمہ چلایا تھا اور اس کے بعد اسے جلا وطن کیا گیا۔۔ سوال یہ ہے کہ سامراج کو کیا ضرورت ہے مقدمہ چلانے کی۔۔۔؟وہ جنگل کے بادشاہ ہیں چاہے انڈے دیں چاہے بچے دیں ان کی مرضی۔۔۔پھر ایسا کس مقصد کے تحت کیا؟۔ وجہ کیا تھی؟
جواب	ایک چیز ذہن میں رکھئے۔کرنے والوں نے جو کیا، خود کو حق پر سمجھتے ہوئے ہی کیا۔ (تاریخ کے بدترین مظالم ہمیشہ ایسے ہی ہوتے ہیں)۔ ان پر مقدمہ چلانے والے اور ان کو سزا سنانے والی فوجی عدالت بہادر شاہ کو واقعی ان چیزوں کا مجرم سمجھتی تھی جس کا ان پر الزام لگایا گیا۔دو مہینے تک چلنے والا مقدمہ due process تھا
سوال	**Shoaib Nazir** ایسا نہیں ہو سکتا تھا مقدمے کے بغیر ہی جو کرنا تھا وہی کرتے۔ مطلب وہ کسی قانون کے پابند تو نہ تھے اس وقت۔۔۔ اسوقت تو ان کی مرضی تھی جو کرتے

جواب	مقدمہ قانون کے تحت چلا تھا اور دو مہینے چلتا رہا تھا۔اس سے کئی ماہ پہلے تیاری کی گئی تھی کہ قانونی حیثیت کیا ہو گی، پراسس کیا ہو گا۔شاہی محل سے جاری کردہ کاغذات کا ترجمہ کرنے لاہور سے ایک ٹیم آئی تھی تا کہ واقعات کو اسٹیبلش کیا جا سکے۔بہادر شاہ کے وکیل غلام عباس تھے جو گواہوں پر جرح کرتے تھے۔ مقدمے کی سماعت اور عدالت کی قانونی حیثیت کے بارے میں قانونی نکتہ یہ نکالا تھا کہ چونکہ بہادر شاہ ظفر کمپنی سے پنشن وصول کرتے تھے، اس لئے یہ مقدمہ کمپنی کا اپنے ملازم پر تھا۔
سوال	**Tanveer Ahmed** بہت عمدہ تحریر۔سر کیا تاریخ میں کوئی ڈیٹا ملتا ہے جس سے پتہ چلے کہ 1857 کی لڑائی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے لڑنے والے مقامی فوجیوں میں زیادہ تعداد کس مزہب کے لوگوں کی تھی.
جواب	پنجاب سے جو پہلی کمک گئی تھی، اس میں سولہ سو سکھ اور چھ سو مسلمان تھے۔بڑی تعداد اس کے بعد ائی تھی جس میں پٹھان، کشمیری، بلوچ اور پنجابی تھے۔اس میں تناسب کا معلوم نہیں۔شاید ریکارڈ میں کہیں ہو۔
سوال	**Adnan Muhayyudin** تاریخ کا یہ پہلو پہلی بار پڑھا۔ماشاءاللہ۔ورنہ 1857 کی جنگ آزادی کو بس غدر پڑھ کر آگے گزرتے رہے ہیں۔کیا وجہ ہے کہ اس طرح نہ اس پر مفصل لکھا گیا نہ ہی ہندوستان یا پاکستان میں سے کسی حکومت نے ہی اس قابل جانا کہ مفصل تاریخ پڑھائی یا پھر ڈراموں فلموں کے زریعے دکھلائی جاتی۔ کہیں اس کی وجہ وہ ہندو مسلم تعصبات تو نہیں جو بعد کے دور میں برصغیر میں رہنے والی مختلف اقوام کے مابین در آئے ؟
جواب	بیسویں صدی میں مسلمانوں کے دو بڑے گروہ تھے۔ایک گروہ سرسید، اقبال اور جناح وغیرہ کا، جو انگلش حکومت سے وفادار تھے، انگلش تعلیم حاصل کی۔غدر کا لفظ سرسید نے استعمال کیا ہے۔یہ گروپ مغلوں سے اپنی کوئی نسبت نہیں جوڑتا۔ ایک اور بالکل مختلف گروپ جس نے اس سے ان سے اگلی دہائیوں میں دیوبند اور بریلی وغیرہ میں سکول قائم کئے اور اس آنے والی نئی ریڈیکل فکر میں مغل، ہندو اور یورپی برابر کے ولن تھے۔ دہلی کی 1857 کی جنگ میں مشرقی ہندوستان اور مغربی ہندوستان کے فوجیوں کا آپس میں مقابلہ تھا۔پاکستان اور بنگلہ دیش کی شروع سے اختلافات کی یہ وجہ کیسے رہی؟ اس پر ایک اور سیریز میں ذکر کیا تھا۔لیکن بالکل اختصار سے کہا جائے تو یہ کہ نہیں کرتے۔تاریخِ کسی بھی لحاظ سے موجودہ پاکستانی 1857 میں مغل سائیڈ کوown پاکستان میں جس کو emphasiseکیا جاتا ہے، وہ ہندو مسلم تعلقات ہیں اور ہیرو اور ولن اس نظر سے بنائے گئے ہیں۔ انڈیا میں رائٹ ونگ کے لئے تمام مسلم حکمرانوں کو باہر سے آئے گئے قابضین کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔خاص کر، سنگھ پریوار کے نصاب میں یہ تاثر اہم حصہ ہے۔ ہندوستانی راجوں، بادشاہوں اور نوابوں کو عیاش، کاہل، نااہل اور ظالم حکمرانوں کے طور پر پیش کئے جانا برٹش سرکار کی legitimacyکے لئے ضروری تھا۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ بے بنیاد ہے۔صرف یہ کہ یہ یکطرفہ ہے۔ یہ الگ بات کہ مغل فیوڈل آرڈر نئی دنیا کے ساتھ چلنے کا اہل نہیں تھا اور اس نے گر ہی جانا تھا۔

سوال	**Shoaib Nazir** سر۔ آخر کیا وجہ تھی کہ ہندوستان پر ایک عرصہ تک بیرونی حملہ آور قابض رہے۔ چاہے وہ مسلمان ہوں یا کچھ بھی ہوں کم از کم مقامی نہیں تھے۔۔۔۔۔اس کی کیا وجہ ہے ؟۔ ہندوستانی خود اتنے طاقتور کیوں نہیں تھے ؟۔ ہندوستان کے مقامی حکمرانوں میں کوئی ایسا مقامی حکمران رہا ہے جس کی شاندار حکومت رہی ہو؟۔
جواب	مقامی کی کوئی خاص تعریف نہیں ہے۔ ہر کوئی باہر سے ہی آیا ہے، صرف وقت کا فرق ہے۔ کیا اشوکا، چندر گپت موریا یا شیوا جی جو عظیم جنگجو تھے، مقامی تھے ؟ اکبر اور شاہجہاں ؟ رنجیت سنگھ اور باجی راؤ؟
سوال	Adnan Muhayyudin خوب نقطہ اٹھایا سر۔ انسان تو براعظم افریقہ سے ہی پھیلا پوری دنیا میں۔ میری مراد پچھلے دو تین ہزار سالہ تاریخ سے تھی۔ اب تو سب مقامی ہی ہیں
جواب	ایک وقت میں مغل ترکستان سے آئے، وقت کے ساتھ مقامی ہو گئے۔ لیکن مقامی اور غیر مقامی بہت ہی مبہم اصطلاحات ہیں۔ مثلاً، ایک وقت میں پنجاب، کشمیر اور افغانستان کا بڑا حصہ ایک اکائی تھے۔ تو کیا کابل والے کو سری نگر کا مقامی کہا جا سکتا ہے۔ لاہور میں پیدا ہونے والے کو پشاور کا؟ یا گوجرانوالہ کا؟ یا ایک محلے والے کو دوسرے کا؟ روہنگیا کو برما میں "مقامی" اس لئے نہیں کہا جاتا (اور شہریت سے انکار کیا جاتا ہے) کہ ان کے آباء دو سو سال پہلے بنگال سے آئے۔ پانچ سو سال پہلے برازیل کے مقامی اور آج کے برازیل کے مقامی میں خاصا فرق ہے۔ کسی وقت میں امریکہ میں نہ سفید فام مقامی ہوتے تھے اور نہ سیاہ فام۔ یہ سب خاصا fluid ہے اور ان کا تعلق خاصی حد تک کسی جگہ کے سیاسی ڈسکورس سے ہے۔
سوال	**Salman Rashid** Nice writing. It would be more appropriate and will help the readers if you would kindly add
جواب	زیادہ تر مواد اس کتاب سے ہے۔ Last Mughal: William Dalrymple
سوال	**Usama Mahatir** سر راجہ رنجیت سنگھ کے دور تک پنجاب نے انگریزوں کے خلاف سخت مزحمت کی ایسا کس وجہ سے ممکن ہوا کہ کچھ ہی عرصے بعد یہاں کے سکھ اور مسلمان فوجی انگریزوں کی مدد کے لیے پہنچے؟
جواب	سکھوں کی حکومت جانے کے بعد حکومت انگلش تھی اور انہوں نے مقامی لوگ بھرتی کر لئے۔
سوال	**Mohammad Rab'bia Chi** بہت معلوماتی اور تحقیقی پوسٹ ہے. ایک سوال اکثر گردش میں رہتا ہے کہ انگریزوں کے برصغیر سے انخلا کے محرکات کیا

	رہے ہیں؟ اگر اس حوالے کوئی مواد مل سکے تو من
جواب	انڈین نیشنلزم کا ابھرنا اہم وجہ رہی اور اس سے اہم جنگِ عظیم دوئم
سوال	**Tariq Ahmad Awan** Wahara Umbakar yani agar jange azem dom na hoti to aj b ham "azad" na hoty
جواب	اگر دوسری جنگِ عظیم نہ ہوتی تو کالونیل سسٹم زیادہ عرصہ چل جاتا
سوال	**Syed Shahid Hussain Pasha** very informative feature! sir any data available how many percent mulsim are newly converted and how many genuine mulims at the time of partition. Genuine mean belong to muslilms invaders or mughals.
جواب	مغل 1525 میں invader تھے جنہوں نے ان سے پچھلے invaders کو شکست دی تھی۔ جینوئن مسلم کی کوئی تعریف نہیں اس لئے کوئی اعداد و شمار نہیں
سوال	**Syed Shahid Hussain Pasha** thank you sir! just one thing want to ask,is Dr Mubarak ali history's books are reliable as per accuracy. 2nd: as per his sources he claimed high class Hindus berhaman avoid to converting Muslim. they compromised and allied with muslim Invaders. what is was the actual reson of convering to islam? sufia ikram's teachings or pressure from invaders.
جواب	مبارک علی کی شہرت اچھے معیار کی کتابیں لکھنے والے مورخ کی ہے۔
سوال	Raja Irfat Wahara Umbakar تو کس کی طرف داری کر رہا ہے؟ ہندو قوم پہلے مسلمان مغلوں اور پھر انگریزوں کی غلام رہی_ انکو صرف غلامی ہی پسند آتی ہے_ اب بد قسمتی سے ہندو مسلمانوں کے خلاف ہیں مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہیں
جواب	"تو کس کی طرف داری کر رہا ہے؟" سیانے کہتے ہیں کہ جس بات کرنے کی تہذیب نہ ہو، اس کی زبان کے شر سے محفوظ رہنا دانشمندی ہے۔ (میرا یہ کمنٹ اس بات کا ثبوت ہے کہ میں زیادہ دانشمند نہیں)
سوال	**Sanam Khan** سر ، قرۃالعین حیدر کے ناول آگ کا دریا میں انہوں نے ہندوستان کے بارے میں بتایا کہ مسلم اور ہندو ایک دوسرے کے

	تہوار مل کر منایا کرتے تھے؟ عید شبرات ہو کہ ہولی یا محرم کے تعزیے۔ کیا حقیقتاً ایسا تھا؟ اگر واقعی ایسا تھا تو آپ انقلاب کے ذکر میں اس بھائی چارے کا تفصیلاً ذکر کیجئیے گا تاکہ پاک و ہند کے آپس میں قوموں کے تعصب میں کمی واقع ہو۔ ہندو مسلم عید اور ہولی ملکر مناتے تھے۔ہندو مسلم دوسرے کے گلے کاٹتے تھے۔تاریخی اعتبار سے دونوں درست ہیں۔ آج کیا کرنا چاہیے؟ یہ سوال الگ
جواب	ہر طرح کے حالات تھے۔کہیں اکٹھے، کہیں نہیں۔تاریخ سے سب کچھ نکالا جا سکتا ہے اور یہی تاریخ کے ساتھ کچھ برا سلوک کئے جانے کی وجہ ہے۔"آج کیا ہونا چاہیے" کے لئے تاریخ کو کنگھالا جاتا ہے۔فلاں جگہ پر کس وقت کس کا قبضہ تھا؟ فلاں کس نے شروع کیا؟ فلاں کیسے ہوتا تھا؟ یہ سب تاریخ کے سوالات ہیں۔"آج کیا ہونا چاہیے" تاریخ کا سوال نہیں۔ہم تاریخ سے راہنمائی ضرور لے سکتے ہیں (اور لینی چاہیے)، اس کو جواز نہیں بنا سکتے۔
سوال	**Asadimran Shah** دہلی کے لوگوں کا رسپانس, جن میں مسلمان اکثریت میں تھے اور بادشاہ کی باغیوں کا ساتھ دینے میں ہچکچاہٹ اس زمانے کے مسلمانوں کے اس جھکاؤ کو ظاہر کرتی ہے جو دہلی کی مسلمان سلطنت کے رفتہ رفتہ زوال اور ہندوستان کی علاقایء طاقتوں کے عروج کے ساتھ بنا تھا. پنجاب اور سرحدی علاقے کے مسلمان بھی علاقایء ابھرتی ہویء سلطنتوں کے ظلم کا شکار تھے اور اس معاملے میں انگریز کو بہتر سمجھتے تھے
جواب	جی بالکل درست۔انگریز حکومت کو پسند کرنے والوں کی اچھی خاصی تعداد تھی۔جو ان کی حکومت کو ان سے پچھلوں سے بہترِ طرزِ حکومت سمجھتے تھے۔

4۔ شطرنج کا بادشاہ

فرانسیسی مہم جو فرانسوئے بیمئیر نے شاہ جہاں کی بیٹی روشن آرا بیگم کے 1640 کی دہائی میں کئے گئے کشمیر کے سفر کی داستان لکھی ہے۔ان کا تبصرہ تھا کہ انہوں نے ایسی شان و شوکت والا سفر نہیں دیکھا۔انیسویں صدی میں مغل خاندان کی عملداری سمٹ چکی تھی۔کشمیر گنوائے عرصہ گزر چکا تھا۔اور سو سال سے زیادہ ہو چکے تھے کہ مغل دلی سے باہر اس طریقے سے نکلیں۔شاہ عالم ثانی کے دور میں کہا جاتا تھا کہ "حکومتِ شاہ عالم، از دلی تا پالم" (پالم دلی سے دس میل دور شہر ہے)۔

خراسان سے تعلق رکھنے والے ترک نادر شاہ تھے جنہیں آخری عظیم ایشیائی فاتح کہا جاتا ہے۔ان کی بنائی گئی سلطنت اپنے وقت میں دنیا کی طاقتور ترین سلطنت تھی۔صفوی، ہوتک خاندانوں کا خاتمہ کیا۔ایران، قفقاز، بحرین، عمان، ترکمانستان، آرمینا، عراق، افغانستان، پاکستان کے علاقے حاصل کئے۔ایران میں بادشاہت قائم کی۔ان کی سلطنت جلد ہی فوجی اخراجات کے بوجھ تلے گر کر ختم ہو گئی لیکن ان کی کامیاب فتوحات کے قہر تلے مغل بھی آئے۔غزنی، کابل، پشاور، سندھ، لاہور پر قبضہ کر لینے کے بعد دہلی آئے۔لال قلعے کے اندر کے قیمتی خزانے فارس سے آنے والے نادر شاہ نے 1739 میں لُوٹے جس میں کوہِ نور ہیرا اور تخت طاوس بھی تھا۔انہوں نے دہلی کو تاراج کیا۔تیس ہزار لوگ قتل کئے اور اس قدر لوٹ مار کی کہ واپس جا کر ایران میں تین سال کے لئے ٹیکس معاف کر دیا تھا۔

دہلی شہر کے ایک اور فاتح غلام قادر روہیلہ تھے جنہوں نے 1788 میں اسے فتح کیا تھا اور خود اپنے ہاتھوں سے مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی کی آنکھیں نکالی تھیں اور بہادر شاہ ظفر کے والد اور ہونے والے بادشاہ اکبر شاہ دوئم کو سب کے سامنے ناچ نچوایا تھا، شاہی محل کی خواتین کے ساتھ ناقابلِ بیان سلوک کیا تھا اور پھر زخموں پر نمک چھڑکنے کے لئے شاہ عالم کی شاندار لائبریری سے تمام کتابیں نکال کر لے جا کر اودھ کے نواب کو بیچ دیں تھیں۔غلام قادر کو مرہٹہ فوج نے شکست دے کر قتل کیا اور شاہ عالم کو واپس بحال کیا۔اس کے بعد مرہٹہ فوج مستقل طور پر دہلی تعینات ہو گئی اور یہ اگلی دو دہائیوں تک رہی جب تک انگریزوں نے مرہٹوں کو شکست سے دوچار کر کے ختم نہیں کر دیا۔"تباہ حال محل میں نابینا بادشاہ صرف شطرنج کا بادشاہ تھا"۔یہ آزاد کا تبصرہ تھا۔
شاہ عالم ثانی کی موت کے بعد مغل عملداری مزید محدود ہو گئی تھی اور یہ پالم تک بھی نہیں رہی تھی۔یہ لال قلعے کی دیواروں سے زیادہ آگے نہیں تھی۔بہادر شاہ ظفر کے اختیارات پر برٹش ریزیڈنٹ تھامس میٹکاف کا چیک تھا۔اور تھامس اسے وقتاً فوقتاً استعمال کرتے رہتے تھے۔شاہ کی ذاتی زندگی میں بھی۔

دلی کے باہر سے کوئی بھی معزز اہم شخص میٹکاف کی اجازت کے بغیر دلی میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔خود اپنی زمینوں سے کرایہ وصول کرنے کے لئے بہادر شاہ ظفر کو برٹش سے اجازت لینا ہوتی تھی۔وہ خود اپنے خاندان کے افراد کو جواہرات تحفہ میں نہیں دے سکتے تھے اور اگر کسی کو بغیر پوچھے تحفہ دیتے جس کا برٹش ریزیڈنٹ کو پتا لگ جاتا تو وہ واپس کروا دیا جاتا۔ان کے بیٹے مرزا جواں بخت کی شادی پر کشمیر کے راجا گلاب سنگھ نے دربار میں آ کر نذر پیش کی تھی۔بادشاہ نے جواب میں راجا کو خلعت عطا کی تھی۔میٹکاف تک خبر پہنچی تو وہ خلعت واپس کروا دی گئی تھی۔میٹکاف کی نظر میں گلاب سنگھ برطانوی رعایا تھے اور وہ بیرونی حکومت سے براہِ راست تحفہ لینے کے مجاز نہیں تھے۔

برٹش سب سے پہلے دہلی میں 1803 میں آئے تھے، اس وقت انہوں نے مرہٹوں کو دوسری مرہٹہ انگلش جنگ میں شکست دی تھی۔ برٹش نے شاہ عالم کو حفاظت کی پیش کش کی تھی کہ وہ مرہٹوں کے جانے کے بعد انگریزوں کو اپنا محافظ سمجھیں۔"ہر ریاست آپ ہی کو سربراہ سمجھتی ہے۔ہر سکے پر آپ کا نام ہے"۔اس میں ایسٹ انڈیا کمپنی بھی شامل تھی۔کمپنی کی مہر پر بھی اور جاری کردہ سکوں کے نیچے "فدوی شاہ عالم" لکھا تھا۔کمپنی کو برٹش حکومت کی طرف سے سخت ہدایات تھیں کہ ہندوستان کے بادشاہ کی تعظیم کی جائے۔

یہ 1832 میں سر چارلس کی آمد کے بعد بدل گیا تھا۔بادشاہ کو نذر دینے کی روایت ختم کر دی گئی۔اس سے اگلے سال مہر اور سکوں پر سے مغل بادشاہ کا نام ہٹا دیا گیا تھا۔یہ یکطرفہ فیصلہ تھا۔1850 میں کمپنی کے لارڈ ڈلہوزی نے کسی بھی برطانوی شہری کو مغل بادشاہ سے کوئی خطاب وصول کرنے پر پابندی لگا دی۔مغل اختیارات ایک ایک کر کے لئے جاتے رہے۔1852 تک، سوائے نام کے، مغلوں کے پاس کچھ نہیں رہا تھا۔

ساتھ لگی تصاویر میں پہلی تصویر 1531 میں برِصغیر کا سیاسی نقشہ

دوسری تصویر میں 1600 میں برِصغیر کا سیاسی نقشہ

تیسری تصویر میں 1700 میں برِصغیر کا سیاسی نقشہ

(چوتھی تصویر میں 1764 میں برِصغیر کا سیاسی نقشہ (اس وقت برٹش نے علاقہ حاصل کرنا شروع کیا

پانچویں تصویر میں 1857 میں برِصغیر کا سیاسی نقشہ

(گہرے رنگ میں وہ علاقے جہاں ایسٹ انڈیا کمپنی کی براہِ راست حکومت تھی، ہلکے رنگ میں وہ علاقے جہاں مقامی حکمران کے ذریعے بالواسطہ)۔

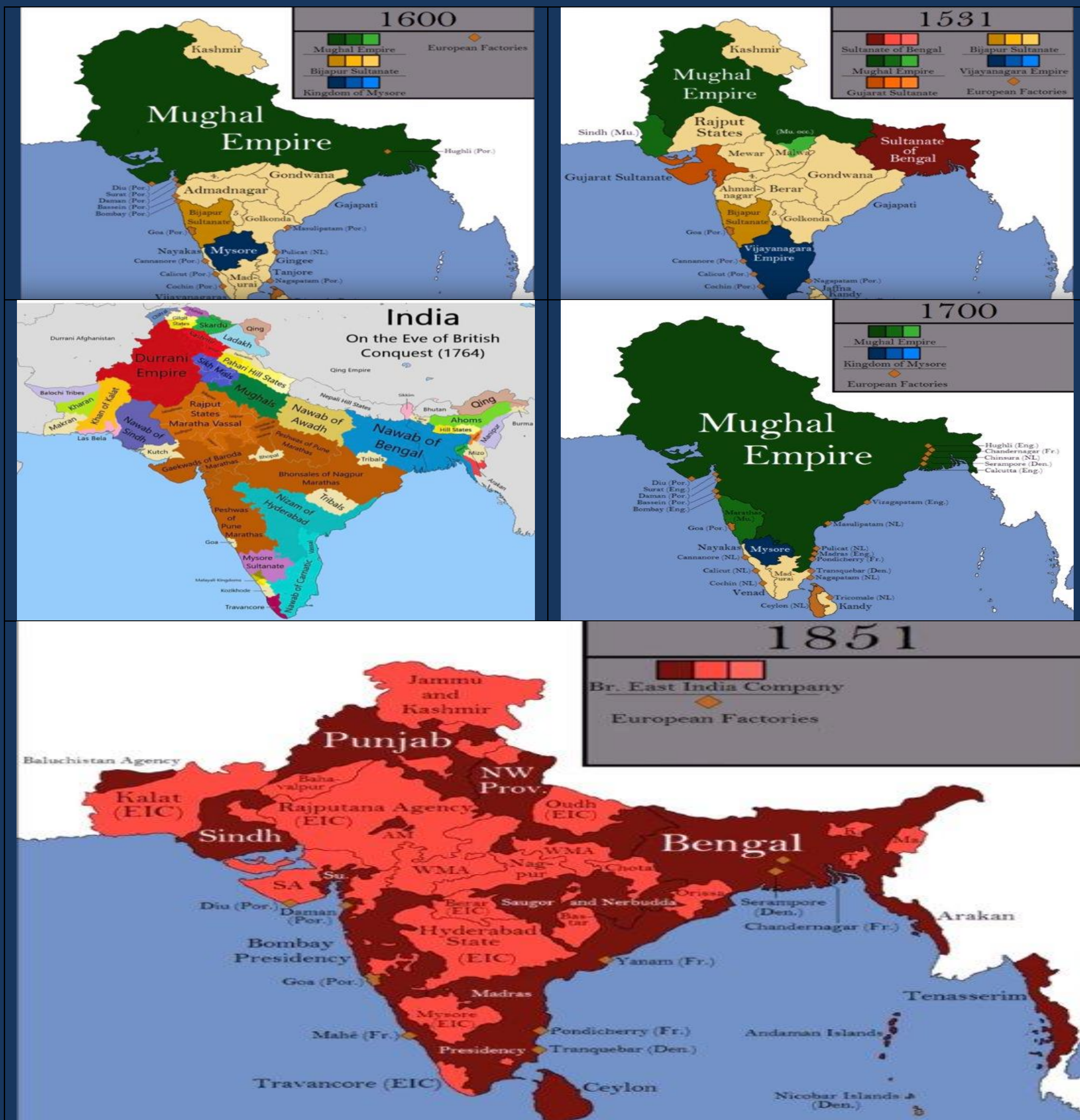

سوالات وجوابات

سوال	**Khan Inaam Khan** نادر شاہ کے بعد افغانستان میں ابدالی آیا۔احمد شاہ ابدالی انکا جنزل تھا ذرا تصیح فرماے
جواب	نادر شاہ نے ہیرات سے ابدالی سلطنت کا خاتمہ مئی 1729 میں کیا تھا۔اس کے بعد نبرد دامغان میں غلزئی افغانوں کے بادشاہ کو۔ان کے بعد ابدالی افغانوں میں سے کئی نادرشاہی فوج میں شامل ہوئے۔ لیکن آپ نے ٹھیک نشاندہی کی ہے۔ابدالی کا تذکرہ ہٹا دیا ہے کہ ان کی تاریخ پاکستان میں عام طور پر احمد شاہ ابدالی کے حوالے سے مشہور ہے۔
سوال	**Nabeel Ahmed** Michael Jackson pr apki koi post ha
جواب	نہیں
سوال	**Usman Khan** Aap nay germany ki history pay aik series likhi thi uska link mil sakta hy
جواب	وہ سیریز فیس بک نے ہٹا دی ہے۔میرے بلاگ سے سرچ کر کے دیکھی جا سکتی ہے
سوال	**Asadimran Shah** .روحیلہ کون تھے جو اسقدر طاقتور ہوگےء کہ دہلی پر قبضہ کر لیا
جواب	غلام قادر روہیلہ نجیب الدولہ کے پوتے تھے۔نجیب الدولہ نے مرہٹوں کے خلاف احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی تھی۔مغلیہ بادشاہ عالم ثانی کی فوج نے مرہٹوں کے ساتھ مل کر رہیل کھنڈ کو تاراج کیا تھا۔غلام قادر نے بڑا ہو کر انتقام کی خاطر دہلی پر قبضہ کیا تھا۔۔اس پر اقبال نے نظم لکھی ہے۔ رہیلہ کس قدر ظالم ،جفا جو، کینہ پرور تھا نکالیں شاہ تیموری کی آنکھیں نوکِ خنجر سے دیا اہلِ حرم کو رقص کا فرماں ستمگر نے یہ اندازِ ستم کچھ کم نہ تھا آثار محشر سے بھلا تعمیل اس فرمان غیرت کش کی ممکن تھی شہنشاہی حرم کی نازنینان سمن بر سے بنایا آہ! سامان طرب بیدرد نے ان کو

	نہاں تھا حسن جن کا چشم مہر و ماہ و اختر سے لرزتے تھے دل نازک، قدم مجبورِ جنبش تھے رواں دریائے خوں شہزادیوں کے دیدہ تر سے یونہی کچھ دیر تک محو نظر آنکھیں رہیں اس کی کیا گھبرا کے پھر آزاد سر کو بار مغفر سے کمر سے اٹھ کے تیغ جانستاں آتش فشاں کھولی سبق آموز تابانی ہوں انجم جس کے جوہر سے رکھا خنجر کو آگے، اور پھر کچھ سوچ کر لیٹا تقاضا کر رہی تھی نیند گویا چشمِ احمر سے بجھائے خواب کے پانی نے اخگر اسکی آنکھوں کے نظر شرما گئی ظالم کی درد انگیز منظر سے پھر اٹھا اور تیموری حرم سے یوں لگا کہنے شکایت چاہئے تم کو نہ کچھ اپنے مقدر سے مرا مسند پہ سو جانا بناوٹ تھی، تکلف تھا کہ غفلت دور ہے شانِ صف آرایانِ لشکر سے یہ مقصد تھا مرا اس سے کوئی تیمور کی بیٹی مجھے غافل سمجھ کر مار ڈالے میرے خنجر سے مگر یہ راز آخر کھل گیا سارے زمانے پر حمیت نام ہے جس کا گئی تیمور کے گھر سے
سوال	**Ajaz Ahmed** ابدالی کو تو حملہ کرنے کی دعوت شاہ ولی اللہ سے منسوب کی جاتی ھے
جواب	شاہ ولی اللہ نے بھی خیر مقدم کیا تھا، نجیب الدولہ نے احمد شاہ ابدالی کے ساتھ ملکر دہلی پر حملہ کیا تھا۔
سوال	**محمد علی کیانی**۔کیا اس دور میں نواب آف بہاولپور نہیں تھے یا سلطنت بہاولپور قائم نہیں ہوئ تھی
جواب	ہاولپور کی نوابی ریاست 1727 میں کچھ ریاستوں کا حصہ بنی جس کے نواب صادق عباسی تھے۔جب مرہٹوں کو شکست ہوئی تو امرتسر معاہدے کے تحت باقاعدہ طور پر یہ آزاد سیاسی یونٹ 1809 میں بنا۔برٹش سے 1833 میںsubsidiary کے طور پر رہنے کا معاہدہ کیا اور 1838 میں معاہدے سے باقاعدہ پرنسلی سٹیٹ کے طور پر وائسرائے کے تحت آگئی۔ پاکستان سے الحاق کے بعد 1955 میں تحلیل ہوئی۔

5۔ آخری ولی عہد

بہادر شاہ ظفر کے مسائل میں سے ایک ان کے حرم کی خواتین اور ان کا آپس کا تناؤ تھا۔جب وہ بادشاہ بنے تو ملکہ عالیہ تاج محل بیگم بنیں۔لیکن یہ پوزیشن بہت دیر برقرار نہیں رہی۔چونسٹھ برس کی عمر میں انہوں نے انیس سالہ زینت محل سے شادی کی تھی اور چند ہی ماہ میں نئی بیگم نے تاج محل کی جگہ لے لی۔بادشاہ نے اس کے بعد چند مزید خواتین حرم میں داخل کیں لیکن زینت محل ان کی پسندیدہ بیوی رہیں۔بہادر شاہ ظفر کے 16 بیٹے اور 31 بیٹیاں تھیں۔آخری بیٹے مرزا شاہ عباس کی پیدائش جب ہوئی تو بہادر شاہ ظفر ستر برس کے تھے۔

بادشاہ کے بیٹوں کی زندگی اچھی تھی اور وہ اپنے شوق پورے کر سکتے تھے لیکن لال قلعے کے کوارٹروں میں دو ہزار سے زیادہ جونئیر سلاطین بھی رہائش پذیر تھے۔یہ پچھلے بادشاہوں کے پوتے اور پڑپوتے تھے یا ان کی بھی آگے نسل سے تھے۔ان کی زندگی اکثر غربت میں گزرتی تھی۔کبھی محل سے چوری چکاری کے الزام میں چوبدار ان سلاطین کی پٹائی بھی کر دیا کرتے تھے۔ایک مرتبہ، سو سے زیادہ سلاطین نے ملکر برٹش ریزیڈنٹ کو خط لکھا تھا کہ ان کے حقوق کے لئے کچھ کیا جائے۔

بہادر شاہ ظفر کی کوشش تھی کہ وہ اپنے بعد اپنی مرضی کا جانشین کا تقرر کر سکیں۔ان کے بڑے بیٹے دارا بخش کی وفات بخار آ جانے کے بعد 1849 میں ہو گئی۔اگلا نمبر مرزا فخرو کا تھا۔لیکن زینت محل کی خواہش اپنے بیٹے مرزا جوان بخت کو بنوانے کی تھی۔یہ بیٹوں میں پندرہوں نمبر پر تھے اور عمر آٹھ سال تھی۔

انگریزوں نے ہندوستان میں حکمرانی کے وراثتی جھگڑوں سے نمٹنے کے لئے قانون بنایا تھا کہ کسی بھی فرمانروا کی موت کی صورت میں بڑا بیٹا حکمران ہو گا اور اس سے کوئی استثنا نہیں۔نواب، راجہ، خان، مہاراجہ اور شاہ سب پر یہ لاگو تھا۔1832 میں اس میں یہ اضافہ کر دیا کہ اگر کسی مقامی حکمران کا کوئی بیٹا نہیں ہو گا تو اس علاقے کا انتظام کمپنی براہِ راست لے لے گی۔اس کو

doctrine of lapse کہا جاتا تھا۔

بہادر شاہ ظفر نے لیفٹینٹ گورنر کو خط لکھ کر درخواست کی تھی کہ مرزا جوان بخت نہ صرف ان کے ہاتھوں سے تربیت پا رہا ہے بلکہ ان کی جائز بیوی کی اولاد بھی ہے، اس لئے ولی عہد جوان بخت کو بنانے کی اجازت دی جائے۔یہ درخواست دلچسپ اس لئے تھی کہ

بہادر شاہ ظفر کا بادشاہ بننا بھی اسی قانون کے مرہونِ منت تھا۔بہادر شاہ ظفر کے والد اپنے بڑے بیٹے سے ناخوش تھے اور انہوں نے بھی انگریز سرکار کو خط لکھا تھا کہ ولی عہد کو تبدیل کرنے کی اجازت دی جائے جو مسترد کر دی گئی تھی۔

ولی عہد مرزا فخرو نے انگریزی سیکھنی شروع کر دی تھی۔اور انگریز افسروں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شروع کر دیا تھا۔انہوں نے انگریز لیفٹیننٹ جنرل سے بات طے کر لی تھی کہ وہ انہیں بادشاہ بننے دیں تو وہ دو سو سال سے مغل بادشاہت کا مرکز لال قلعہ انگریزوں کے حوالے کر کے مہروالی منتقل ہو جائیں گے۔انگریز اسے اسلحہ ڈپو، فوجی بیرک اور انتظامی مرکز کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔ دوسری بات فخرو نے یہ طے کر لی تھی کہ وہ مغلوں کے پرانے دعوے سے دستبردار ہو جائیں گے کہ مغل برٹش گورنر جنرل سے بالاتر ہیں اور برابری کو رسمی طور پر تسلیم کر لیں گے۔

بہادر شاہ ظفر کو جب اس معاہدے کا علم ہوا تو فخرو پر بہت غصہ کیا۔ان کا مشاہرہ بند کر دیا۔سرکاری پوزیشنوں سے معزول کر دیا۔ ان کی جائیداد چھوٹے شہزادوں کے حوالے کر دی۔لوگوں کو ان کا بائیکاٹ کرنے کو کہا۔لیکن جب آہستہ آہستہ واضح ہو گیا کہ کچھ نہیں ہو سکتا تو ظفر مایوسی کا شکار ہو گئے۔انہوں نے میٹکاف کو لکھا کہ "میری ہر خواہش رد کر دی جاتی ہے اور یہ میرے لئے ناخوشی کا باعث ہے۔میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں بادشاہت چھوڑ کر حج کرنے مکہ چلا جاؤں اور باقی ایام وہیں گزاروں۔اس دنیا تو میں ہار چکا ہوں لیکن کہیں اگلی دنیا میں بھی نہ ہار جاؤں"۔

بعد میں انہوں نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔

تھامس میٹکاف چالیس سال سے دہلی میں تھے۔اپنے پیشروؤں کے برعکس مغل پگڑی اور لباس نہیں پہنتے تھے اور نہ ہی پچھلے برٹش ریزیڈنٹ ڈیوڈ اوکٹرلونی کی طرح تھے جنہوں نے ہندوستان میں تیرہ شادیاں کی تھیں اور ہاتھیوں کے قافلے پر سیر کرنے نکلتے تھے جس میں ہر بیوی کا اپنا اپنا ہاتھی تھا۔میٹکاف کی بیوی فوت ہو چکی تھیں۔وہ اکیلے رہا کرتے تھے۔نہ کوئی شوق رکھا ہوا تھا۔کام میں جتے رہا کرتے تھے۔دہلی کے آرٹ سے دلچسپی تھی۔دہلی آرکیولوجیکل سوسائٹی بھی انہوں نے شروع کی تھی جس کے ایک پرجوش ممبر سید احمد خان تھے۔اس سوسائٹی کے رسالے کا انگریزی ترجمہ خود کیا کرتے تھے۔

جہاں پر دوسرے برٹش افسران ہندوستان میں تعیناتی کو عارضی سمجھتے تھے، میٹکاف نے یہاں مستقل رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ان کے لئے یہی گھر تھا۔دہلی میں اپنے لئے گھر تعمیر کروائے تھے۔بہادر شاہ ظفر سے دوستانہ روابط تھے۔ان کا انتقال 1853 میں ہوا۔

تھامس میٹکاف کے بیٹے تھیو میٹکاف جو کہ مجسٹریٹ بنے اور انہیں "کانا میٹکاف" کہا جاتا تھا۔1857 میں ان کا سفاکانہ کردار ایک وجہ رہی کہ برٹش پارلیمنٹ نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے 1858 میں اختیارات چھین لئے اور ہندوستان کو براہِ راست تاجِ برطانیہ کے ماتحت کر دیا۔

ساتھ لگی تصویر مرزا فخرو کی پینٹنگ ہے، جو مغل خاندان کی آخری ولی عہد تھے۔1856 میں ان کی وفات کے بعد کوئی ولی عہد نہیں بنا۔

سوالات وجوابات

سوال	**Shehzad Ahmed** سر اورنگزیب کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔اس نے اپنے تمام بھائی کیوں قتل کروائے
جواب	بادشاہت کے لئے جنگ تھی. "پادشاہ زادہ بزرگ مرتبہ" دارا شکوہ تھے۔لیکن جنگ میں شکست کھا گئے تھے۔مارے گئے۔ بادشاہتیں اور آمریتیں تو ایسے ہی چلتی ہیں۔
سوال	**Shehzad Ahmed** کہتے ہیں اسلام کو خطرہ ہوتا اگر اورنگزیب کے علاوہ کوئی حکومت میں آتا
جواب	خطرہ حکمرانوں کو ہوتا ہے، اسلام کو نہیں۔ایسا ضرور ہے کہ کچھ حکمران، ادارے، شخصیات اور نظریات یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کو خطرے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام خطرے میں ہے۔ اسلام کو نہ خطرہ کبھی رہا تھا اور نہ آج ہے۔
سوال	**Muhammad Imran Khattana** سر دارا شکوہ کے بارے میں مورخین کا کہنا ہے کہ وہ ایک سیکولر انسان تھے اگر ہندوستان کی بادشاہت اورنگزیب عالمگیر کی جگہ ان کے پاس ہوتی تو شاید ہندوستان کا مستقبل کچھ اور ہوتا آپ کا کیا خیال ہے؟
جواب	دارا شکوہ ملا شاہ بدخشی اور سرمد کاشانی کے شاگرد تھے۔انہوں نے مجمع البحرین کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔اگر اورنگزیب کی جگہ پر وہ ہوتے تو کیا ہوتا؟ معلوم نہیں لیکن اس کا امکان بہت کم تھا کہ اٹھارہویں صدی میں مغل زوال پذیر نہ ہوتے۔
سوال	**Amjad Ali** بہت عمدہ۔یعنی حرم میں عورتوں کی تعداد دیکھیں اور بعد میں انگریز کے قانون سے بیزار ھو کر مکہ جانے کا پروگرام جبکہ میرے خیال سے مغل حکمرانوں میں کوئی بھی وہاں نہی گیا تھا۔
جواب	مغل بادشاہوں میں سے کوئی اپنے دور میں حج پر نہیں گیا لیکن شاہی خاندان کے لوگ اور بیگمات جاتی رہیں ہیں۔اکبر نے شاہی خرچ پر حج کروانے کی روایت شروع کی تھی۔اپنے وزیر بیرم خان کو بھجوایا تھا۔ اکبر ہر سال ہندوستان سے حاجیوں کا قافلہ بھجوایا کرتے تھے جس کی سربراہی شاہی دربار سے منسلک کسی شخص کے پاس ہوتی تھی۔ مغل اس لحاظ سے خاص طور پر منفرد اس طرح رہے کہ کئی بار خواتین کو مذہبی اور تجارتی قافلوں کی سربراہی دی جاتی تھی۔ہمایوں کی ملکہ بیگا بیگم، اورنگزیب کی بیٹی زیب النسا بھی ان میں تھے۔

سوال	**Amjad Ali** اکبر اور شاہ جہاں کی حکومت مغل کا منور دور سمجھا جاتا تھا۔یہ ایک لحاظ سے سیکولر دور تھا۔اور بادشاہت بھی مستقل تھی۔
جواب	مستقل دنیا میں کوئی شے نہیں۔اکبر یا شاہ جہاں اپنے وقت کے حساب سے کامیاب منتظم اور سیاستدان تھے۔
سوال	Amjad Ali اگر ہو سکے مسلم سائنسدانوں اور ان کے انجام پر بھی تفصیل سے لکھ دیں۔اگرچہ کچھ تو لکھا جا چکا ھے لیکن تفصیل چاھیے ان کے عقاید کے ساتھ۔ مشکور رھونگا۔
جواب	اس پر ایک تحریر یہ ہے https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/permalink/1814425938660007/
سوال	**Shoaib Nazir**۔جائز بیوی؟
جواب	جس سے نکاح ہوا ہو۔
سوال	**Shoaib Nazir** ۔شاہ کی ناجائز بیویاں بھی تھیں ؟۔
جواب	حرم میں کئی خواتین تھیں۔ٹھیک تعداد معلوم نہیں۔جب بہادر شاہ ظفر کو جلاوطن کیا گیا تو ان کے ساتھ ان کے دو بیٹے تھے جو سب سے چھوٹے تھے۔ایک بہو اور دونوں کی والدائیں۔ایک والدہ زینت محل تھیں جو بادشاہ کی پسندیدہ بیوی ہوا کرتی تھیں۔دوسری سب سے چھوٹے شہزادے مرزا غلام عباس کی والدہ جو خادمہ ہوا کرتی تھیں۔
سوال	**Shehzad Ahmed** سر حرم کی خواتین کے ساتھ تعلق نکاح کے بعد قائم کیا جاتا یا۔۔۔۔۔۔؟؟
جواب	حرم کی خواتین concubines تھیں۔بڑے بادشاہوں، سلطانوں، خلفاء، راجوں اور نوابوں وغیرہ کے حرم عام طور بڑے ہوتے تھے۔بہادر شاہ کا اتنا بڑا نہیں تھا۔(یہ کچھ صدیوں پہلے کی تاریخ ہے)
سوال	**Rai Raza Haider** مغل کے آخری چراغ اتنے پابہ گل تھے کہ اپنی رضا اپنا جانشین بھی منتخب کرنے سے رہے وہ بھی انگریز فیصلہ کیا کرتے
جواب	اس سے پچھلی قسط میں ذکر ہے۔غلام قادر روہیلہ کے بعد مغل بادشاہ کی حفاظت مرہٹوں کے پاس آ گئی تھی اور 1803 میں دوسری انگلش مرہٹہ جنگ کے بعد یہ برٹش کے پاس۔دہلی عملی طور پر برٹش کے پاس تھا جس میں مغلوں کو بادشاہت کا ٹائٹل رکھنے کی اجازت تھی
سوال	**Mohammad Farooq** کیا آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے عثمانیہ خلافت کے اس وقت کے بادشاہ سے کوئی مدد کی اپیل کی ہو یا ہمسایہ ریاستوں سے کیسے تعلقات تھے اس پر کچھ لکھیں سر
جواب	برٹش اور ترکی اتحاد ملکہ وکٹوریا کے دور میں ہو چکا تھا۔یہ فرانسیسیوں کے خلاف بھی تھا اور روسیوں کے بھی۔۱۸۵۷ کی جنگ میں عثمانی خلیفہ نے فرمان جاری کیا تھا کہ مسلمان برٹش کا ساتھ دیں اور جائز اور عادل حکمران کے خلاف غداری نہ کریں۔یہ مساجد میں پڑھ کر سنایا

جاتا تھا۔ انیسویں صدی میں دہلی کے بادشاہ کی حکمرانی بہت محدود علاقے پر تھی۔ اپنے محل سے بس کچھ ہی آگے اور اپنے محل میں بھی مکمل نہیں۔ اس بارے میں اس پوسٹ سے https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/permalink/2382849185151010/	
Awais Shaikh میرے خیال میں برٹش گورنمنٹ سے کوئی معاہدہ ہوا بھی تھا تو اس کا مطلب یہ نہیں کے سلطنت عثمانیہ بالکل ہی برطانیہ کی گود میں جا کر بیٹھ گئ تھی سلطنت اس وقت روس سمیت کئ طاقتوں سے نبرد آزما تھی. برطانیہ سے خود کتنی جنگیں سلطنت نے لڑیں کوت العمارہ واحد لڑائی تھی جس میں برٹش آرمی کو زلت آمیز شکست کے باعث ہتھیار ڈالنا پڑے . حیدرآباد دکن اور دیگر مقامی مسلمانوں کے گہرے مراسم سلطنت عثمانیہ سے تھے اور ایک دوسرے کے ہاں شادیاں بھی ہو چکی تھیں . ترکی نے آخری وقت تک اتحاد امت، مسلم علاقوں کے تحفظ اور مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کے لیے ہر ممکن کوشش کی سلطان عبدالحمید کو جب القدس کے بدلے ترکی کا تمام قرضہ ادا کرنے کی پیشکش کی تو سلطان نے اس کو رد کر دیا	سوال
عثمانی سلطنت پر گیارہ اقساط کی پوری سیریز ہے جو اس گروپ کے یونٹ میں ہے۔ اس کو پڑھ لیں۔ یہاں پر سوال یہ تھا کہ "کیا آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے عثمانیہ خلافت کے اس وقت کے بادشاہ سے کوئی مدد کی اپیل کی ہو"۔ تو اس کا جواب ہے کہ نہیں۔ نہ کی اور نہ ہی کوئی وجہ تھی کہ ایسا کرنے کا سوچا بھی جاتا۔	جواب
ملک بلال۔ انتہائی دلچسپ۔ سرجی انڈیا میں ایک صاحب ہیں جن کا نام یعقوب حسین الدین طوسی ہے. خود کو مغل فیملی کا آخری ولی عہد اور بہادر شاہ ظفر کا پڑپوتا بتاتے ہیں. نیز تاج محل کی ملکیت کا دعوی بھی رکھتے ہیں اور پرانے شاہانہ انداز زندگی کو برقرار رکھے ہوئے ہیں. کچھ نہ کچھ حقیقت بھی لگتی ہے کہ ان کو تھوڑا بہت سرکاری پروٹوکول بھی دیا جاتا ہے 	سوال
مرزا غلام عباس نے رنگون میں شادی کی۔ ان کی اولاد وہیں پر ہے۔ دو مزید مرزا زندہ رہے تھے، ان کی اولاد بھی ہو گی۔ بہادر شاہ ظفر کی نسل سے بھی لوگ ہیں اور ان سے پچھلے مغلوں سے بھی۔ میرے پردادا، دادا اور والد کون تھے؟ یہ مجھے کسی بھی چیز کا حقدار نہیں بناتا۔ یہ بادشاہت کے دور اور آج کی دنیا کا ایک فرق	جواب

سوال	**ملک بلال** .ہمارا المیہ کہ یہ رواج تاحال جاری ہے میرا نانا وزیر اعظم تھا، میری ماں وزیر اعظم تھی، میرا باپ صدر تھا. اس لیے حکمرانی پہ میرا حق ہے. دوسری طرف. میرا باپ وزیر اعظم تھا، چچا وزیر اعلی تھا اب میرا حق ہے حکمرانی کا میں وزیر اعظم بنوں گی اور میرے بعد میرا بیٹا تیار ہو رہا ہے
جواب	بہت فرق ہے۔آج کوئی اگر یہ کہتا ہے کہ اس کے والد حکمران تھے تو یہ کافی نہیں ہے۔کسی نہ کسی طریقے سے، کسی پراسس سے گزر کر پہنچنا پڑتا ہے۔ایک اور چیز کا اضافہ بھی ہو گیا ہے اور وہ عوام ہیں (یہ پراسس خود ناقص ہے یا کام کرتا ہے، الگ سوال ہے)۔اٹھارہویں صدی میں اقتدار کی لڑائی میں عوام نامی کوئی شے اس کے درمیان نہیں آتی تھی۔ اور تاحیات حکمرانی کا تصور باقی نہیں رہا۔اور انتقالِ اقتدار پرامن بھی ہو جاتے ہیں۔
سوال	**Zeeshan Ali** آگر ترکی مغلوں کی مدد کرتا تو دونوں حکومتیں بچ سکتی تھیں
جواب	نہیں، اس کا کوئی امکان نہیں تھا۔
سوال	**Zeeshan Ali** گوروں نے بڑی مکاری سے دونوں کے دانت کھٹے کیے۔
جواب	برٹش کا ہندوستان میں جن سے مشکل مقابلہ رہا، وہ ٹیپو سلطان، سکھ اور مرہٹے تھے۔مغل کسی کھاتے میں نہیں آتے تھے۔
سوال	**Tanvir Rana** سر اگر فرض کرلیں انگریز ہندوستان نا آتے تو کیا ابتک یہی بادشاہت موجود ہوتی؟ علاقے پر بولی جاتی۔
جواب	اگر اس سے پچھلی قسط پڑھیں تو اس میں کچھ تفصیل سے ذکر ہے۔مغل تو انگریزوں کی آمد سے پہلے ہی عملی طور پر طاقت کھو چکے تھے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر انگریز نہ آتے تو مرہٹوں کے پھیلاؤ کو روکنا شاید مشکل ہوتا اور مراٹھی زبان ہندوستان کے بڑے
سوال	**Mohammad Farooq** سر میرے خیال میں افغانستان کی طرح خانہ جنگی کی سی صورت حال ہوتی
جواب	اتنی بری تو شاید نہیں لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہت سی ریاستیں ہوتیں۔
سوال	**Shahid Hussain** Sir, is it true that mitkof was killed by a nawab near by Delhi (I read it in a magzeen but I forgot the name of nawab and his reyasat)

جواب	نہیں، یہ درست نہیں۔ تھامس میٹکاف کی وفات دہلی میں ہوئی تھی۔ اس پر شک کا اظہار کیا جاتا رہا کہ ان کو زہر دیا گیا ہے۔ تھیو میٹکاف 1857 میں اپنی جان بچا کر بھاگ گے تھے۔ جھاجر کے نواب نے انہیں پناہ دینے سے انکار کیا تھا۔ لیکن بعد میں آ کر انہوں نے دلی میں قتلِ عام کیا۔ ان کی سفاکی کی وجہ سے انہیں معزول کر کے واپس انگلستان بھجوا دیا گیا۔
سوال	**Zafar Khan** ملکہ زینت محل ہی شاید بادشاہ کے ساتھ جزائر انڈیمان (کالا پانی) بھجوائی گئی تھیں۔ اور وہاں بادشاہ کو جن سپاہیوں کی نگرانی میں رکھا گیا تھا ان کے انچارج انگریز سے بات چیت کرتی رہتی تھیں کہ ان کے والد کی دہلی میں جائداد تھی جو ان کی دلی میں اولاد کو واگذار کی جائے جن میں زینت محل کی گفتگوarchives internetوغیرہ۔ ان سپاہیوں میں سے ایک نے اپنی یادداشتیں کتابی صورت میں لکھ رکھی ہیں اور قید میں بادشاہ کا تفصیلی احوال درج ہے۔ جو گوگل سکالر یا پر مل جائے گی
جواب	بلکل درست۔ صرف یہ کہ جلاوطنی میں کالا پانی نہیں بلکہ رنگون بھیجا گیا تھا۔

6۔ مذہبی اختلافات

ریورنڈ مجلے جیننگز ہندوستان میں 1832 میں پہنچے تھے۔وہ کرسچن کمیونیٹی کے مذہبی راہنما تھے اور ان کا ایک اپنا ہی خیال تھا۔ ”برٹش سرکار نے ہندوستان سے کوہِ نور ہیرا لے لیا ہے۔اس کا قرض چکانا ہے اور وہ یہاں کے قدیم مذاہب کی جگہ مسیحیت کی روشنی پھیلنے سے ہو گا“۔یہ جیننگز کی ڈائری سے ہے۔دہلی کے چرچ میں ان کی تعیناتی 1852 میں ہوئی۔جیننگز ایک مذہبی جنونی تھے جو خود اپنے ہم مذہب لوگوں کی اکثریت میں بھی زیادہ پسند نہیں کئے جاتے تھے۔لیکن 1850 کی دہائی میں انڈیا میں کرسچن مذہبی حلقوں میں ایسے لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔

پشاور کے کمشنر ہربرٹ ایڈورڈز کے مطابق، ”یہ سلطنت ہمیں خدا نے تحفے میں دی ہے تا کہ ہم پروٹسٹنٹ ازم یہاں پھیلا سکیں“۔

فتح پور میں ڈسٹرکٹ جج نے دس کمانڈمنٹ کا ترجمہ فارسی، اردو، ہندی اور انگریزی میں کر کے مختلف مقامات پر لگوا دیا تھا اور ہندوستانی زبان میں مقامی لوگوں کو اکٹھا کر کے بائبل سنایا کرتے تھے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے چند افسر بھی اس نئے کام کے حق میں تھے۔کرنل چارلس گرانٹ کا کہنا تھا، ”خدا نے ہمیں یہ زمین اس لئے نہیں عطا کی کہ ہم یہاں سے صرف منافع کمائیں۔مال، دولت، پیسہ دنیاوی چیزیں ہیں۔ہمیں اپنی اقدار بھی مقامی لوگوں تک پہنچانی ہیں“۔اس نئے عود آنے والے مذہبی جذبے کے ایک سپورٹر کلکتہ کے بشپ ریجینالڈ ہیبر تھے۔ہیبر کی اردو میں لکھی گئی حمدیں آج بھی چرچ میں پڑھی جاتی ہیں۔

انگریزوں کی آمد سے لے کر انیسویں صدی کے آغاز تک مسلمان علماء کا انگریزوں سے رویہ دوستانہ رہا۔اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ مسلمان علماء مرہٹہ حکومت کے مقابلے میں برٹش راج کو ترجیح دیتے تھے اور انگریزوں کی آمد کے وقت مرہٹے ہندوستان کی سب سے بڑی پاور تھے۔مسلمانوں نے کمپنی کی ملازمت اختیار کی جس میں قانون دان، منشی، ورکر یا استاد کے پیشے بھی تھے۔

جب انگریز پہلی بار دہلی آئے تو یہ مقامی لوگوں کے لئے ایک انوکھی چیز تھے۔ایک بات مشہور ہوئی کہ یہ سیلون کی خواتین اور بندروں کے ملاپ سے ہیں۔شاہ ولی اللہ کے بیٹے شاہ عبدالعزیز نے باقاعدہ فتوٰی جاری کیا کہ ”یہ ہماری طرح کے ہی لوگ ہیں۔یہ وہ

ہیں جنہیں قرآن میں نصاریٰ کہا گیا ہے۔ان سے میل ملاپ رکھا جا سکتا ہے۔ان کی ملازمت کی جا سکتی ہے۔ان کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھایا جا سکتا ہے، چہ جائیکہ کوئی حرام شے نہ ہو"۔

کئی مسلمان مولوی تھے جنہوں نے برٹش خواتین سے شادیاں کیں۔دہلی کے کئی حلقوں میں مسیحیت میں انٹلکچوئل دلچسپی بھی رہی۔ 1807 میں جب مغل دربار میں نیو ٹیسٹیمنٹ کا عربی ترجمہ پیش کیا گیا تو نہ صرف اسے شکریے سے قبول کیا گیا بلکہ مزید کی فرمائش بھی ہوئی۔

کئی مسلمان علماء کے ذاتی تعلقات اور دوستیاں رہیں۔شاہ عبدالعزیز کی دہلی کے کمشنر ولیم فریزر کے ساتھ بہت دوستی تھی۔فریزر ان سے ہفتے میں دو بار فارسی اور عربی پڑھنے آتے تھے۔فریزر ہندوستانی روایات سے متاثر تھے۔شاہ عبدالعزیز انہیں شریعت کے باریک نکتے سمجھایا کرتے تھے۔

ولیم فریزر کا ایک اور شوق دہلی کے پڑھے لکھے لوگوں کی محفل میں بیٹھنا تھا جن میں ایک مرزا غالب بھی تھے۔فریزر نے گائے اور سور کا گوشت کھانا ترک کر دیا تھا اور مغل لباس اپنا لیا تھا۔

فریزر ایسا کرنے میں اکیلے نہیں تھے۔ایسے کئی اور برطانوی تھے۔برٹش ریزیڈنٹ سر ڈیوڈ اوکرلونی ہندوستانی پاجامے اور پگڑی میں نظر آتے تھے۔حقے اور دہلی کی رقاصاؤں کے ناچ دیکھنے کے دلدادہ تھے۔ان کی تیرہ بیویاں ہندوستان سے تھیں۔ان کی ایک شادی پونے کی ایک برہمن رقاصہ سے ہوئی تھی جنہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔یہ بی بی مبارک النساء تھیں۔یہ مشہور تھا کہ جرنیلی بیگم کہلانے والے اس خاتون سے برٹش کمشنر خاصا دب کر رہتے تھے۔

ان گھرانوں میں اسلامی روایات اور حساسیت کو اچھی طرح سمجھا جاتا تھا اور ان کا احترام کیا جاتا تھا۔اوکٹرلونی کے کچھ بچے مسلمان تھے۔مبارک بیگم کے ساتھ ان کی بیٹی کی شادی مرزا غالب کے بھتیجے سے ہوئی تھی۔

ایسے کئی خاندان تھے جو انگلستان سے آئے تھے اور نسل در نسل مقامی کلچر میں رچ بس گئے تھے۔ہانسی کے سکنر، سردھانہ کے سومرو، خاص گنگ کے گارڈنر۔۔۔اسلامو کرسچن بفر زون کہلائے جا سکتے تھے۔فارسی اور ہندوستانی بولنے والے اور ہر لحاظ سے تقریباً اسلامی مغلیہ طرز کی زندگی گزارنے والے۔

بہادر شاہ ظفر کی فرسٹ کزن مختار بیگم کی شادی ولیم گارڈنر کے بیٹے سے ہوئی تھی۔ولیم کے والد نے کامبے کی بیگم سے شادی کی تھی۔اس خاندان کے آدھے لوگ مسلمان تھے اور آدھے کرسچن۔

کرسچن مشنری پہلے بھی اپنے پمفلٹ تقسیم کرنے، تبلیغ کرنے اور مناظرے کرنے کا کام کرتے تھے۔مسلم مسیحی مکالمے ہوا کرتے تھے، لیکن انیسویں صدی کے وسط میں آنے والے کرسچن تبلیغی شدت پسند ہر ایک کے لئے ناخوشگوار اضافہ تھے۔اور انہوں نے مقامی طور پر برطانویوں کے امیج کو بہت نقصان پہنچایا۔

برٹش نے کچھ مقامی مذہبی رسومات کو ممنوع قرار دیا تھا۔جس میں 1829 میں ستی کی رسم کو غیر قانونی قرار دئے جانا تھا۔(بیوہ کو شوہر کے ساتھ ہی جلا دینا)۔اس پابندی کو کچھ ہندو مذہبی حلقوں میں پسند نہیں کیا گیا تھا۔ہندو بیواؤں کو دوبارہ شادی دینے کی اجازت کے قانون نے اونچی ذات کے کئی ہندوؤں کو بہت رنج پہنچایا تھا۔جیل میں قیدیوں کو مسیحیت کی تبلیغ کی اجازت ملنا اور مشنریوں کو یتیم بچوں کی پرورش کرنے کے لئے ادارے بنانے دینا مذہبی حلقوں میں بہت قابلِ اعتراض رہا۔

ایک بڑا مسئلہ یہ تھا کہ برٹش نے جہاں زمین حاصل کی، وہاں پر مندروں، مسجدوں، مزارات، مدارس سے ان کی زمین کے ریکارڈ کے ثبوت مانگے جاتے تھے۔نہ دئے جانے پر ان کی سرکاری امداد بند کر دی جاتی تھی۔اس نے مذہبی راہنماؤں کو نئے حکمرانوں کے خلاف کیا۔

سڑکوں کی تعمیر کے دوران مساجد اور مندروں کو منہدم کئے جانا۔اور حماقت خیز غیر حساسیت سے ضبط شدہ مذہبی مقامات کو کئی مقامات پر کرسچن مشنری کے سپرد کر دئے جانا۔۔اس نے ہندوستانی آبادی کے جذبات مجروح کئے۔

اگرچہ ہندوستان میں ان نئے آنے والوں کو خاص کامیابی نہ ملی لیکن یہ محض اتفاق نہیں تھا کہ انیسویں صدی کے وسط میں ہی وہ ماحول بنا کہ برٹش سرکار کی طرف سے کی گئی ہر اصلاح اور نئی چیز کو شک کی نظر سے دیکھے جانے لگا، خواہ وہ کتنی ہی عام سی اور کتنی ہی ضروری کیوں نہ ہو۔اور یہی وہ وقت تھا جب مشنری فوبیا کی وجہ سے برٹش کی طرف سے بنائے گئے ہسپتال، سکول اور کالج سے بھی کئی مقامی لوگ کترانے لگے۔

نوٹ: ساتھ لگی تصویر 1818 میں بنائی گئی ہے۔یہ دلی کی سڑک سے گزرتے درباری قافلے کی تصویر ہے۔تھامس میٹکاف اس میں شاہی دربار کے عہدیداران کے ساتھ ہیں۔

7۔ فکری تصادم

برٹش نے سکھوں کو جب 1849 میں بالآخر شکست دے کر پنجاب کا بڑا حصہ قابو کر لیا تو ان کے پاس جنوبی ایشیا میں کوئی مقابلہ نہیں بچا تھا۔ تمام عسکری حریفوں کو مات دے دی گئی تھی۔ بنگال میں سراج الدولہ کو 1757 میں، فرانسیسیوں کو 1761 میں، میسور کے ٹیپو سلطان کو 1799 میں۔ مرہٹوں کو 1803 میں اور پھر 1819 میں شکستِ فاش دی گئی۔

ان عسکری فتوحات نے تکبر کو جنم دیا تھا۔ پہلی بار یہ تاثر بننے لگا تھا کہ ٹیکنالوجی، معیشت، سیاست اور کلچر میں برٹش کے پاس ہندوستان سے سیکھنے کو کچھ نہیں، سکھانے کو بہت کچھ ہے۔ یہ گفتگو اب ہونے لگی تھی کہ انگریزوں کا فرض ہے کہ ان نیم تہذیب یافتہ جاہل لوگوں کو مہذب بنائیں۔ یہ وہ وقت تھا جب میکالے نے کہا تھا کہ "یورپ کی اچھی لائبریری کی ایک شیلف انڈیا اور عرب کے پورے لٹریچر پر بھاری ہے۔ سنسکرت میں لکھی گئی بہترین کتابیں برطانیہ میں پرائمری سکول کی کتاب کے مقابلے کی نہیں۔ جس طرح روس کو مہذب بنایا گیا ہے، ویسے ہندوستانی کو بھی بنایا جا سکتا ہے"۔

ہندوستان سینکڑوں زبانوں کا علاقہ تھا۔ ایک جگہ کے لوگ دوسری جگہ کی زبان نہیں سمجھتے تھے۔ اس مسئلے کا حل مغلوں نے فارسی سے نکالا تھا۔ مغرب سے آنے والی یہ زبان ہندوستان کو جوڑنے کی زبان تھی اور ہندوستان میں پڑھائی جاتی تھی۔ یہ عوامی زبان نہیں تھی بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کی زبان سمجھی جاتی تھی جو پنجاب سے بنگال تک استعمال ہوتی تھی۔ ادیب، شعراء، دانشور، علماء اس کا استعمال کرتے تھے اور یہ ہندوستان کی سرکاری زبان تھی۔

نئے آنے والے نئی زبان بھی لائے۔ 1837 میں فارسی کو ختم کر کے انگریزی کو سرکاری زبان بنا دیا گیا۔ برٹش انڈیا پر برٹش مزاج، روایات اور اقدار کے مطابق حکومت ہونا تھی۔ پچھلے آنے والوں کی زبان فارسی کا وقت ختم ہوا جو رفتہ رفتہ مٹ گئی۔ اس کی جگہ انگریزی نے لے لی جو ہندوستان کو اکٹھا رکھنے والی اور کاروبارِ حکومت چلانے والی زبان بن گئی۔

یہ وہ وقت تھا جب "گورے مغل" ہمیں کم ہوتے نظر آتے ہیں۔ ہمیں بیبیاں (انگریزوں کی مقامی بیویاں) کم ہوتی نظر آتی ہیں جو 1850 کے بعد تقریباً غائب ہو گئیں۔ اس کی وجہ کلچرل دوری تھی اور برٹش کا کلچرل برتری کا احساس تھا۔ ہندوستانی خاتون سے شادی کرنا اب کسی کو اپنے رفقاء میں مذاق بنوا دیتا تھا۔ ہندوستانی پاجامہ اب انگریزوں کے لئے شب خوابی کا لباس رہ گیا جسکو گھر سے باہر پہننے پر شرمندگی محسوس کی جاتی تھی۔ پگڑی اور بڑی مونچھیں ترک کر دی گئیں۔

جیننگز کی تبلیغ جاری تھی اور 1852 میں انہیں دو اہم کامیابیاں ہوئیں۔ ایک ڈاکٹر چمن لال تھے جو بہادر شاہ ظفر کے ذاتی معالج تھے اور دوسرا ان کے دوست ماسٹر رام چندر اجو ماہر ریاضی دان تھے دہلی کالج میں پڑھاتے تھے۔ جیننگز نے بڑی عوامی تقریب منعقد کی جس میں یہ تبدیلی مذہب سب کے سامنے نمایاں دکھائی گئی۔ اس طریقے سے یہ بپتسمہ مقامی آبادی کے لئے خدشات کا باعث تھا۔ کئی معززین نے اپنے بچوں کو دہلی کالج سے اٹھالیا۔ پرو برٹش علماء بھی اب خدشات کا شکار ہونے لگے۔ دہلی کے صدر الصدور (مفتی اعظم) مفتی صدرالدین آزردہ، جنہوں نے تیس سال تک مغل اور برٹش تعلقات مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کیا تھا، اب اس نئے برٹش رویے سے نالاں تھے۔

کمبھ میلے میں شرکت کرنے والے سادھوؤں کو چیخ چیخ کر تبلیغ کرنا اور انہیں بتایا کہ وہ کیوں گمراہ ہیں۔۔۔ جیننگز کے یہ طریقے ہندوستانی مزاج سے میل نہیں کھاتے تھے۔

بہادر شاہ ظفر کا تعلق چشتیہ صوفی سلسلے سے تھا اور صوفی خانقاہوں اور مزارات پر آنا جانا رہتا تھا۔ ظفر خود کو صوفی پیر کہتے تھے اور مریدوں کو قبول کرتے تھے۔ دہلی اردو اخبار نے انہیں ایک جگہ پر "زمانے کا سب سے بڑا صوفی" بھی لکھا۔ دربار میں پیروں کا بھی آنا جانا رہتا تھا اور بادشاہ کو علاج کے لئے تعویذوں پر اعتقاد تھا۔

لیکن بہادر شاہ ظفر کے کردار کا ایک اور پہلو بھی تھا جو ان کی شاعری میں نظر آتا ہے اور یہ گہری صوفی شاعری اور تصورِ فنا ہے۔ مرزا غالب کو لکھے گئے ایک خط میں وہ لکھتے ہیں کہ "علماء کا فقہی موشگافیوں تک محدود رہنا اور حیض و نفاس جیسے مسائل میں الجھے رہنا، اصل روحانیت کو دبا دیتا ہے۔ خدا تک پہنچنے کا راستہ کچھ اور ہے۔ یہ صوفی طریقہ سیکھنے میں ہے"۔

بہادر شاہ ظفر انتہا پسندی سے معاملہ کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے اور مذہبی حساسیت کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ "مغل مسلمان اور ہندو آبادی کے مسلمان بادشاہ ہیں"۔ انکے قلعے میں ہولی بھی منائی جاتی تھی جس میں بادشاہ خود رنگ پھینکتے تھے۔ ہندو تہواروں پر محل کے ہندو افسران کو تحائف دیتے تھے اور دیوالی پر اپنے وزن کے برابر سامان خیرات کرتے تھے۔ ایک بار دہلی کے دو سو مسلمانوں نے ان سے استدعا کی کہ انہیں عید الاضحیٰ پر گائے کی قربانی کی اجازت دی جائے تو انہیں ڈانٹ دیا گیا، "اسلام میں قربانی صرف گائے کی ہی کرنا فرض نہیں۔ کسی کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچانا آپ کا فرض اور ایک بھاری ذمہ داری ہے۔ اور خاص طور پر اس وقت، جب آپ تعداد میں زیادہ ہوں اور پوزیشن میں طاقتور"۔

انیسویں صدی میں وقت کے ساتھ آرتھوڈوکس نظریات میں شدت آتی گئی۔ بہادر شاہ ظفر کا طریقہ تنقید کی زد میں آتا گیا۔ جس طرح برٹش مذہبی شدت پسند طاقت پکڑ رہے تھے، ویسے ہی مسلمان بھی۔ دونوں ایک دوسرے کو مضبوط تر کر رہے تھے اور دونوں کے آپس میں تصادم کے لئے راہ ہموار ہو رہی تھی۔

بادشاہ کے ایک بڑے نقاد سید احمد بریلوی تھے، جنہوں نے موجودہ خیبر پختونخواہ کے علاقے میں سکھوں اور برٹش سے جہاد شروع کیا تھا، جس میں ناکام رہے تھے۔ سکھوں اور افغانوں کی جنگیں ہوتی رہی تھیں اور دونوں کے درمیان علاقے ہاتھ بدلتے رہے تھے۔ سید احمد بریلی نے افغان مدد پر انحصار کیا تھا لیکن افغانوں نے ان کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ سکھوں سے شکست کے بعد ان کی وفات 1831 میں ہوئی۔ ان کے مجاہدین کے نیٹورک پشاور، انبالہ، دہلی اور پٹنہ تک پہنچ گیا تھا۔ ایک دوسری فکر شاہ ولی اللہ سے شروع ہوئی تھی جو صوفی طریقت کے خلاف تھی۔ ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز مفتی تھے (یہ دہلی کے کمشنر ولیم فریزر کے دوست اور ان کے استاد بھی تھے) اور پنجاب کے تاجروں پر انکا زیادہ اثر تھا۔

جینگنز کے طرز کی مذہبی شدت پسندی اور برٹش امپیریل ازم کے ردِ عمل نے ان تحریکوں کو مضبوط کیا۔ آنے والے وقتوں میں ہر طرف کے انتہا پسند ایک دوسرے کے لئے تقویت کا باعث بنتے رہے۔

ساتھ لگی تصاویر برِصغیر کی زبانوں کی علاقوں کے اعتبار سے۔

پہلی تصویر میں زبانوں کی فیملی کا نقشہ ہے۔

دوسری تصویر میں انڈو آرئین فیملی کی چند زبانوں کو مزید تفصیل سے دکھایا گیا ہے۔ (ہندی اور اردو کو ایک ہی گروپ میں رکھا گیا ہے)۔

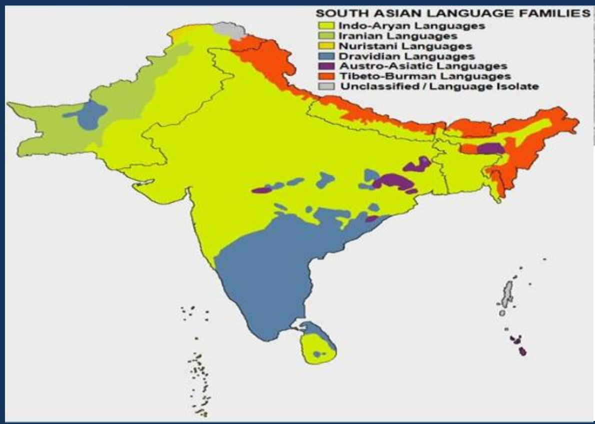

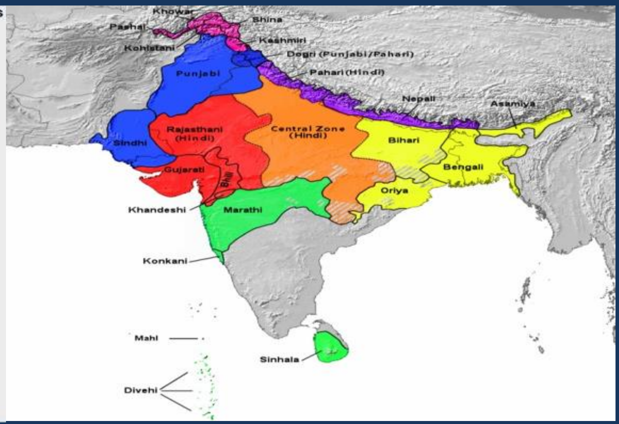

سوالات وجوابات

سوال	**Guljee Jamal** سر سید احمد بریلی نے باقی اقوام کو چھوڑ کر اتنی دور بسنے والے افغانوں پر ہی کیوں اعتماد کیا تھا اور افغانوں نے ان کی مدد کرنے سے سرے ہی سے انکار کیا تھا یا بعد میں ان کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے؟ دوسری بات یہ کہ سید احمد بریلی سکھوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا یا افغانوں کے ہاتھوں؟ اور یہ کونسی جنگ تھی اور کس علاقے میں لڑی گئ؟
جواب	سید احمد بریلوی 1826 سے پشاور میں تھے اور پشاور سکھ ریاست کا حصہ تھا۔انہوں نے یہاں سے رنجیت سنگھ کے خلاف جنگ شروع کی۔چارسدہ کے قریب اپنا بیس بنایا۔مقامی پشتون قبائل سے شروع میں مدد مل گئی۔لیکن یہ مدد زیادہ عرصہ نہیں رہی۔وادی پشاور کا کچھ علاقہ ان کے پاس تھا، وہاں سخت شرعی نظام نافذ کیا۔چند ماہ میں ہی اس نظام کے خلاف بغاوت ہو گئی اور مقامی خان کے لشکر نے ان کے دو سو مجاہدین کو مار دیا اور انہیں بھاگ کر پہاڑی علاقے کی طرف جانا پڑا۔یہاں پر بالاکوٹ کے مقابلے میں سکھ فوجوں نے انہیں شکست دی اور ان کا سر قلم کر دیا گیا۔ سید احمد بریلوی کا خیال تھا کہ سکھوں کے مقابلے میں مقامی آبادی ان کے مجاہدین کو ترجیح دے گی۔شروع میں کچھ مدد ملی بھی لیکن یہ برقرار نہ رہی۔
سوال	**Asadimran Shah** .سید احمد خان کی موت کے بارے میں شکوک پاۓ جاتے ہیں کہ اسی جنگ میں ہوئ یا وہ وہاں سے نکل گئے تھے کیا ان کا کنفرم مزار موجود ہے؟
جواب	سید احمد بریلوی کو فیصلہ کن شکست بالاکوٹ میں ہوئی تھی۔ وہیں پر قبر بھی ہے۔ان کے بارے میں کہانیاں چلتی رہیں کہ جس کا سر اتارا گیا، وہ کوئی اور تھا۔اس روز وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن اگر ایسا ہوا بھی تو ہم یہ کہہ سکتے کہ بالاکوٹ کے بعد تاریخ میں ان کا کوئی مزید کردار نہیں۔
سوال	سر اس یونٹ میں ٹیپو سلطان پر کوئی نوٹ لکھی ہے آپ نے۔
جواب	میسور ریاست الگ تھی اور مغل عملداری میں نہیں رہی۔ ٹیپو سلطان کی شکست 1799 میں ہوئی۔ یہ یونٹ دہلی اور 1857 کے بارے میں ہے۔اس لئے ان کا ذکر نہیں
سوال	**ف فاران**۔ اردو کو دفتري زبان بنوایا تھا فارسي کي جگه
جواب	برٹش نے فارسی کی جگہ 1835 میں انگریزی کو سرکاری زبان بنایا تھا۔1843 میں دوسری سرکاری زبان کے طور پر ہندوستانی (اردو۔ ہندی) کا اضافہ کر دیا تھا۔۔

سوال	ف فاران۔ ہندي کو تو بہت عشروں بعد احتجاج اور ہنگاموں کے بعد بنوایا
جواب	اردو ہندی تنازعہ رہا تھا۔ برٹش نے شمالی ہندوستان میں اردو کو ذریعہ تعلیم کی زبان بنایا تھا اور یہ اردو رسم الخط کے ساتھ تھا۔ ہندی اور ناگری رسم الخط کو برابری کا درجہ دینے پر تحریک بڑا عرصہ چلی لیکن وہ تاریخ کا الگ باب ہے۔
سوال	**Muhammad Osama** اردو ہندی ایک ہی زبان ہے شاید اسی لیے آپ نے ایک گروپ میں رکھا ہے
جواب	اردو اور ہندی قریب قریب کی زبانیں ہیں۔ اردو بولنے والے کو ہندی اور ہندی بولنے والے کو اردو سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی۔ (ہندی بولنے والا انگریزی، عربی، بنگالی، سندھی، تامل، پشتو نہیں سمجھ سکتا جب تک اس زبان کو نہ سیکھ لے)
سوال	**Muhammad Osama** سر یہ دونوں ایک ہی زبان نہیں ہیں کیا؟ فرق صرف رسم الخط کا ہی تو ہے
جواب	ہندی اردو تنازعے کی برِصغیر میں اپنی ایک تاریخ رہی ہے۔ اردو میں عربی، فارسی کے الفاظ ہیں جبکہ ہندی میں سنسکرت کے۔ "خالص اردو" والے سنسکرت کے کسی لفظ کے استعمال پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں جبکہ "خالص ہندی" والے عربی یا فارسی کے استعمال پر۔ سیاسی تنازعے میں یہ بھی شامل ہوگئی۔ اردو بھرشٹ ہوئی اور ہندی نجس۔ وسطی ہندوستان میں ہندو کو اردو کے برابر کا مرتبہ دینے پر بہت عرصہ تحریک چلی اور 1900 میں انہیں الگ اور برابر زبانیں تسلیم کر لیا گیا۔
سوال	**Khan Inaam Khan** مغلوں کے زوال کے چیدہ چیدہ وجویات کیا بنی۔
جواب	سوال شاید اس کا برعکس یہ ہے کہ مغل اتنا عرصہ عروج پر کیسے رہے؟ ہندوستان کی تاریخ میں اتنے بڑے علاقے پر ایک خاندان کا اتنا عرصہ رہنے کی مثال نہیں۔ برٹش راج بھی اس سے مقابلے میں کم عرصہ رہا ہے۔ اتنے بڑی کثیر القوم علاقے پر ایک مرکز سے حکومت کرنا آسان نہیں۔ اٹھارہویں صدی میں آکر اسے برقرار نہیں رکھا جا سکا
سوال	**Sohail Qureshi** میرے خیال میں ہندوستان پر سلاطین دہلی اور بعد میں مغل بطور پارٹی حکومت کرتے رہے۔ جدید قومی نظاموں سے قبل سیاسی پارٹی ایک خاندان میں ہی رہتی تھی، ایک پارٹی کے کمزور ہونے اور استعداد ختم ہونے کے بعد دوسری پارٹی اس کی جگہ لے لیتی تھی۔ جب مغل پارٹی کمزور ہوئی تو اس کے متبادل کے طور پر ہندوستان میں کئی پارٹیوں نے سر اٹھایا، جن میں جنوبی ہند کے مرہٹے اور شمالی ہند کے افغان اور دہلی کی ولی اللہی جماعت اہم طاقتیں تھیں۔ لیکن بدیسی طاقت انگریز نے آکر ان مقامی طاقتوں کا خاتمہ کر دیا۔
جواب	ایک وقت میں مغل بھی بدیسی ہی تھے جو ترکستان سے آئے تھے۔ سیاسی پارٹی کا تصور اٹھارہویں صدی کا ہے۔ بادشاہ علاقے کے مالک تھے۔ ویسے جیسے جاگیردار کی جاگیر۔ اس میں سیاسی نظم نہیں ہوتا۔ علاقہ بڑا ہو جائے تو پھر دوسروں پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ مغلوں کی صلحِ کُل کی ڈاکٹرائن بہت کامیاب رہی تھی۔

سوال	**Sohail Qureshi** جدید قومی نظاموں سے قبل بدیسی ہونا برا نہیں سمجھا جاتا تھا، بلکہ مقامی لوگ ان کی قیادت قبول کر لیتے تھے، لیکن اب ایسا نہیں۔ انگریز بھی بدیسی تھے اور شروع میں ان کو کسی قسم کی مزاحمت کی بجائے مراعات دی گئیں، لیکن جب انہوں نے ہندوستان کو اپنا وطن بنانے کی بجائے، یہاں کے کلچر میں ڈھل جانے کی بجائے برطانیہ کو ہی مرکز بنایا تو مقامی مزاحمت پیدا ہوئی۔ اگر انگریز بھی مغلوں کی ہی طرح یہاں گھل مل جاتے، ٹیکنالوجی یہاں لاتے، ہندوستان کو ترقی دیتے، اسے اپنا وطن سمجھتے، تو شائد مقامی آبادی ان کو قبول کر لیتی،
جواب	برٹش امریکا گئے۔ 1812 میں جنگ لڑی گئی۔ ایک طرف برطانیہ اور اتحادی تھے۔ مقابلے میں امریکہ اور اتحادی۔ یہ جنگ تین سال تک جاری رہی۔ آسٹریلیا میں جانے والوں نے برطانیہ سے اپنا ناطہ جاپان کی جنگ کے بعد توڑ لیا تھا۔ تاریخ اس سے زیادہ فلوئیڈ ہے جتنا خیال کیا جاتا ہے۔
سوال	Muhammad Aaghar کیا مرہٹہ قوم ایک دلیر قوم تھی کیا مرہٹوں کی ایک الگ حکومت رہی ہے ہندوستان میں
جواب	مرہٹہ سلطنت کا عروج کا سال 1759 تھا۔ اس وقت ان کے زیرِ نگیں کتنا علاقہ تھا؟ یہ ساتھ والے نقشے میں۔ (مغل بھی ان کی پروٹیکشن میں تھے)۔ اس کے بعد یہ زوال پذیر ہوئے۔ برٹش سے ان کی تین جنگیں ہوئیں۔ تیسری اینگلو مرہٹہ جنگ کے بعد ان کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔
سوال	**Muhammad Nadeem Khan** سر فکر ولی اللّٰھی کے حوالے سے ایک وضاحت درکار ہے۔ کہ یہ تصوف کے خلاف تھی۔ لیکن کیا یہ بات تھوڑی حقیقت سے دور نہیں ۔ کیوں کہ شاہ ولی اللہ خود تصوف کے چاروں سلسلوں کے پیر و مرشد تھے۔ اسی طرح انکی اولاد بھی۔ **Sohail Qureshi** امام شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادے کے لوگ ہمیشہ سے لوگوں کو بیعت کرتے آئے ہیں۔ امام شاہ عبد العزیز کا حلقہ ارادت پورے ہندوستان میں پھیل گیا تھا، کوئی عالم ہندوستان میں ایسا نہ تھا جو بلواسطہ یا بلاواسطہ ان سے منسلک نہ ہو۔ سید احمد شہید کو خلافت امام شاہ عبد العزیز رح نے عطا کی تھی۔ اور وہ لوگوں کو بیعت کرتے تھے۔ اسی طرح شاہ اسماعیل شہید نے تصوف پر ایک اہم کتاب عبقات تحریر کی

	ہے۔امام اسحاق اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی خصوصیت ہی بطور مرشد کے ہے۔ مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی ان کے مرید تھے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کی خانقاہ گنگوہ شریف بہت مشہور ہوئی۔ گنگوہ شریف کی جانشین خانقاہ، خانقاہ رحیمیہ رائے پور ہے۔ شاہ عبد الرحیم رائے پوری دار العلوم دیوبند کے سرپرست اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے خلیفہ مجاز تھے۔ اسی طرح شیخ الہند، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی صاحب، مفتی کفایت اللہ دہلوی وغیرہ بھی اہل تصوف تھے۔ غرض ولی اللہی جماعت، بقول بانی تبلیغی جماعت مولانا الیاس دہلوی، "شریعت، طریقت اور سیاست کی جامع تھی"۔ باقی وہارا امبار کا صاحب جواب دیں گے۔
جواب	شاہ ولی اللہ صوفی ازم کے خلاف نہیں تھے۔خواجہ جمیل احمد صاحب نے اپنی کتاب "سو عظیم مسلمان" میں ان کو صوفی اور روایتی علماء کے درمیان پُل کہا ہے۔ جو طریقہ بہادر شاہ ظفر کا تھا (ظاہر ہے کہ شاہ ولی اللہ سے وہ بہت بعد آئے تھے)، اس کے خلاف تھے۔اور اس کو توحید کے تصور کے خلاف سمجھتے تھے۔
سوال	**Rana Yasir Ammar** سر چشتیہ سلسلہ کیا ہوتا ھے
جواب	صوفی روایت کے چار بڑے آرڈر رہے ہیں۔چشتی، نقشبندی، سہروردی اور قادری۔چشت موجودہ افغانستان میں ہرات کے قریب علاقہ ہے۔یہاں سے یہ شروع ہوا اور خواجہ معین الدین چشتی نے اسے ہندوستان میں اجمیر سے متعارف کروایا۔ اس کے ذکر کی پریکٹس میں پانچ بنیادی مشقیں ہیں۔ ذکرِ جلی (اونچا ذکر کرنا) ذکرِ خفی (دل میں ذکر کرنا) پاس انفاس (سانس کی مشق جو اللہ ہو کے ردھم پر کی جاتی ہے) مراقبہ چلہ

8۔پرانے گودام کے تنکے؟

برٹش انڈیا جتنا طاقتور آج ہے، پہلے کبھی نہیں تھا۔ ہر طرف امن وسکون ہے۔ قانون کی بالادستی ہے۔ ملک محفوظ ہے۔ لوگ خوش ہیں۔ پچھلے کچھ برسوں میں برٹش راج اور ہندوستانی عوام نے بہت ترقی کی ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں اتنا مضبوط اور اتنا سنہرا دور پہلے نہیں آیا۔ اس کے درمیان میں ہندوستان میں علامتی بادشاہت کو مزید برقرار رکھنا ایک مذاق ہو گا۔ دہلی کا شاہی گھرانہ ہر لحاظ سے غیر متعلقہ ہو چکا ہے۔ اس کے جانے پر کوئی مسلمان بھی افسوس نہیں کرے گا"۔ برٹش انڈیا کے گورنر جنرل چارلس کیننگ نے یہ رپورٹ 1856 میں لکھی۔

آخری مغل ولی عہد مرزا فخرو کا انتقال 10 جولائی 1856 کو ہیضے کی وجہ سے ہوا۔ اس سے اگلے روز برٹش ریزیڈنٹ سائمن فریزر بادشاہ سے افسوس کرنے گئے تو بادشاہ نے درخواست کی کہ انہیں اپنی مرضی کا جانشین منتخب کرنے دیا جائے۔ فریزر کے ذہن میں کچھ اور ہی تھا۔

فریزر نے اس سے پہلے گورنر جنرل کو کہا تھا کہ، "کوئی بھی شہزادہ اس قابل نہیں کہ اسے اگلا بادشاہ بنایا جائے۔ نہ ان میں کوئی خوبی ہے اور نہ صلاحیت۔ سوائے خاندانی دولت پر عیش وعشرت کے سوا کچھ کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ مغلیہ خاندان کے اختتام کی تیاری کر لیں جو بہادر شاہ ظفر کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گا اور وہ وقت دور نہیں"۔ گورنر جنرل کیننگ نے فریزر سے اتفاق کیا تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے doctorine of lapse کا طریقہ شروع کیا تھا۔

اس کے مطابق، اگر کوئی مقامی حکمران فوت ہو جائے جس کا کوئی مرد وارث نہ ہو یا حکمرانی کے قابل نہ ہو تو کمپنی اس علاقے پر براہِ راست کنٹرول حاصل کر لے گی۔ سمبل پور، ناگپور، جھانسی، جیت پور اور آرکٹ کی ریاستیں اس طریقے سے برٹش کنٹرول میں آئی تھیں۔ یہ سب بہت چھوٹی ریاستیں تھی لیکن گورنر جنرل نے دہلی کے بارے میں بھی فیصلہ لے لیا تھا کہ تاریخی اور بڑا قدم لینے کا وقت آ گیا ہے۔ اب تین صدیوں سے زیادہ جاری مغلیہ بادشاہت کو ختم کر دینے کا وقت ہے۔ مرزا فخرو کی وفات کے بعد نیا ولی عہد بنانے کی اجازت نہیں دی گئی۔

کیننگ کی یہ خود اعتمادی اس وجہ سے تھی کہ برٹش سرکار کا رابطہ ہندوستانی عوام سے کٹ چکا تھا اور رائے عامہ کا اندازہ نہیں رکھتا تھا۔ دہلی میں یہ پیغام دے دینے کا مطلب یہ تھا کہ مغل خاندان کی رہی سہی کوئی امید بھی دم توڑ گئی۔ یہ وہ غلطی تھی جس کا خمیازہ انہیں جلد ہی بھگتنا پڑنا تھا۔

بہادر شاہ ظفر کو مرزا فخرو کی موت اور برٹش کا اودھ کی ریاست کو براہِ راست کنٹرول میں لے لینے کے بعد مغل خاندان کا اختتام نظر آرہا تھا۔ اکاسی سالہ بادشاہ کی خواہش اب یہی رہ گئی تھی کہ جتنا ان کے پاس ہے، آگے وراثت میں دے جائیں۔ انہوں نے لارڈ ڈلہوزی کو خط لکھا تھا کہ "میری زندگی تو زیادہ نہیں بچی۔ میری خواہش صرف یہ ہے کہ میرے بعد میرے خاندان کو تکالیف کا سامنا نہ ہو"۔ ڈلہوزی نے سیکرٹری کے ذریعے جواب لکھوایا کہ "آپ اپنی زندگی میں بیگمات اور شہزادوں کو جو معیارِ زندگی دے رہے ہیں، وہ اس کے بعد جاری نہیں رہ سکتا"۔

ابراہیم ذوق کو بہادر شاہ ظفر نے استاد مقرر کیا تھا۔ ان کی وفات 1854 میں ہوئی۔ ان کے بعد بادشاہ نے یہ عہدہ مرزا غالب کے پاس آیا۔ غالب دہلی میں مغلوں کے مستقبل کے بارے میں زیادہ پرامید نہیں تھے۔

غالب نے ملکہ وکٹوریا کو ایک خط لکھا جس میں ان کی مدح سرائی کے بعد کہا کہ "آپ ہند کی روایات سے واقف نہیں۔ تاریخ کے عظیم حکمران شاعروں اور نکتہ وروں کا منہ موتیوں سے بھر دیتے تھے، انہیں سونے سے تول دیا کرتے تھے، جاگیریں عطا کرتے تھے۔ اب یہ عظیم حکمران ملکہ وکٹوریا کا فرض ہے کہ غالب کو مہر خوان کا لقب دیں، خلعت عطا کریں۔ اور کچھ نہیں تو اپنے خزانوں میں سے بس ایک تھوڑا سا حصہ دے دیں جس کو انگریزی میں پنشن کہا جاتا ہے"۔

غالب اس خط کے جواب کا انتظار کرتے رہے، اس کا جواب جنوری 1857 میں آ گیا کہ ان کی درخواست پر غور کیا جائے گا۔ نہ مہر خوان کا لقب ملا، نہ جاگیر عطا ہوئی اور نہ پنشن ملی لیکن اس جواب نے اس سب سے زیادہ اہم کام کیا۔ چند ماہ بعد، اس نے غالب کی جان بچا لی۔

غالب کی مایوسی کی ایک وجہ یہ تھی کہ عام دہلی والوں کے برعکس وہ مغربی سائنسی ترقی سے واقف تھے جو انہوں نے کلکتہ میں خود دیکھی تھی۔

سر سید احمد خان مغل شان و شوکت پر لکھ رہے تھے اور اس سلسلے میں انہوں نے آئینِ اکبری کا اردو میں ترجمہ لکھا اور مرزا غالب کو دیباچہ لکھنے کو کہا۔ غالب نے احمد خان کو نہ صرف منع کر دیا بلکہ ساتھ مشورہ دیا کہ یہ بے کار کی کاوش ہے۔ ماضی کو دیکھنا ختم کریں، آنے والے وقت کی فکر کریں۔

ان برطانوی صاحبوں کو دیکھیں۔ یہ ہمارے مشرقی آباء سے بہت آگے بڑھ چکے ہیں۔ ان کے بحری جہازوں نے ہوا اور لہر کی ضرورت ختم کر دی ہے۔" یہ آگ اور بھاپ سے انہیں چلاتے ہیں۔ یہ مضراب کے بغیر موسیقی بجا لیتے ہیں۔ ان کے جادو سے لفظ پرندوں کی طرح ہوا میں اڑتے پھرتے ہیں (ٹیلی

گراف)۔ انہوں نے ہوا میں آگ لگائی ہے۔ بغیر تیل کے چراغوں کے شہر روشن کر دئے ہیں۔ ان کے قوانین نے ہمارے قوانین کو فرسودہ کر دیا ہے۔ پرانے گودام سے تنکے چننے کا کیا فائدہ جب موتیوں کا خزانہ سامنے پڑا ہو۔

اکبر کے آئین کی تعریف اس وقت کرنے کا کیا فائدہ جب نئی دنیا کا آئین کلکتہ میں لکھا جا رہا ہے"۔

ساتھ لگی تصویر مرزا غالب کی۔ یہ ان کی واحد محفوظ تصویر ہے جو ان کے دوست بابو شیو نارائن کے پاس تھی۔ ان کی پڑپوتی سنتوش مدھو رنے اسے پبلک کیا۔

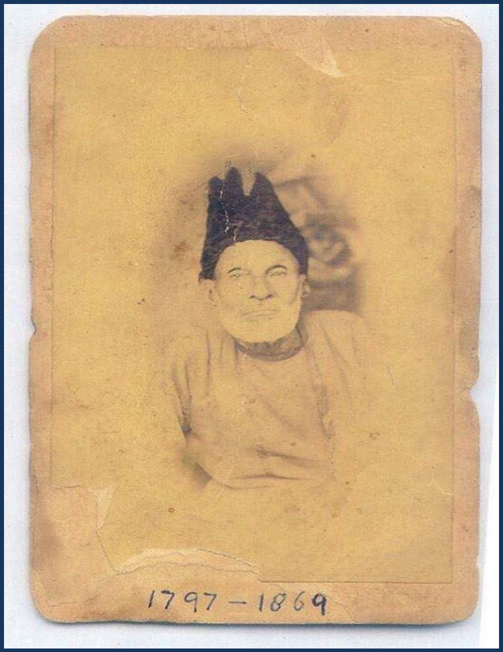

سوالات وجوابات

سوال	Muhammad Raam Singh وکٹوریہ کے خط نے غالب کی جان کیسے بچائی؟
جواب	جب غالب کو گرفتار کیا گیا تو انہوں نے اسے ثبوت کے طور پر دکھایا کہ ان کی برٹش سرکار سے خط و کتابت تھی۔ یہ ان کی وفاداری کا ثبوت بن گیا اور ان کی جان بچ گئی۔ (تفصیلات آئندہ کی قسط میں)
سوال	**Abdul Mohsin** ۔ سر اس دوران مغلیہ سلطنت کی باقاعدہ فوج موجود نہیں تھی کیا؟

جواب	مغلوں کے پاس آرمی کا سٹرکچر اکبر کے زمانے سے کچھ یوں تھا کہ ان کی اپنی سٹینڈنگ آرمی بہت مختصر تھی۔منگول نظام کو چھوڑ کر اکبر نے منصب داری کا نظام متعارف کروایا تھا۔جاگیر دار، نواب یا معززین اپنے یونٹ بناتے اور رکھتے تھے اور مغل دربار سے انہیں اس کی تعداد کے حساب سے خطاب دیا جاتا تھا۔ایسے چھیاسٹھ عہدے تھے۔مثلاً، امیر الکبیر وہ منصب دار تھا جس کے ایک ہزار سے زیادہ بندے ہوتے تھے۔بندوں اور گھوڑوں کا تناسب بھی برقرار رکھنا ہوتا تھا۔رجیمنٹ وغیرہ والا سٹرکچر نہیں تھا۔
سوال	**Shoaib Nazir** غالب کو دیکھ کر یہی لگا۔۔۔بندہ جتنالائق ہو پیٹ بہت بڑا مسئلہ ہے۔۔۔۔ **Asadimran Shah** غالب بہت قناعت پسند وانا پرست تھا. بہادر شاہ ظفر کے دربار سے بھی اتناہی لیا کہ دال روٹی چلتی رہے. ملکہ سے بھی آخری فرمائیش پنشن کی ہی کی تھی جو ساٹھ سال سے زیادہ عمر کے بے اولاد بڈھے کا حکمران سے حق بنتا ہے.
جواب	عام طور پر سائنس اور آرٹ کو Sacred اور پیسے کو Profane سمجھا جاتا ہے کسی حد تک درست بھی ہے لیکن یہ دونوں بالکل الگ بھی نہیں رہ سکتے۔ آرٹ اور سائنس کے زندہ رہنے کے لئے آرٹسٹ اور سائنسدان نے بھی زندہ رہنا ہے۔
سوال	**Shoaib Nazir** سر یہ جوٹرمز یوز کی ہیں ان کا مطلب کیا ہے ؟۔
جواب	استاد بچوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرتے ہیں۔ سکول نے فیس بڑھادی ہے۔ پہلے کو ہم مقدس شمار کرتے ہیں، دوسرے کو بازاری (الفاظ نہ ملنے کی وجہ سے یہ استعمال کیا ہے)۔پہلے کو تقدیس ملتی ہے، دوسرے پر تنقید ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک بزنس ٹرانزیکشن ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ پہلا کام اور دوسرا کام مکمل طور پر الگ نہیں رہ سکتے۔کوئی فنکار، شاعر، سائنسدان، استاد، فوجی، کھلاڑی، فلسفی۔۔۔اگر اپنے فن سے زندگی نہ چلا سکے، تو یہ پیشہ بھی نہیں رہے گا
سوال	Farman Hussain سر کیا بلوچستان پے بھی بریٹش راج کی حکومت تھی؟
جواب	جی۔برٹش انڈیا کا 1947 سے قبل کا نقشہ ساتھ لگا ہے۔زرد میں وہ علاقے ہیں جہاں برٹش کی براہِ راست حکومت تھی۔جبکہ سرخ میں جو نوابی ریاستیں تھی۔ایسی 565 ریاستیں اور ہزاروں جاگیریں موجود تھی۔یہ برٹش کے ماتحت نیم خود مختار تھیں۔بلوچستان میں قلات، خاران، لسبیلہ، مکران ایسی ریاستیں تھیں۔ان کے سردار اگرچہ اپنے علاقوں کے حاکم تھے لیکن وائسرائے کے زیرِ نگیں تھے۔۔

سوال	**Asir Asir** .. اس زمانے کا شاید یہی دستور ہو لیکن غالب کا ملکہ کی چاپلوسی کرتے پڑھ کر بہت افسوس ہوا تعلی کرتے غالب کا تصور اور پینشن کے لیے منت ترلہ کرتا ہوا غالب... افسوس
جواب	پنشن کے لئے حکومت کو درخواست دینے کا اور کیا طریقہ مناسب تھا؟
سوال	**Khateeb Ahmed Bhatti** غالب نے سر سید کو تو آگے کی طرف دیکھنے کا کہہ دیا مگر خود صرف لفاظی اور ندرت خیال تک محدود رہا۔ حالانکہ وہ جینئیس تھا، بدلتے دور کے حساب سے اسے معاشرے کی بہتری کیلیے بھی کچھ کرنا چاہیے تھا۔
جواب	**Zahid Arain** بھئی اس کے لیئے بس اتنا سمجھنا کافی ہے کہ مہ خور بند ابس اتنا کچھ ہی تو کر سکتا تھا
سوال	**Janbaz Sipahi** لاجواب تحریر سر کبھی تقسیم ہند کے بارے میں بھی لکھ دیجیے انڈیا میں جتنے بھی مسلم اکثریتی علاقے ہیں وہ انڈیا کو کیوں دیے گئے اور بنگال جس کا پاکستان کے ساتھ زمینی راستہ تک نہیں تھا اسے پاکستان میں شامل کیا گیا۔ امید ہے آپ رہنمائی فرمائینگے
جواب	تقسیم کا اصول محض مذہبی اکثریت نہیں تھا۔ اس کو مقامی طور پر طے ہونا تھا اور ہر جگہ پر اس کے لئے الگ اصول طے کی قسمت کا فیصلہ کئے گئے تھے۔ مثال کے طور پر اس وقت کے NWFP ریفرنڈم سے ہوا اور یہ پاکستان کا حصہ بنا۔ اسی طرح اگر بہاولپور کے نواب پاکستان کے بجائے ہندوستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کر لیتے تو یہ صوبہ ہندوستان کا ہوتا
سوال	**Janbaz Sipahi** مطلب NWFP کے لوگوں نے انڈیا کو بھی ووٹ دیے تھے جان کر بہت افسوس ہوا۔ سر برائے مہربانی ریفرنڈم کے طریقہ کار کے متعلق تھوڑا سمجھا دیجیے یہ جو آج کل ہمارے ہاں ووٹنگ ہوتا ہے اسطرح ووٹنگ ہوا تھا یا کچھ اور طریقہ تھا۔
جواب	ریفرنڈم میں اصل مسئلہ انڈیا کے ساتھ الحاق نہیں تھا بلکہ یہ کہ بیلٹ پر انتخاب کیا ہونا چاہیے۔ انڈیا کے ساتھ الحاق اور پاکستان کے ساتھ الحاق۔ یہ دو چوائسز تھیں۔ جو تنازعہ تھا، وہ یہ کہ افغانستان کے ساتھ الحاق کی چوائس بھی ہونی چاہیے یا پھر آزادی کی۔ برٹش سرکار سے اس مطالبے کو مسترد کر دیا۔ مسلم لیگ کا گڑھ شہری علاقے اور ہزارہ تھا۔ یہاں سے آسانی سے پاکستان کے ساتھ الحاق کے لئے ووٹ مل گئے۔ پاکستان کا اس جگہ پر مسئلہ چلتا رہا ہے۔ افغانستان اور پاکستان کے تعلقات کی تاریخ ہمیشہ تلخ رہی ہے۔ پاکستان کی مغربی سرحد کا مسئلہ برٹش روس گریٹ گیم سے چلتا آیا ہے اور پاکستان کو پیدائش کے ساتھ ورثے میں ملا۔ اگر بالفرض بڑی تعداد نے انڈیا کے حق میں ووٹ دئے ہوتے اور آج پاکستان میں ہم آہنگی سے رہ رہے ہوتے تو یہ شرمندگی کی نہیں، فخر کی بات اور پاکستان کے لئے بڑی کامیابی کہلاتی۔

سوال	**محمد جان** سر، "برٹش روس گریٹ گیم" یہ الفاظ میرے لئے بالکل نئے ہیں۔ آپکی رہنمائی درکار ہیں
جواب	انیسویں صدی میں برٹش کو انڈیا کے دفاع کے لئے روس سے خطرہ تھا جبکہ روس کو خوف تھا کہ پھیلتی ہوئی برٹش سلطنت روس تک نہ پہنچ جائے۔ اس کے لئے بہت کچھ کیا گیا۔ تاریخ کا یہ باب گریٹ گیم کہلاتا ہے۔ https://en.wikipedia.org/wiki/The_Great_Game
سوال	**Muhammad Ali Umair** اور بہت سے مؤرخیں کا کہنا یہ بھی ہے کہ توسم اسی گریٹ گیم کا حصہ تھی۔۔۔ اور بیت کے حالات بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔۔۔
جواب	توسم؟
سوال	**Muhammad Imran Khattana** سر آپ غالب کو جہاندیدہ شخص کہیں گے یا ابن الوقت؟؟
جواب	ہندوستان کی تاریخ میں غالب جیسے genius بہت کم ہیں۔

9۔ طوفان کی آمد

دہلی کی جامعہ مسجد کے دروازے پر 18 مارچ 1857 کو ایک پوسٹر چسپاں تھا۔ ایک ننگی تلوار اور ڈھال بنی تھی، جس کے ساتھ لکھا تھا کہ یہ شاہِ ایران کی طرف سے آنے والا پیغام ہے۔ فارس میں برطانوی فوج کو عبرت ناک شکست ہوئی ہے اور فارسی فوج افغانستان میں ہے۔ ہرات سے اب سرحد کی طرف بڑھ رہی ہے اور دہلی کو کرسچن حکمرانی سے آزاد کروائے گی۔ پانچ سو ایرانی پہلے ہی بھیس بدل کر دہلی میں موجود ہیں اور نو سو فوجی مزید بڑھ رہے ہیں۔ اور دہلی کے مسلمان کرسچن حکمرانوں کی مدد سے باز رہیں۔

تین گھنٹے تک یہ پوسٹر مسجد کے دروازے پر لگا رہا اور بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا۔ چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں تھیں۔ تھیومیٹکاف نے یہ پوسٹر پھاڑ دیا۔ اگلے روز سراج الاخبار میں اس پوسٹر کی خبر پورے صفحے پر شائع ہوئی۔ ساتھ لکھا تھا کہ کیا یہ اصل ہے؟ شہر میں افواہیں گرم ہو چکی تھیں۔ "روسی فوج ہندوستان پر حملہ کر چکی ہے"، "مدراس میں کفار کے خلاف فتویٰ دیا جا چکا ہے"، اصل اور نقل خبریں بازاروں میں پھیلنے لگیں۔ دہلی افواہوں کی زد میں تھا۔ سب سے اہم اصل خبر بنگال آرمی کی انگریزوں کے خلاف بیرک پور اور برہم پور میں اٹھنے والی بے چینی کی تھی۔

فروری 1856 میں کمپنی نے ایک نیا کام کیا۔ اودھ کی بڑی اور امیر ریاست کے نواب کو نااہل کہہ کر برطرف کر دیا گیا اور ریاست کا نظام سنبھال لیا۔ اودھ کے نواب ایسٹ انڈیا کمپنی کے دوست رہے تھے۔ اگرچہ نواب کی نااہلی کو جواز بنایا گیا تھا اور "اودھ بلیو بک" شائع کی گئی تھی کہ نواب کی اخلاقی اور مالیاتی کرپشن کی وجہ سے ریاست کتنے جرائم اور مصائب کا شکار ہے۔ اس میں کسی کو شک نہ تھا کہ اصل وجہ کرپشن نہیں، لکھنو کی دولت پر قبضہ تھا۔ نواب بالکل بھی پسند نہیں کئے جاتے تھے، اور اس نے اس کارروائی کا جواز دے دیا تھا۔ نہ صرف اودھ کے محصولات پر قبضہ کیا گیا بلکہ اس سے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت بھی کمایا گیا۔

مرزا غالب نے اس پر لکھا تھا کہ "اگرچہ میں اودھ کے معاملات سے اجنبی ہوں لیکن اس ریاست کے ساتھ جو کیا گیا، میں اس پر اداس ہوں اور شاید ہی کوئی ہندوستانی ہو، جو اسے ناانصافی نہ سمجھتا ہو"۔

اودھ کو برٹش راج کا حصہ بنا لینے کے بعد برٹش فوج کے سپاہیوں کی آمدنی کم ہو گئی۔

General Service Enlistment Act جاری کر دیا گیا جو غیر مقبول تھا اس میں سپاہیوں کے لئے سمندر پار کرنے کو تیار رہنے کی شرط بھی تھی۔ اونچی ذات کے ہندو یہ مذہباً نہیں کر سکتے تھے۔ "یہ ہمارا دھرم چھین لینا چاہتے ہیں" یہ خوف نمایاں ہو رہا تھا۔

نچلی ذات کے ہندوؤں کی بھرتی زیادہ تیزی سے کی جا رہی تھی اور پروموشن جلد مل رہی تھی۔ کمپنی کا کہنا تھا کہ یہ لوگ اونچی ذات والوں کی طرح تنگ نہیں کرتے اور نہ ہی مذہبی معاملات میں زیادہ حساس ہیں۔ یہ زیادہ کارآمد سپاہی ہیں۔

این فیلڈ رائفل فوج میں متعارف کروائی گئی۔ اس کو گریس دینی پڑتی تھی اور یہاں یہ افواہ پھیلی کہ یہ گریس سور اور گائے کی چربی سے بنائی گئی ہے (اور شاید یہ افواہ ابتدائی طور پر درست تھی)۔

یہ وہ پس منظر تھا جب بنگال میں بیرک پور میں 29 مارچ 1857 کو ایک سپاہی منگل پانڈے نے اپنے برٹش افسروں پر گولی چلا کر انہیں زخمی کر دیا۔ منگل پانڈے کو فوری پھانسی دے دی گئی۔ جلد ہی انبالہ میں گڑبڑ شروع ہوئی۔ اپریل کے آخر پر یہ میرٹھ تک پھیل چکی تھی جہاں پر تھرڈ لائٹ انفینٹری نے گولیاں چلانے سے انکار کر دیا۔ صوبیدار میجر منصور علی نے حکم عدولی کرنے پر پچاسی سپاہیوں کو دس سال قید کی سزا دے دی۔ لیکن ہنگامے میرٹھ بازار تک پھیل گئے تھے۔

دس مئی 1857 دہلی میں ایک گرم اور گرد آلود دن تھا۔ ٹیلی گراف سے میرٹھ میں ہونے والے ہنگاموں کی خبر دہلی تک پہنچ گئی تھی۔ چار بجے دہلی اور میرٹھ کا ٹیلی گراف رابطہ ٹوٹ گیا۔ اس سے پہلے دہلی کے کمشنر فریزر تک ایک ٹیلی گرام پہنچا تھا لیکن اس وقت وہ جلدی میں تھے۔ اگلے روز انہیں یہ صفحہ کھولنا یاد آیا۔ ناشتے پر انہوں نے اسے پڑھا۔ یہ ایک وارننگ تھی۔ میرٹھ کے سپاہیوں نے اپنی کمانڈ کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ اتوار کی شام انہوں نے کرسچن آبادی کو قتل کر دینے کا منصوبہ بنایا تھا۔ فریزر خوفزدہ ہو کر اٹھے اور اپنے لئے بگھی منگوائی تا کہ فوری طور پر کچھ کیا جائے لیکن فریزر کے لئے بہت دیر ہو چکی تھی۔ ان کی زندگی کے دن پورے ہو گئے تھے۔

میرٹھ کے سپاہی نہ صرف اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور قتلِ عام کیا تھا بلکہ وہ رات بھر سفر کرتے ہوئے دہلی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ عین اس وقت وہ دہلی کے قریب کشتیوں کا پل پار کر رہے تھے کہ وہ دہلی میں داخل ہو سکیں۔

انہیں اپنے بادشاہ کے پاس پہنچنا تھا۔ میرٹھ کے سپاہیوں کو مغلیہ دور واپس چاہیے تھا۔ بہادر شاہ ظفر کو ابھی اس کا علم نہیں تھا لیکن انقلاب شروع ہو چکا تھا اور وہ اس کے سربراہ تھے۔

ساتھ لگی تصویر منگل پانڈے کا سکیچ ہے۔ منگل پانڈے کی بنگال میں چلائی گئی گولی اس انقلاب کا آغاز تھا۔ یہ چلانے کے پیچھے ان کی سوچ کیا تھی؟ اس پر کنفیوژن ہے۔ اپنے کورٹ مارشل میں انہوں نے کہا کہ اس روز انہوں نے افیم اور بھنگ پی تھی اور حواس میں نہیں تھے۔ یہ غالباً دفاع کے لئے کہا گیا تھا لیکن اس سے قطع نظر، منگل پانڈے بنگال میں ہیرو سمجھے جاتے ہیں۔ جس جگہ پر انہوں نے گولی چلائی اور انہیں پھانسی دی گئی، اس کا نام شہید منگل پانڈے ماہااودیان ہے۔ ان کی یادگار تعمیر کی گئی ہے۔ ان کی یاد میں ٹکٹ جاری کیا گیا تھا۔ ان پر کئی فلمیں بن چکی ہی

سوالات وجوابات

سوال	**Adnan Muhayyudin** کوئی مرکزی کمان نہ ہونا بھی شاید 1857 میں ہندوستانی فوج کی ناکامی کا باعث بنی۔ میر النقطہء نظر یہ بھی ہے کہ اگر برٹش یہاں اتنا عرصہ نہ رہتے تو شاید ہندوستان میں تیز رفتار صنعتی ترقی نہ ہو سکتی۔ اس دور کا شاہی، نوابی اور راجے مہاراجوں کا سیاسی نظام زات پات کے معاشرتی نظام کی بدولت ناکارہ ہو رہا تھا۔ افسوس کے ساتھ حیرت بھی ہے کہ سولہویں سے انیسویں صدی کے درمیان برصغیر کے کسی قابلِ ذکر سائنسی عالم یا فلسفی کا تذکرہ کہیں نہیں ملتا۔ وہ ماحول شاہد علم کے پنپنے کا تھا ہی نہیں۔
جواب	اگرچہ انڈین قوم پرست یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہندوستان ایک یونٹ تھا اور ان میں سے شدت پسند (جو بہت ہی کم تعداد میں ہیں) یہ بھی کہتے ہیں کہ پاکستان کی تقسیم ہندوستان کا بٹوارا تھی۔ حقیقتاً، تاریخی اعتبار سے ہندوستان ایک سیاسی یونٹ نہیں رہا۔

	برٹش انڈیا انگریزوں کی بنائی گئی سیاسی تقسیم تھی۔ مثلاً، اگر وہ اس میں برما کو بھی شامل کر دیتے (جو کچھ عرصے تک کیا بھی) تو یہ سب انڈیا ہوتا۔ اس میں مرکزی کمان ہونا ممکن نہیں تھا کیونکہ سیاسی لحاظ سے یہ متحارب راجدھانیوں کا ایک برِاعظم تھا۔ اس خطے کا سیاسی آرڈر اپنے وقت کے لحاظ سے ناکارہ ہو رہا تھا۔ اگر برٹش نہ آتے تو کوئی اور آ جاتا۔ اور اگر نہ آتا تو راجے، نواب، بادشاہ، خان، جاگیر دار کتنا عرصہ مزید چلتے؟ پتا نہیں لیکن شاید زیادہ عرصہ نکال لیتے
سوال	**Asadimran Shah** جی اسی لیے ہندو قوم پرستوں کی طرف سے ہندوستان کی تقسیم کو گاوءماتا کی تقسیم اور اسکو ایک یونٹ کے طور پر چھوڑ کر جانے کا مطالبہ غیر حقیقی تھا. اگر پاکستان ہندوستان کی تقسیم نہ ہوتی اور انکے آپس کے جھگڑے نہ ہوتے تو بہت ممکن تھا کہ مشرقی, جنوبی یا مغربی ہنوستانی علاقے علیحدگی کی کوششیں کرتے رہتے جیسا کہ تاریخ میں ہوتا رہا کہ ان علاقوں کو بزور طاقت ہی دہلی کے ساتھ منسلک رکھا جاتا رہا۔ **Tabish Anjum** بٹوارہ صرف پنجاب کا ہوا، اور اسطرح خون کی ندیاں بہائی گئیں cleansing کی گئی کی پنجاب دوبارہ اکٹھا نہ ہو سکے۔ اور مذہبی تقسیم مزید پختہ بنانے کیلیئے واہگہ اور گنڈا سنگھ والا بارڈر پہ روز شو لگایا جاتا ہے **Tabish Anjum** انگریز سرکار کسی حد تک منقسم ہندوستان ہی چھوڑ کر گئی تھی یہ تو ولبھ بھائی پٹیل کی سیاسی اور عسکری حکمتِ عملی کی وجہ سے انڈیا متحد ہو سکا۔ ایک خود مختار ریاست حیدرآباد تو ایک بڑے ملک جتنی تھی، اسکے علاوہ کشمیر، جونا گڑھ اور موجودہ کیرالہ کو بھی فوجی کارروائی سے ساتھ ملایا، بعد ازاں گووا، پونڈیچری اور سکم کا بھی الحاق کر لیا گیا
جواب	برٹش دور کے قائم کردہ صوبوں میں بنگال کا بھی بٹوارہ ہوا۔ سندھ کا اس سے کچھ عرصہ پہلے ہی ہو چکا تھا۔ (یہ صوبے یا کسی بھی اور نوعیت کی سیاسی تنظیمیں بھی اٹل حقیقتیں نہیں، تاریخ میں بھی مسلسل بدلتے رہے ہیں)۔ تقسیمِ ہند کے بعد جس طرح پنجاب میں قتل و غارت ہوئی، ویسے ہی بنگال میں بھی۔ پاکستان نے بھی چند ریاستوں کو بزورِ قوت ساتھ ملایا، ہندوستان نے بھی۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان کی حکمتِ عملی کچھ جگہوں پر زیادہ کامیاب رہی۔
سوال	**Tabish Anjum** لیکن بنگال کی تقسیم غالباً 1905 میں ہوئی تھی لہٰذا 1947 میں وہاں خون خرابا پنجاب سے کم ہوا، سندھ صوبہ تو الگ ہی تھا مگر بمبئی پریزیڈنسی کے زیرِ انتظام تھا **Asadimran Shah** جن ریاستوں پر انگریزوں کی مکمل حکومت نہیں تھی وہ معاہدے کے تحت زیر کنٹرول تھیں انکو کیسے ہندوستان پاکستان میں شامل کر دیتے. اگر ہمارا مزاج جمہوری اور قانونی ہوتا تو ان ریاستوں کو آزاد رہنے دیتے اور ہمسایےء کی طرح ساتھ رکھتے

جواب	بنگال کی تقسیم اور سرحد کا معاملہ پنجاب سے زیادہ پیچیدہ رہا۔ سلہٹ بنگہ دیش کا حصہ بنا، اگرچہ وہ اس سے پہلے اس کا حصہ نہیں تھا۔ یہ جون میں فیصلہ ہوا تھا کہ بنگال یونائیٹڈ نہیں رہے گا اور تقسیم ہو گا۔ کئی جگہوں پر سرحدیں خاصی عجیب کھینچی گئیں جن میں تسلسل نہیں تھا۔ روہنگیا کا مسئلہ، تری پورہ کی بغاوت کا تعلق بھی تقسیم سے رہا ہے۔ تقسیم کرنے کا کوئی بھی اچھا فارمولا نہیں تھا۔ (اور نہ ہی تقسیم نہ کرنے کا)۔ ایک pragmatic اور عمومی طور پر قابلِ قبول طریقہ تھا جو اپنایا گیا۔ بنیادی مسئلہ کیا ہے؟ دنیا میں ممالک، ریاستیں، علاقے، یہ اٹل نیچرل آرڈر تو ہے ہی نہیں۔ پوری دنیا کی تمام سرحدیں تلوار اور بندوق کے زور پر قائم ہوئی ہیں۔ کسی جگہ پر کسی کا "حق" نہیں ہے۔ عمومی اتفاق رہے تو کام چلتا رہتا ہے، ورنہ نہیں
سوال	**Shabbir Ahmad** منگل پانڈے، بھگت سنگھ اور ایسے مزید کردار جو تقسیم ہند (آزادی) کی وجہ بنے۔ کیا مسلمانوں میں بھی ایسا کوئی باغی کردار تھا جس کے عمل نے کسی علاقائی تحریک کو جنم دیا ہو؟ ہمیں آج تک غیر مسلموں کی کاوشوں کو قصداً پڑھایا نہیں گیا اور بذات خود تحقیق سے دوری نے تاریخ کے مطالعہ کی توفیق نہ دی **Tabish Anjum** رائے احمد خان کھرل ایک باغی کردار تھے، اور ہمیں غیر مسلم کاوشوں کو اس لئے نہیں پڑھایا جاتا کہ اربابِ اختیار کے تیئں اس سے پاکستان کی اساس کمزور ہو جاتی ہے، ہمیں تو سکولوں میں تاریخ بھی محمد بن قاسم سے پڑھائی جاتی ہے اس سے پہلے کی ہزاروں سال کی تاریخ بھلا دی جاتی ہے تا کہ بچوں کا ایمان مضبوط ہو **Asadimran Shah** ہندوستان کی آزادی میں منگل پانڈے اور بھگت سنگھ جیسے کرداروں کا کوئ خاص حصہ نہیں, ان تحریکوں کو انگریزوں نے مکمل طور پر ختم کر دیا تھا. ہندوستان سیاسی و قانونی جدوجہد سے آزاد ہوا. پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں پڑنے والا معاشی بوجھ بھی اسکی وجہ بنا **Muhammad Farooq Ashraf Gill** بھائی بھگت سنگھ نے آزادی کی تحریک دلائی تھی ساری عوام میں _ پاکستان کے لوگ عمر مختار کو ہیرو مانتے لیکن بھگت سنگھ کو نہیں. **Shabbir Ahmad** بھگت سنگھ کو 1931 میں پھانسی دی گئی اور آزادی کی تحریک میں ایک نمایاں کردار کے طور پر جانا جاتا ہے میرا سوال مسلم باغی کرداروں کا ہے جن کی بدولت آزادی کی تحریکیں قائم رہی اور پھر آزادی ملی
جواب	جو تحریکیں کامیاب رہیں، وہ بالآخر کانگریس اور مسلم لیگ تھیں۔ ان کا طریقہ ڈنڈے، تلوار اور گولی والا نہیں تھا۔ انہوں نے سیاسی پارٹی، ووٹ، احتجاج، مذاکرات والا طریقہ اپنایا تھا

سوال	**Shabbir Ahmad** سر میرا سوال صرف باغی کرداروں پہ تھا کیوں کہ شرق وغرب کے مسلم اکثریتی علاقوں کے حصول کے لیے سیاسی تحریکوں کے علاوہ ہماری نصاب میں کسی مسلم باغی کردار کا تذکرہ نہیں ہے
جواب	سیاسی تحریکیں اور طریقہ کامیاب رہا۔ اکا دکا ہتھیار اٹھانے والے نہیں۔ نصاب کی کتابوں میں ان کامیاب لوگوں کا ہی ذکر ہو گا، نہ کہ منگل پانڈے جیسے حادثاتی ہیروز کا۔
سوال	**Tanveer Ahmed** بہت خوب۔ سر 1857 میں 139000 بنگالی فوجیوں میں سے 132000 سے زائد نے بغاوت کی. تعداد کے اعتبار سے اتنی موثر بغاوت بغیر کسی مرکزی رہنما کے کیسے ہو پائی جبکہ یہ فوجی ایک دوسرے سے ہزاروں میل دور تھے ؟
جواب	برٹش فوجی افسروں کے خلاف ناراضگی widespread تھی۔ تنخواہ ایک بڑا مسئلہ تھا۔ ایک بار خبر پھیل گئی کہ بغاوت ہو چکی ہے تو یہ بہت جلد پھیل گئی۔
سوال	**Afaq Ahmed** Sir Wahara Umbakar do you believe that nation play an important role i m a soldier and a bengali man said our d.n.a is not designed for slavery we are not like pathan or panjabi. We kicked out british from india.
جواب	نہیں۔ اس کا ڈی این اے سے تعلق نہیں۔ تاہم مختلف علاقوں کے اپنے کلچر ہوتے ہیں
سوال	**Nabeel Ahmed** Kia nepal or Bhutan tab be azad ta ya British ka un pr be qabza ta
جواب	نیپال کے علاقے پر 1813 سے 1815 کے دوران ایسٹ انڈیا کمپنی نے قبضہ حاصل کیا تھا۔ بھوٹان برٹش انڈیا کی نوابی ریاست تھی۔
سوال	**Asadimran Shah** یعنی بھوٹان کبھی غلام نہیں بنا
جواب	بھوٹان برٹش انڈیا اور چین کے درمیان ایک پرنسلی سٹیٹ تھی۔ ویسا جیسا کہ سکم۔ برٹش انڈیا اور چین کے تنازعے میں یہ بفر سٹیٹ تھی۔ انڈیا نے آزادی کے ساتھ ہی اسے الگ ریاست تسلیم کر لیا جس نے چین اور انڈیا کے بیچ ایک ممکنہ خاصا تلخ سرحدی تنازعہ بچا لیا۔
سوال	**Tabish Anjum** سکم پر انڈیا کے قبضے کے خلاف چین نے مزاحمت کیوں نہیں کی؟
جواب	سکم کو چین نے انڈیا کا حصہ 2003 میں تسلیم کیا۔ یہ quid pro quo تھا۔ انڈیا نے تبت کو چین کا حصہ تسلیم کر لیا اور یہ پرانا قضیہ طے ہو گیا
سوال	**Tariq Ahmad Awan** kya Tibet or ladakh do alag alag ilaqein hen ?

جواب	جی، یہ الگ ہیں۔ لداخ بہت کم آبادی رکھنے والا علاقہ ہے اور اس کا کچھ علاقہ پاکستان میں ہے (بڑا شہر سکردو ہے)، کچھ انڈیا میں۔ کچھ چین میں (اکسائی چن)۔ تبت چین میں ہے۔ ساتھ کے نقشے سے شاید کچھ واضح ہو جائے
سوال	**Shahid Hussain** Sir please describe in Urdu the deferences between east India company and British raaj (in lakhnao you claim it was not company)
جواب	ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت 1858 تک رہی۔ اس جنگ کے بعد جو نتائج نکلے ان میں سے ایک یہ تھا کہ برٹش پارلیمنٹ نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے انڈیا کو براہِ راست اپنی حکومت میں کنٹرول میں لے لیا۔

10۔ تلوار کی کاٹ

سوموار کا دن تھا۔ عیسوی کیلنڈر میں 11 مئی 1857 جبکہ ہجری کیلنڈر میں سولہ رمضان۔ دہلی میں رمضان میں شہر کی زندگی بدل جایا کرتی تھی۔ دہلی کی بدترین گرمی کا دن تھا۔ دہلی کے مسلمان خاندان سحری سویوں سے کرنا پسند کرتے تھے اور سحری کا وقت ختم ہونے کا اعلان لال قلعے سے توپ سے فائر کئے جانے والے گولے سے ہوا کرتا تھا۔

صبح سات بجے بہادر شاہ ظفر لاٹھی کا سہارا لئے تسبیح خانے سے دریا کا نظارہ کر رہے تھے کہ انہیں جمنا کے پاس دھواں اٹھتا نظر آیا۔ انہوں نے پالکی بردار کو آواز دی کہ وہ فٹافٹ جا کر معلوم کریں کہ ماجرا کیا ہے۔ جلد ہی خبر مل گئی کہ یہ انقلابی تھے جنہوں نے دریا پر محصول چونگی کو آگ لگا دی تھی۔ سب سے پہلے مارے جانے والوں میں چونگی لینے والے اور پھر ٹیلی گراف آفس کے مینیجر چارلس ٹوڈ تھے جو پتا لگانے اس جانب گئے تھے۔ ظفر نے حکم دیا کہ شہر کے دروازے بند کر دئے جائیں اور اگر دیر نہیں ہو گئی تو پل توڑ دیا جائے۔

لیکن پانچ سو سوار شہر کے اندر پہنچ چکے تھے۔

\---------------

تھیومیٹکاف کی اس روز چھ ماہ کی چھٹی شروع ہو رہی تھی جو انہوں نے کشمیر میں گزارنی تھی۔ اس روز مرنے والوں میں وہ شامل نہیں تھے۔ اور چھپ کر شہر سے بھاگ کر جان بچالی تھی۔ فریزر، پادری جیننگز اور دو مشہور کنورٹ سمیت اس روز کسی کو نہیں بخشا گیا۔ اس بغاوت میں انگریز مسلمانوں کو نہیں چھیڑا۔ عبداللہ بیگ ایک برٹش تھے جو مسلمان ہوئے تھے، نہ صرف انہیں کچھ کہا نہیں گیا بلکہ وہ اس میں انقلابیوں کا ساتھ دیتے رہے۔ سارجنٹ میجر گورڈن، چونکہ مسلمان ہو چکے تھے، انہیں کچھ نہیں کہا گیا۔

انقلابیوں کی حمایت طبقاتی بنیادوں پر بھی تھی۔ مزدور اور کپڑا ساز اس کے پرجوش حامی رہے۔ دہلی کی اشرافیہ منقسم تھی۔ عبداللطیف کا کہنا تھا کہ "تمام مذہبی تعلیمات کو نظر انداز کیا گیا۔ عورتوں اور بچوں کو بھی نہیں چھوڑا گیا"۔ غالب نے اپنی ناپسندیدگی لکھی، "مجھے ان بچوں پر ترس آتا ہے جو خون کے سمندر کے بھنور کا حصہ بن گئے"۔

ظہیر دہلوی لکھتے ہیں، "کرتے اور دھوتیوں میں ملبوس تین چار افراد کو دیکھا۔ تلواریں اڑسی ہوئی، پیپل کے درخت تلے کھڑے پوریاں اور مٹھائی کھا رہے تھے۔ میں آگے چل دیا۔ یہاں پر ایک بڑا پہلوان نما شخص نظر آیا جس نے بڑی لاٹھی کاندھے پر اٹھا رکھی تھی اور اس کے پیچھے بھی ویسے ہی حلیے

والے کئی لوگ تھے۔ یہ سب دیکھنے میں بدمعاش لگ رہے تھے۔ انہوں نے شہر کی مشعلیں ڈنڈے مار کر توڑ دیں۔ ایک نے ہنس کر دوسرے کو بتایا کہ میں نے ابھی ایک کافر مارا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے کپڑے کی دکان کا تالا توڑا اور میں وہاں سے بھاگ گیا۔ کوتوالی کے قریب دکانیں لوٹی جا رہی تھیں۔ بینک لوٹ لیا گیا۔ برسفورڈ کے خاندان کو عورتوں اور بچوں سمیت مار دیا۔ دہلی کے لفنگے، چمار، دھوبی، نائی، قصائی، کاغذی گلی سے کاغذ بنانے والے، جیب کترے، پہلوان اور بدمعاش بھی ان کے ساتھ مل گئے تھے۔ شہر کے شرفاء گھروں میں تالے لگا کر بیٹھے تھے۔ کسی کو نہیں پتا تھا کہ ہو کیا رہا ہے۔ ایک گھنٹے میں چودہ لاکھ روپیہ لوٹا گیا ہو گا۔ چاندنی چوک کے پاس فساد چل رہا تھا۔ خون دریا کی طرح بہہ رہا تھا۔ محل کے دروازے کے قریب پچاس سوار نظر آئے۔ انگریزی کی کتابیں پھاڑ کر صفحے اڑا رہے تھے"۔

کچھ کو لوٹا گیا کہ وہ برٹش حکومت کے ساتھ تھے۔ کچھ کو اس لئے کہ وہ امیر تھے۔

دہلی اردو اخبار میں محمد باقر نے خبر لگائی کہ "یہ انگریز پر خدا کا قہر نازل ہوا ہے۔ جب انقلابی سپاہی یہاں آ رہے تھے تو کہتے ہیں کہ ان کے آگے اونٹنیاں تھیں جس میں سبز پوش سوار تھے۔ یہ غیبی مدد تھی۔ انہیں جہاں انگریز ملے، ان کو قتل کیا۔ بے شک اللہ تکبر کو پسند نہیں کرتا۔ ان پر اتنی کاری ضرب اسی گناہ کا نتیجہ ہے"۔

شام تک دہلی شہر میں رہنے والے برٹش کا بڑے پیمانے پر صفایا ہو چکا تھا۔ یا موت کے گھاٹ اتارے جا چکے تھے یا دہلی چھوڑ چکے تھے۔

شاہی محل کے لئے یہ بیرونی حملہ آور تھے۔ اس سے پہلے جب لال قلعے میں اس طریقے سے بغیر اجازت کوئی مسلح گروہ داخل ہوا تھا، وہ غلام قادر رہیلہ تھے جنہوں نے اس طریقے سے دہلی میں گھس کر 1783 میں مغل بادشاہ کو باندھ کر ان کی آنکھیں نکال دی تھیں۔ بہادر شاہ ظفر اس وقت آٹھ برس کے تھے۔ اور اب باہر سے آنے والے سینکڑوں سپاہی بغیر جوتے اتارے شاہی محل میں پھر رہے تھے۔ اپنے گھوڑے بادشاہ کے پسندیدہ باغ میں باندھے ہوئے تھے۔ بادشاہ سے ملاقات کا تقاضا کر رہے تھے۔

چار بجے بادشاہ دیوانِ خاص میں آئے اور سپاہیوں کو شور کم کرنے کو کہا اور کہا کہ وہ اپنے افسروں کو بات کرنے کے لئے آگے کریں۔ کچھ سوار آگے آئے اور بادشاہ کو بتایا کہ وہ اپنے دین کی اور اپنے دھرم کی حفاظت کرنے کے لئے اٹھے ہیں۔ انہیں سور اور گائے کی چربی دی گئی تھی۔ انہوں نے میرٹھ میں یورپیوں کو قتل کر دیا ہے اور اب دہلی میں اپنے بادشاہ کے پاس آئے ہیں"۔

بہادر شاہ ظفر نے جواب دیا، "میں نے کسی کو نہیں بلایا تھا۔ تم لوگوں نے اچھا نہیں کیا"۔

سپاہیوں نے بادشاہ سے درخواست کی کہ وہ ان کا ساتھ دیں۔ بحث چلتی رہی۔ بادشاہ کا کہنا تھا کہ "ہمارا سورج تو ڈھل چکا ہے۔ یہ ہمارے آخری دن ہیں۔ مجھے صرف کچھ سکون کی خواہش ہے"۔

حکیم احسن اللہ خان نے سپاہیوں کو کہا کہ "تم لوگوں کو ماہانہ تنخواہ کی عادت ہے۔ بادشاہ کے پاس خزانہ نہیں۔ تم لوگوں کو کیسے تنخواہ ادا کی جا سکے گی"۔ سپاہی افسر نے کہا" ہم دولت کے لئے نہیں آئے۔ آپ حکم دیں گے تو ہم پوری سلطنت سے آپ کا خزانہ بھر دیں گے۔ بہادر شاہ ظفر کا کہنا تھا کہ "نہ میرے پاس سپاہی ہیں، نہ اسلحہ، نہ خزانہ۔ اور نہ ہی میں اس عمر میں ہوں کہ کسی کا ساتھ دے سکوں یا لڑ سکوں"۔ افسروں کا جواب آیا، "ہمیں صرف آپ کی حمایت درکار ہے۔ باقی ہم سنبھال لیں گے"۔

یہاں پر بہادر شاہ ظفر نے ایک وقفہ لیا۔ اس میں سوچا ہو گا کہ ان کے پاس کیا چوائس ہے۔ بہادر شاہ کی خوبیوں میں بروقت قوتِ فیصلہ نہیں رہی تھی۔ لیکن یہ تاریخ کا ایک فیصلہ کن موڑ تھا۔ اس مرتبہ یہاں پر انہوں نے اپنی روایتی ہچکچاہٹ نہیں دکھائی۔ ان کے درباری ان سپاہیوں کا ساتھ دینے کے حق میں نہیں تھے لیکن شاید اپنی زندگی کے اہم ترین فیصلے میں انہوں نے آنے والوں کو اپنی حمایت دے دی۔ انقلاب کی سربراہی قبول کر لی۔

ظہیر دہلوی کے مطابق، "بادشاہ تخت پر بیٹھ گئے۔ سپاہی، افسر اور سارے ایک ایک کر کے آگے آتے، سر جھکاتے۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کرتے اور پیچھے ہٹ جاتے"۔

بہادر شاہ ظفر کے اس فیصلے کے ساتھ یہ اب چند سو باغی سپاہیوں کی بغاوت نہیں رہی تھی۔ اب یہ ہندوستان کے آخری بادشاہ کی آخری مزاحمت تھی۔

ساتھ لگی پہلی تصویر "جہاں نما" کا سکیچ ہے جو منصور علی خان نے بنایا۔ یہ جمنا کنارے میٹکاف کا گھر تھا۔ بارہ مئی کو اس کو جلا دیا گیا تھا۔ دوسری تصویر اس کے جلائے جانے کے بعد کی۔

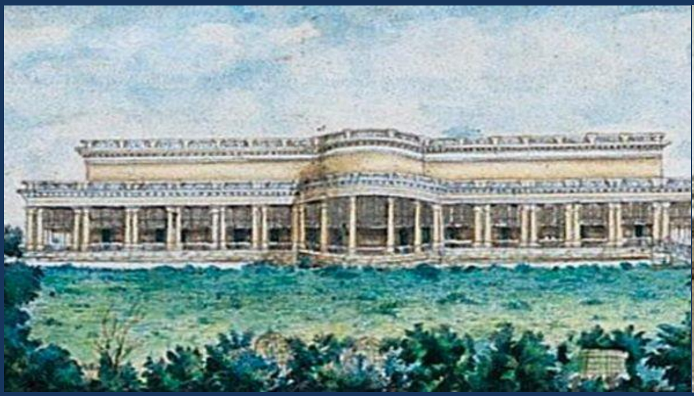

سوالات وجوابات

سوال	**Hafeez Ullah Khan** سر برصغیر کی تاریخ پر کوئی مستند کتاب؟ تحریر لاجواب ہے
جواب	اعتزاز احسن کی لکھی ہوئی کتاب Indus Saga جو اس پر ہے کہ انڈس کا علاقہ (پاکستان) ہند سے اتنا مختلف کیوں ہے ابوالکلام آزاد کی کتاب India Wins Freedom جو انڈیا کی تحریکِ آزادی پر ہے ڈاکٹر مبارک علی کی "عہدِ وسطیٰ کا ہندوستان
سوال	**Shahid Hussain** Bahtareen mgr lahasil,agli iqsaat main seway afsos k kuch nahi hoga
جواب	Wahara Umbakar تاریخ میں جس موضوع پر بھی لکھا جائے، لاحاصل ہی ہوتا ہے۔
سوال	**Muhammad Imran Khattana** سر میرا یہ کمنٹ موضوع سے تھوڑا ہٹ کر ہے اموی اور عباسی خلفا کا سائنس کی سرپرستی کے بارے میں اگر آپ کی کوئی پوسٹ ہے تو اس کا لنک ارسال کر دیں مہربانی ہو گی
جواب	مامون کے بارے میں۔ https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/permalink/1811011689001432/

11۔ مکڑی کا جال

دہلی سے شمال میں کیپٹن رابرٹ ٹٹلر دہلی میں ہو جانے والے واقعات سے بے خبر اپنے 200 سپاہیوں کو کمانڈ کر رہے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ فوج میں کچھ گڑبڑ تو چل رہی ہے لیکن کس حد تک؟ اس کا علم نہیں تھا۔ دہلی میں اور دہلی کے باہر برٹش راج تیزی سے ختم ہو رہا تھا۔ ٹٹلر کو یہ بھی معلوم تھا کہ ان کے سپاہی میرٹھ والوں سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ انہوں نے نوٹ کیا کہ اس روز اسلحہ ڈپو میں ہر کوئی معمول سے زیادہ اسلحہ اٹھا رہا ہے۔ انہوں نے اور کیپٹن گارڈنر نے نوٹ کیا کہ سپاہی عمارت سے دور کھڑے ہیں۔ جب انہیں قریب آنے کو کہا تھا سپاہیوں نے جواب دیا کہ انہیں دھوپ اچھی لگ رہی ہے۔ جب انہیں سختی سے آرڈر دیا تو ایک سپاہی نے جواب دیا کہ آپ کی سرکار ختم ہو گئی ہے۔ برٹش راج کا دور گزر گیا ہے۔ پھر سب نے ملکر نعرے لگانے شروع کر دئے، "پرتھوی راج کی جے ہو"۔ سپاہیوں کی بڑی تعداد انہیں چھوڑ کر اور اسلحہ لے کر چلی گئی۔ ان کے ساتھ چند درجن فوجی رہ گئے جو زیادہ عمر کے تھے اور افغانستان کی جنگ رابرٹ ٹٹلر کے ساتھ اکٹھے لڑی تھی۔

یہ کئی جگہ پر دہرایا جا رہا تھا۔ کئی یونٹس میں سپاہی افسروں کو سلیوٹ کرنے کے بعد الوداع کر کے جا رہے تھے۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

افطار کے وقت دہلی کی گلیاں سنسان ہو گئیں۔ ظہیر دہلوی جو شاہی محل سے واپس آ رہے تھے، کہتے ہیں، "شہر میں خاموشی تھی اور عجیب سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ گھروں اور حویلیوں کے دروازے مقفل تھے۔ روشنی کسی جگہ پر نہیں تھی۔ سڑک کے لالٹین ٹوٹے ہوئے اور ان کے شیشے بکھرے پڑے تھے۔ چاقو بنانے والوں، حلوائی اور بزازوں کی دکانیں لوٹ لی گئی تھیں۔ ایک جگہ پر ایک شخص قریب المرگ کراہ رہا تھا۔ اسے تلواروں کے تین گھاؤ لگے ہوئے تھے۔ ایک جگہ مجھے تین لوگ نظر آئے جنہوں نے ایک دھوبی کو روکا ہوا تھا۔ وہ اس کے سامان کی تلاشی لے رہے تھے کہ کوئی قیمتی شے مل جائے۔ دھوبی نے انہیں بتایا کہ فلاں جگہ پر ایک فرنگی کا گھر ہے۔ جلدی پہنچو، مال کوئی اور نہ لے جائے اور یوں دھوبی نے ان سے جان چھڑوائی"۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

بارہ مئی کو دہلی برٹش سے تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ 1803 کو برٹش نے مرہٹوں کو شکست دی تھی، تب سے دہلی برٹش کنٹرول میں تھا۔ ایک روز میں یہ ختم ہو گیا تھا۔

بہادر شاہ ظفر نے نہ یہ انقلاب پلان کیا تھا اور نہ ہی یہ سب ان کے وہم و گمان میں تھا اور نہ ہی یہ سپاہی ان کے کنٹرول میں تھے اور نہ ہی ان کے پر تشدد طریقوں سے اتفاق کرتے تھے۔ لیکن وہ پوری طرح سے ان کے ساتھ شامل ہو چکے تھے۔ موہن لال کاشمیری لکھتے ہیں۔

باغی اب شہر کے اور محل کے بھی مالک تھے۔ انہوں نے بادشاہ کو زور دیا کہ وہ شہر کا دورہ کریں تاکہ سب کا اعتماد بحال ہو۔ بادشاہ نے پہلی بار یہ دیکھا تھا" کہ تربیت یافتہ سپاہی ان کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے شہریوں کو دیکھا جو انہیں دیکھنے امڈ آئے تھے۔ اداس اور معمول کے چہروں کے ساتھ نہیں، نعرے لگاتے ہوئے۔ یہ تبدیلی پہلے روز شہر میں اکثریت کو پسند آئی تھی۔ بادشاہ نے برٹش ناکامیوں کی خبریں سنیں۔ انہوں نے جھوٹی خبریں بھی سنیں کہ برٹش فوج فارس میں پھنس چکی ہے۔ اور یہ کہ یورپ میں سیاسی حالات کشیدہ ہو چکے ہیں اور ہندستان میں کوئی کمک نہیں آ سکے گی۔ انہیں بتایا گیا کہ ممبئی اور دکن میں بھی بغاوت پھوٹ پڑی ہے۔ بہادر شاہ ظفر اب یقین کر چکے تھے کہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں عظیم تیموری خاندان کے تاج اور سلطنت کی بحالی ان کے ہاتھوں ہونا ہے"۔

برٹش انڈیا میں پہلے بھی بغاوتیں ہوئی تھیں۔ سب سے بڑی ویلور میں 1806 میں۔ کئی جگہوں پر مسلح مزاحمتیں ہوئی تھیں۔ لیکن تمام برٹش دور میں برٹش سپر یمیسی کو اتنا بڑا چیلنج کبھی نہیں آیا۔

کمپنی کے تربیت یافتہ فوجی اور مغلوں کی تعظیم۔۔۔ بہادر شاہ ظفر کے ساتھ دینے کے فیصلے نے اس کو انیسویں صدی میں کسی بھی مغربی یورپی ملک کو درپیش سب سے بڑے امتحان میں بدل دیا تھا۔ لیکن بادشاہ کے لئے جو سوال فوری تھا کہ کیا وہ واقعی کنٹرول میں ہیں؟ یا انہوں نے صرف اپنی ڈوریاں ہلانے والے بدلے ہیں؟

دہلی میں انقلاب کے دن دو ٹیلی گراف آپریٹروں، بریڈش اور پلکنگٹن نے دفتر بند کیا اور دہلی چھوڑ کر میرٹھ کی راہ لی لیکن جانے سے پہلے انہوں نے دو پیغامات بھجوائے۔ ان کا اوریجنل اس وقت لاہور میں پنجاب آرکائیو میں محفوظ ہے۔ پہلا "کینٹونمنٹ محاصرے کی حالت میں" کے عنوان سے ہے جو دوپہر کو بھیجا گیا۔ اس میں لکھا ہے۔

میرٹھ کی تھرڈ لائٹ انفنٹری کے باغیوں نے میرٹھ سے رابطہ کاٹ دیا ہے۔ ان بلوائیوں کی تعداد نامعلوم ہے اور ڈیڑھ سو کے قریب بتائی جا رہی ہے" ہے۔ یہ کشتیوں کے پل پر قبضہ حاصل کر چکے ہیں۔ 54ویں نارتھ انفنٹری کو ان سے لڑنے بھیجا گیا لیکن انہوں نے انکار کر دیا ہے۔ کئی افسر مارے جا چکے ہیں، کئی زخمی ہیں۔ شہر میں نظم و ضبط ختم ہو چکا ہے۔ کچھ فوجی بھجوائے گئے ہیں لیکن ابھی حالات غیر یقینی ہیں"

دوسرا پیغام اس سے پہلے بھیجا گیا جب یہ دونوں دفتر چھوڑ کر بھاگنے لگے تھے۔

میرٹھ کے سپاہیوں نے سارے بنگلے جلا دئے ہیں۔ وہ صبح یہاں پہنچے تھے۔ ہم یہاں سے اب جانے والے ہیں۔ چارلس ٹوڈ (جو پیغام بھیجنے والوں کے افسر تھے) کو مار دیا گیا ہے۔ وہ صبح نکلے تھے اور واپس نہیں آئے"۔

یہ ٹیلی گراف کی نئی ٹیکنالوجی کا کارنامہ تھا۔ وہ، جسے غالب اس دور کا معجزہ کہتے تھے۔ یہ پیغام انبالہ بھیجا گیا اور چند گھنٹوں میں لاہور، پشاور اور شملہ تک پہنچ چکا تھا۔

کمانڈر انچیف جنرل جارج اینسن کو یہ پیغام ملا تو وہ شملہ میں تھے۔ انہوں نے اسے زیادہ اہمیت نہیں دی ویسے ہی جیسے گولیوں پر چکنائی کے معاملے کو نہیں دی تھی۔ چار دن بعد انبالہ پہنچے تو معاملے کی سنگینی کا اندازہ ہوا۔ اس وقت ہیضے کی وبا بھی پھیلی ہوئی تھی۔ جب 27 مئی کو برٹش انڈیا کے کمانڈر انچیف جرنل اینسن کا انتقال ہیضے کی وجہ سے ہوا تو انقلاب کی یہ لہر بڑھ چکی تھی۔ نوشہرہ، انبالہ، لدھیانہ، فیروزپور، نصیر آباد، ہانسی، مراد آباد، علی گڑھ، آگرہ، مین پوری، ایتاوا، اور آگرہ کے بھی مشرق سے سپاہیوں کے بغاوت کی خبریں آ رہی تھیں۔

نقشے میں یہ مقامات دہلی کے گرد دائرے کی شکل میں نظر آتے تھے۔ جو ہندوستان میں دور دراز تک پھیلے تھے۔ بہادر شاہ اور ان کی مغلیہ سلطنت اب امید کا مرکز تھے۔ بہت سے افراد، گروہ اور بہت سی وجوہات۔ مسلمان بھی، ہندو بھی۔ شمالی انڈیا میں سپاہی اپنے یونٹ کو چھوڑ کر سیدھا دہلی کا رخ کرتے۔ کئی جگہ پر تشدد طریقے سے، قتل و غارت کرتے اور کئی بار افسروں سے معذرت کرتے ہوئے۔

کمانڈر رچرڈ بارٹر نے نقشے پر یہ پیٹرن دیکھتے ہوئے کہا کہ "بغاوت کا یہ نقشہ مکڑی کے جالے کی طرح ہے۔ اس کا مرکز دہلی ہے اور اس کے بیچوں بیچ پر جو مکڑا بیٹھا ہے، وہ بہادر شاہ ظفر ہے"۔

ساتھ لگی تصویر میں بغاوت کا نقشہ دکھایا گیا ہے۔

ہلکے نیلے میں وہ علاقے جہاں پر مقامی حکمران ایسٹ انڈیا کمپنی کی باقاعدہ طور پر مدد کی

گاڑھے نیلے میں وہ علاقے جہاں کے حکمران کمپنی کے وفادار رہے۔

سیاہ میں وہ علاقے جہاں کے حکمرانوں نے بغاوت میں حصہ لیا۔

سبز میں وہ، جہاں کے حکمران غیر جانبدار تھے۔

بھورے رنگ میں وہ علاقے جہاں کمپنی کی براہِ راست حکومت تھی لیکن بغاوت میں عملداری ختم ہو گئی۔

پیلے رنگ میں وہ علاقے جہاں کمپنی کی براہِ راست حکومت تھی اور یہاں پر موثر بغاوت نہیں ہوئی۔

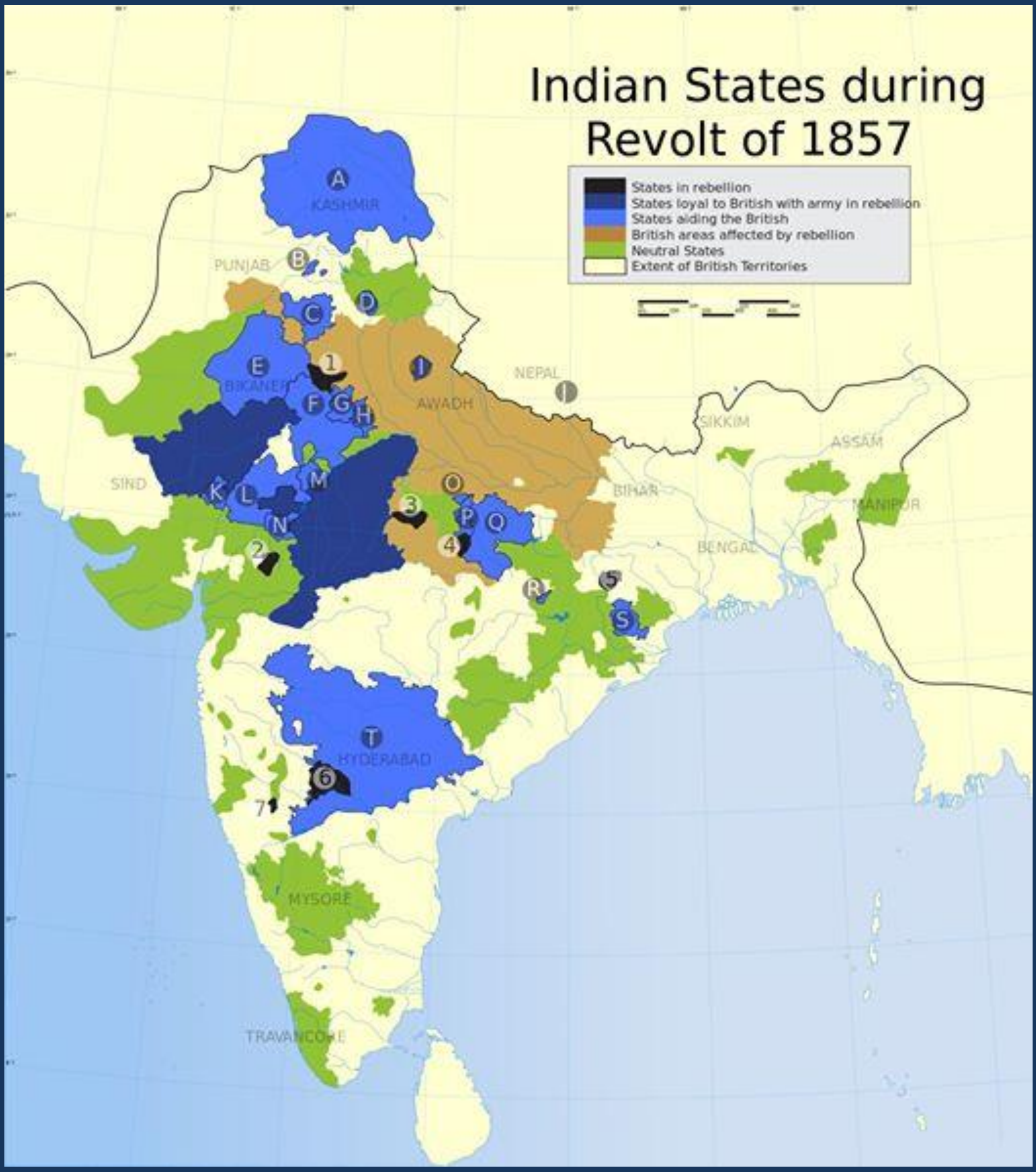

سوالات وجوابات

سوال	**Shoaib Nazir** بغاوت والا ایریا تو بہت تھوڑا ہے نقشے میں۔۔۔۔
جواب	انڈیا بہت بڑا ملک ہے۔ چند روز میں اتنا بڑا اعلاقہ ہاتھ سے نکل جانا (یہ کسی اچھے سائز کے ملک کے برابر ہے) واقعات کا ایک غیر معمولی موڑ تھا۔
سوال	**Nasir Sattar** باغی کہنا ایسا ہی ہے جیسے تاریخ کا ایک رخ سنایا جا رہا ہے۔
جواب	اچھا
سوال	**Muhammad Ali Umair** اس کو بغاوت کیوں کہا جا رہا ہے؟؟؟ بغاوت تو اپنی حکومت کے خلاف ہوتی ہے۔۔۔ انگریز تو غیر قانونی حاکم تھے۔۔۔ یہی سوال بہادر شاہ ظفر نے بھی عدالت میں کیا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔۔۔۔
جواب	سپاہیوں کے اپنے افسروں کا حکم نہ ماننے کے لئے کیا لفظ ہو گا
سوال	**Muhammad Ali Umair** مولانا سندھی فرماتے تھے کہ ہمیں انگریز کے یہاں حکمرانی کرنے سے کوئی مسلہ نہیں بشر طیکہ وہ یہاں کا ہو کر رہ جائے۔۔۔ اس ملک کو اپنا ملک مانے۔۔۔ یہاں ک پیسہ یورپ نہ بھجوائے اسی خطے ک ترقی دے تو ہم تحریک آزادی ہند ختم کرنے پر آمادہ ہیں۔۔۔
جواب	مسئلہ پھر یہ ہو گا کہ شاید کوئی اور آ کر یہ کہہ دے کہ "ہندوستانی سپاہیوں پر مشتمل اسی فوج نے سکھ حکومت کو شکست دی، افغانستان میں جنگیں لڑیں، رنگون کی اینٹ سے اینٹ بجائی کیا، چین پر حملہ آور ہوئے۔ پھر جب تنخواہ میں سے غیر مقامی الاونس حذف کر دیا گیا تو اچانک انہیں یاد آ کہ آزادی لینی ہے اور اس کے لئے بھی لوٹ مار، توڑ پھوڑ اور مار دھاڑ شروع کر دی۔ ایک ناکام بادشاہ اور اقتدار سے محروم ہو جانے والے شہزادوں نے موقع غنیمت جان کر ان کا ساتھ دیا۔ اور اس تحریک کو کچلنے والے بھی بھاری تعداد میں مقامی لوگ اور حیدر آباد کے مسلمان نظام اور کشمیر کے ہندو راجہ سمیت مقامی حکمران تھے جو نئے طرزِ حکمرانی کو بہتر سمجھتے تھے۔ یورپ سے آنے والے تو بس تھوڑے سے ہی تھے"۔ اس قسم کے لوگوں اور ان کی بحث سے محفوظ رہنے کے لئے نظریاتی الفاظ سے احتراز کیا گیا ہے۔ ان مباحث کے لئے اچھا علم رکھنے والے بہت سی کتابیں لکھتے رہے ہیں۔ وہ پڑھ کر مزا نہیں دیتیں۔
سوال	**Muhammad Ali Umair** صحیح۔۔۔ سر اپکی آخری دو لائینیں نہیں سمجھ سکا۔۔۔ "ان مباحث۔۔۔۔۔ مزا نہیں دیتیں "

جواب	تاریخ لکھتے وقت فوکس اس پر رہتا ہے کہ "کیا ہوا تھا"۔ جبکہ "حق پر کون تھا" ایسی بحثوں کو چھیڑ دیتا ہے جو میرے قد سے اوپر کی ہیں۔ اس وجہ سے ان میں دلچسپی ذرا کم ہے۔ اتنا تو علم ہے کہ یہ "good vs evil" کی لڑائی نہیں تھی، اس سے زیادہ نہیں
سوال	**Muhammad Ali Umair** جو قومیں وقت کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دیتیں وہ مٹا دی جاتیں ہیں۔۔۔اور پھر انکی جگہ ایسی قوم مسلط ہو جاتی ہے جو وقت کے پہیے کو آگے لے کر جاتی ہے۔۔۔ انگریز کی آمد سے جتنا فائدہ ہوا اس کئی گنا زیادہ نقصان اٹھانا پڑا اور آخر میں انگلینڈ امریکہ رسہ کشی میں برصغیر کا بٹوارہ ہو گیا۔۔۔
جواب	"آخر میں انگلینڈ امریکہ رسہ کشی میں برصغیر کا بٹوارہ ہو گیا۔" سب سے زیادہ اختلاف انڈین قوم پرستوں کے بیانئے میں سے اس خیال سے ہے۔ برِصغیر کوئی ایک سیاسی یونٹ تھا ہی نہیں۔ بنگال، پنجاب، سندھ، اودھ، میسور، حیدرآباد، کشمیر، قلات، لسبیلہ، منی پور، سکم، گجرات اور سینکڑوں ریاستیں تھیں جو کسی سیاسی اکائی کے نیچے نہیں تھیں اور اکثر لڑتی بھی رہتی تھیں۔ ویسے جیسے آج کی سیاسی حقیقت، پاکستان، انڈیا، بنگلہ دیش، نیپال، بھوٹان ہیں۔ بنیادی طور پر انڈیا برٹش کی قائم کردہ سیاسی اکائی تھی۔ انگریزوں نے ہندوستان کے ساتھ جو سلوک کیا، وہ ایک الگ کہانی ہے۔ امریکہ اس والی کہانی میں کہیں پر بھی نہیں آتا۔

12۔ آزادی کے بعد

انقلاب کا مقابلہ کرنے سب سے موثر جواب لاہور اور پشاور سے آیا۔ لاہور میں جان لارنس ایک اچھے منتظم تھے اور پشاور کے جان نکلسن اور ہربرٹ ایڈورڈز سخت گیر فوجی۔ انہوں نے فوری جواب کا منصوبہ بنایا۔ ""ہمیں فوری حرکت میں آنا ہو گا۔ اب وقت ان سپاہیوں کے شکوے دور کرنے کا نہیں رہا۔ اب انہیں کچل دینے کا وقت ہے۔ اور جتنا جلد یہ خون بہایا جائے گا، اتنا ہی کم خون بہانا پڑے گا"۔ ایڈورڈز نے یہ پیغام لارنس کو بھیجا۔ چار روز میں جہلم میں یہ عسکری کالم تیار تھا جو سبک رفتاری سے کسی بھی سمت بغاوت کچلنے جا سکتا تھا۔

نکلسن ایک سخت مزاج افسر تھے اور راولپنڈی کے کمشنر کے طور پر انہوں نے اس کا سرِ عام مظاہرہ دکھایا بھی تھا۔ ایک بدنام ڈاکو کو جب انہوں نے پکڑا تھا تو اس کا سر اتار کر اپنے میز پر سجایا تھا۔ وہ سخت محنت کرنے میں بھی اور کروانے میں بھی شہرت رکھتے تھے۔ مقامی آبادی میں کچھ لوگوں میں بہت پسند بھی کئے جاتے تھے لیکن خود مقامی لوگوں کو ناپسند کرتے تھے اور کہتے تھے کہ "دنیا میں ہندوستانیوں سے زیادہ گندی اور ظالم ایک ہی قوم ہے اور وہ افغان ہیں"۔ اٹک پر قبضے میں ان کی شجاعت کی داستانوں کا چرچا تھا۔ وہ کسی کو قیدی بنانے کے قائل نہیں تھے۔

ان کے ارادے زیادہ خون آشام تھے جو انہوں نے دوسرے برطانوی افسروں سے اس وقت شئیر نہیں کئے۔ دہلی کے قتل عام کے بعد پشاور کے کمانڈروں نے یہ بل پیش کیا۔ "برٹش خواتین اور بچوں کو دہلی میں مارنے والوں کے لئے پھانسی کی سزا ناکافی ہے۔ ان کو لٹا کر کوڑے مارے جائیں، مصلوب کیا جائے اور جلا دیا جائے۔ لٹکا دینا انصاف نہیں۔ ان پر بدترین تشدد کیا جانا چاہیے تاکہ ہمارے ضمیر سے بوجھ اتر سکے"۔

اسی طبیعت کے ایک اور افسر ولیم ہوڈسن تھے جو انٹیلی جنس کے بے رحم چیف تھے۔ انہوں نے فوری طور پر جاسوسی کے لئے مولوی رجب علی کو دہلی روانہ کیا۔ رجب کی ایک آنکھ ضائع ہو چکی تھی۔ وہ ہیڈ منشی کا کام کرتے رہے تھے اور پنجاب میں پولیٹیکل ایجنٹ بھی رہ چکے تھے اور ہنری لارنس کے ساتھ کام کرتے تھے۔

مولوی رجب علی جلد دہلی پہنچے اور مخبروں اور جاسوسوں کا بڑا اور موثر نیٹ ورک بنانے میں کامیاب رہے۔ اس نیٹورک میں ہندو بنئے بھی تھے اور مغل اشرافیہ کے لوگ بھی۔ برٹش راج پسند کرنے والے عام شہری بھی اور انقلابیوں کو ناپسند کرنے والے بھی۔ رجب علی کا بڑا کارنامہ یہ تھا کہ وہ اپنے نیٹ ورک میں اہم ترین انقلابی کمانڈروں کو بھی بھرتی کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ہریانہ ریجیمنٹ کے بریگیڈ میجر غوری شنکر سوکل جن سے برٹش فوج تک حکمت عملی مسلسل پہنچتی رہی اور دوسرے سپاہی جو نہ صرف معلومات پہنچاتے رہے بلکہ وقت ملنے پر انقلابیوں کے پروگرام میں خلل ڈالتے رہے۔ رجب علی جلد ہی ملکہ عالیہ زینت محل سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہو گئے اور بہادر شاہ ظفر کے وزیرِ اعظم حکیم احسن اللہ خان کو ساتھ ملا لیا اور شاہی

محل میں پروبرٹش دھڑے کے سربراہ، مرزا فخرو کے سسر اور بہادر شاہ ظفر کے سمدھی مرزا الٰہی بخش کو۔ اس انیٹیلی جنس نیٹ ورک کو قائم کر لینے کی کامیابی جنگ میں بہت اہم رہی۔ ان کے بھیجے گئے نوٹ فقیروں اور سادھوؤں کے بھیس میں ایجنٹ لے کر جاتے تھے اور ان میں سے ہزاروں رقعے ابھی بھی نیشنل آرکائیو آف انڈیا میں محفوظ ہیں۔ یہ بہت چھوٹی لکھائی میں جوتوں یا کپڑوں میں اڑس لئے جاتے تھے۔ ان میں شہر کے حالات، توپوں کی پوزیشن، اسلحے کی صورتحال، سپاہیوں یونٹس کے درمیان اختلافات، اندرونی مسائل بتائے جاتے تھے۔

جاسوسوں سے آنے والی انفارمیشن نہ قابلِ اعتبار ہوتی تھی اور نہ ایکوریٹ۔ اکثر انفارمیشن کے دام ادا کرنے والوں کو وہ بتایا جاتا تھا جو وہ سننا چاہتے تھے۔ لیکن اگلے مہینوں میں اتنی انفارمیشن برٹش تک پہنچتی رہی کہ اس نے اس لڑائی کو طے کرنے میں بڑا کردار ادا کیا۔ اس کے مقابلے میں انقلابیوں کے پاس کوئی طریقہ نہیں تھا کہ انہیں اپنے مخالفین کے بارے میں کچھ بھی پتا لگتا۔

جون کے پہلے ہفتے میں جی ٹی روڈ سے جنرل ہنری برنارڈ کی قیادت میں تین ہزار فوجی جی ٹی روڈ پر دلی کی طرف رواں دواں تھے۔ ان کے ساتھ پچاس توپیں اور فیلڈ گن تھیں۔

ہوڈسن نے پٹھان اور پنجابی رضاکاروں کو کامیابی سے بھرتی کر لیا تھا جو بغاوت کر کے چھوڑ جانے والے ہندوستانی فوجیوں کی جگہ لے چکے تھے۔ نکلسن اور ہوڈسن ملکر پوری قوت سے برٹش غصہ بہادر شاہ کے نئے آزاد ہونے والے دہلی پر اگلنے والے تھے۔ مزید رضاکاروں کی بھرتی جاری تھی۔

نئے آزاد ہونے والے دہلی میں حالات اچھے نہ تھے۔ لاء اینڈ آرڈر باقی نہیں رہا تھا۔ لوٹ مار جاری تھی۔ تاوان کے لئے لوگوں کو پکڑا جاتا تھے۔ نئے آنے والے سپاہیوں کی رہائش کی جگہ نہیں تھی۔ بہت سوں نے محل کے دالانوں میں بسیرا جمایا تھا۔ کئی نے لوگوں کی کوٹھیوں میں۔ سپاہیوں اور دہلی والوں کے درمیان چھڑپیں ہوتی تھیں۔ جو کرسچن شہر سے نکلنے سے رہ گئے تھے، اگلے دنوں میں انہیں مارا جاتا رہا۔ دہلی کالج کے پرنسپل فرانسس ٹیلر کی باری بارہ مئی کو آئی تھی۔ لیکن شہر میں کہیں سے متحد نظر نہیں آتا تھا۔ کئی لوگوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر پرانی دشمنیاں نپٹانا شروع کر دی تھیں۔

محفوظ میوٹنیی پیپرز میں عام شہریوں کی عرضداشتیں نظر آتی ہیں جو بادشاہ سے بچاؤ کی درخواست دے رہے تھے۔ ان میں خاص طور پر شہر کے عام لوگ تھے جن کے پاس حفاظت کے لئے مسلح گارڈ یا حویلیاں یا اونچی دیواریں نہیں تھیں۔ غریب لوگ، خاص طور پر کشن گنج اور نظام الدین میں ان جرائم سے زیادہ متاثر ہوئے تھے۔ پہاڑ گنج اور جے سنگھ پورہ کے لوگ شاہی محل دہائی دینے پہنچے تھے کہ "تلنگے ہماری چارپائیاں، برتن اور آگ جلانے والی لکڑیاں تک اٹھا کر لے گئے ہیں"۔ ایک اور وفد تاجروں کا آیا تھا کہ ان کے سٹاک اٹھا لئے گئے ہیں۔

شہر سے باہر صورتحال زیادہ بری تھی۔ برٹش پولیس سسٹم نے امن قائم کیا تھا، وہ ختم ہو گیا تھا۔ گوجر اور میواتی قبائل کے نیم خانہ بدوش لوگوں کو لوٹنے کے لئے پھر رہے تھے۔ یہاں تک کہ بہادر شاہ ظفر نے الور کے راجا کو مدد طلب کرنے جو ہرکارے بھیجے، وہ گجروں کے ہاتھوں اپنے گھوڑے، پیسے اور کپڑے تک گنوا کر واپس پہنچے تھے۔ بادشاہ کے خط کے پرزے کر کے ان کے ہاتھ میں پکڑا دئے گئے تھے۔

ان گھومتے پھرتے لٹیروں نے دہلی کی جنگ میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ برٹش دہلی کا محاصرہ نہیں کر سکے تھے جبکہ لٹیروں نے عملی طور پر شہر کی سپلائی کاٹ دی تھی۔

بہادر شاہ ظفر نے اپنا چاندی کا تخت نکلوا کر قلعی کروا کر دیوانِ خاص میں لگوایا تھا۔ یہ تخت پندرہ سال سے سٹور میں پڑا تھا۔ ہاتھی پر سوار امن وامان قائم کرنے کی اپیل کرنے ہات شہر میں نکلے۔ شہزادہ مرزا مغل خود تمام پولیس سٹیشنوں پر گئے اور حکم جاری کروایا کہ جو کوئی لوٹ مار کرتے پکڑا گیا، اس کے ناک اور کان کاٹ دئے جائیں گے"۔

اس شام کو عام دربار لگایا اور خوبصورت زبان میں فارسی روبکاری جاری کی جس نے سپاہیوں کے تمام صوبیداروں کو کہا گیا کہ وہ اپنے آدمیوں کو کنٹرول کریں۔ افسروں نے احترام سے یہ سنا لیکن ایک گھنٹے کے اندر اندر دربار میں ہنگامہ برپا تھا۔ سپاہی شکایت کر رہے تھے کہ ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں اور دکاندار اپنے دکانیں کھول نہیں رہے۔ بادشاہ ان کے کھانے پینے کا بندوبست کریں۔

جلد ہی یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ بہادر شاہ ظفر جنگ کے لیڈر کے طور پر موزوں نہیں۔ بیاسی سال کی عمر میں ان کے پاس وہ توانائی، ولولہ، جوش وجذبہ نہیں تھا جو انقلاب کے منہ زور شیر پر سواری کے لئے درکار ہوتا ہے۔

وہ اپنے دیوانِ عام کو سپاہیوں کی رہائش بنانے سے اور انہیں محل کے زنانے میں تاک جھانک کرنے سے بھی نہیں روک سک رہے تھے۔ انہوں نے سپاہیوں کے گھوڑوں کو اپنے پسندیدہ باغوں سے ہٹوانے کی کوشش کی تھی جو کامیاب نہیں رہی تھی۔

تیرہ مئی کو ظفر نے شہر میں امن وامان لانے کے لئے پھر کوشش کی۔ شہر میں کئی جگہ لگائی گئی آگ سلگ رہی تھی۔ کوتوال سے دو سے تین سو سقوں کو انہیں بجھانے کا حکم جاری کیا۔ روز دہلی میں تین سے چار سو نئے سپاہی پہنچ رہے تھے۔ یہاں تک کہ ہندوستان بھر سے سات سے آٹھ ہزار سپاہی دہلی میں جمع ہو گئے تھے۔ ظہیر دہلوی لکھتے ہیں، "سپاہی آسائش میں رہ رہے تھے، بہت سے بھنگ پیتے رہتے، لڈو پیڑے، پوریاں، کچوریاں اور مٹھائیاں کھاتے

اور چین کی نیند سوتے۔ دہلی ان کے پاس تھا اور جو چاہے کرتے۔ اندھیر نگری، چوپٹ راج تھا۔ عام لوگ اس سب سے جلد ہی تنگ آ چکے تھے اور دعا کر رہے تھے کہ خدا اس سے نجات دلوائے اور حکومت واپس بحال ہو۔ باغی سپاہی اور شہر کے بدمعاش روز لوٹ مار کرتے امیر ہو رہے تھے۔ کچھ کے پاس تو لوٹا مال کہیں رکھنے کی جگہ بھی نہیں رہی تھی۔ عام لوگ فاقہ زدگی کا شکار تھے۔ روزگار ختم ہو گیا تھا اور کاروبار بند پڑے تھے"۔

بہادر شاہ ظفر کو ظلِ الٰہی، شہنشاہِ عالم، خلفیہ وقت، بادشاہوں کا بادشاہ، سلطانوں کا سلطان کہا جاتا۔ صادق الاخبار کے مطابق، "ہم خدا کے شکر گزار ہیں کہ اس نے ظالموں سے نجات دلوائی اور ظلِ الٰہی کو بحال کروایا"۔ اس لاقانونیت اور انارکی کے پسِ منظر میں مغل دربار نے، اپنی تمام تر کمزوریوں کے ساتھ، ایک مرکزی اور سیاسی اہمیت کا کردار سنبھالا۔ 1739 کے بعد سے، جب نادر شاہ نے دہلی کو اجاڑا تھا، پہلی بار روزانہ دربار لگنے لگا۔

لیکن شاہی خاندان خود منقسم تھا۔

ساتھ لگی تصویر 1770 میں دہلی لال قلعے کی ہے۔

سوالات وجوابات

سوال	**Sanam Khan** ارطغرل ڈرامہ دیکھنے کا اتفاق ہوا اور ابنِ عربی کی عملیت کو تھوڑا بہت ہی جانا ہے ابھی مگر امبار کر حضرت بھی ابنِ عربی جیسے ہی لگتے ہیں۔
جواب	**Wahara Umbakar** ڈرامے کا تو معلوم نہیں لیکن ابنِ عربی فلسفے میں ایک بڑا نام ہیں۔
سوال	**ف فاران** میر جعفر بنگال میر صادق میسور میر رجب دھلي۔۔۔مسئلہ کیا ھے؟
جواب	میر رجب علی نامی کوئی کردار تو نہیں تھا لیکن مولوی رجب علی تھے جو ایک قابل منشی اور انٹیلیجینس افسر تھے۔
سوال	**Asadimran Shah** تمام کمنٹس اس بنیاد پر ہیں کہ اگر انگریزوں کو شکست ہو جاتی تو شاید مغلیہ سلطنت اور مسلمان حکمرانی ہندوستان پر قائم ہو جاتی لیکن باغیوں کا جو حال یہاں بیان ہوا ہے وہ بتاتا ہے کہ اگر باغی جیت بھی جاتے تو وہ بھی شہر کو لوٹ لیتے اور بادشاہ کو بے بس کر دیتے.
جواب	**Zahid Arain** ٹھیک سمجھے آپ بلوے اور انقلاب میں یہی فرق ہوتا ہے۔ اور بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم ہمیشہ سے جاہل بلوائی رہے
سوال	**Tehseen Rasheed Gill** سر بادشاہ جلاوطنی کے وقت کہاں رہے تھے؟ کیا انہیں کسی پہرے میں رکھا گیا تھا یا جلاوطن کر کے چھوڑ دیا گیا؟؟ کیا یہ سچ ہے کہ ان کو کیپٹین ڈیوس نے گیراج میں رکھا؟
جواب	رنگون میں تھے اپنے دو بچوں، ان کی والداؤں، ایک بہو اور کچھ خادموں کے ساتھ تھے۔ پہرے میں تھے۔ چار کمروں کا گھر تھا جس میں ایک کمرہ بہادر شاہ کے زیرِ استعمال تھا۔ پہلے ان کی پہرہ داری کی ذمہ داری اومانی کے پاس تھی۔ اومانی کے بعد یہ کیپٹین ڈیوئس کے پاس آ گئی۔
سوال	**Fayaz Khan** سر ہندوستان میں جب کمپنی کی امد هوئي اور تجارت کے ساتھ ساتھ علاقے بھی ہتھیانے لگی اور کمپنی نے اپنی فوج بھی بنائي تو اس وقت مغلوں کو کمپنی کے ارادوں کا ادراک کیوں نہ هو سکا۔۔ ایک وقت ایسا بھی ایا مغل انکو نکالنے لگے تو کمپنی کا ایک سفیر مغل بادشاہ کے اگے دوزانو بیھٹا معافیاں مانگ رہا تھا۔۔۔ مغل بادشاہ کی دوبارہ اجازت کے بعد کمپنی نے پھر وہی حرکتیں شروع کی۔۔ لیکن طاقتور مغلوں نے کمپنی کی سرکوبی کیوں نہیں کی۔۔ حلانکہ تب تک انہیں کمپنی کے ارادوں کا پتہ چل گیا تھا

جواب	شاید اس نقشے سے کچھ اندازہ ہو سکے۔ جب کمپنی نے باقاعدہ علاقے حاصل کرنا شروع کئے تو مغل ہندوستان میں ایک چھوٹی طاقت تھے۔ برٹش کے لئے بڑے حریف دوسرے تھے۔ دہلی 1803 سے برٹش کی حفاظت میں تھا۔ برٹش اجازت کے بغیر بادشاہ تحائف اور خطاب بھی نہیں دے سکتے تھے۔ یہ سب تفصیلات اس سلسلے کے پچھلے حصوں میں ہیں۔ خاص طور پر چوتھے اور پانچویں حصے میں۔ چوتھے حصہ کا لنک یہ رہا۔

13۔ محلاتی سیاست

شاہی محل میں پانچ شہزادے ۱۸۵۷ کے انقلاب کے پرجوش حمایتی تھے۔ انہیں اپنے مستقبل کی امید نہیں رہی تھی اور انہوں نے قسمت کے دیئے گئے اس موقع کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ ان پانچ میں سے چار اس سے پہلے گمنام رہے تھے اور خاص صلاحیتوں کے مالک نہ تھے۔

تئیس سالہ مرزا خضر سلطان بہادر شاہ ظفر کے نویں بیٹے تھے اور حرم کی ایک خاتون رحیم بخش بائی سے تھے۔ ان کا ریکارڈ میں ایک واقعہ ملتا ہے جب انہوں نے اپنی بیوی کو پیٹا تھا اور اس وجہ سے بھرے دربار میں ظفر نے ان کی سختی سے سرزنش کی تھی اور دو تین تھپڑ لگائے تھے۔ خضر سلطان نے بادشاہ کے قدموں میں گر کر معافی مانگ تھی اور بادشاہ نے انہیں اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا تھا۔ اچھے شاعر اور نشانہ باز تھے۔

دوسرے مرزا ابوبکر تھے جو ظفر کی جائز اولاد میں سب سے بڑے پوتے اور سابق ولی عہد مرزا فخرو کے بیٹے تھے۔ ان کا اس سے پہلے ریکارڈ میں صرف ایک ہی واقعہ ملتا ہے جس میں ایک حادثے میں ایک انگلی کٹ گئی تھی۔ اس انقلاب کے دوران ان کا طرزِ عمل اچھا نہیں رہا اور موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خواتین اور شراب کے چکر میں رہتے تھے اور نوکروں اور چوکیداروں کو پیٹتے تھے۔

تیسرے شہزادے مرزا بختاور شاہ تھے جو ظفر کے گیارہویں بیٹے تھے جو حرم کی خاتون ہنوا سے تھے۔ چوتھے مرزا عبداللہ تھے جو ظفر کے سب سے بڑے بیٹے کے بیٹے تھے۔

لیکن پانچویں شہزادے ان سب سے مختلف تھے اور انہوں نے جلد ہی خود کو سول ایڈمنسٹریشن کے سربراہ کے طور پر منوالیا۔ یہ بہادر شاہ ظفر کے پانچویں بیٹے 29 سالہ مرزا مغل تھے۔ انقلاب سے پہلے بھی ان کا ذکر بہت ریکارڈز میں ملتا ہے۔ ان کے پاس قلعہ دار کا عہدہ تھا اور شاہی ملازمین کو تنخواہیں دینا اور کنٹرول کرنا ان کی ذمہ داری تھی۔ ان کی دو تصاویر بھی محفوظ ہیں۔ اس میں ہینڈسم اور ایتھلیٹک نوجوان، گہرا رنگ، بھوری آنکھیں اور سیاہ داڑھی۔ اگر ظفر کی شخصیت تحمل والی، ٹھہری ہوئی، جوش سے خالی اور فیصلہ لینے میں تاخیر والے معمر شخص کی نظر آتی ہے تو یہ اس کا بالکل ہی معکوس تھے۔ بے صبرے، غصے والے، دنیادار، پرجوش اور کچھ تلخ مزاج۔

بارہ مئی کی صبح شہزادے بادشاہ کے پاس آئے اور ان سے فوج کی کمانڈ کی اہم عہدوں کی درخواست کی۔ پہلے یہ مسترد کر دی گئی۔ بادشاہ نے کہا کہ "تم لوگ کرو گے کیا؟ تمہیں اس کا تجربہ نہیں" لیکن اصرار کرنے پر پندرہ مئی کو یہ قبول کر لی گئی۔ سپاہیوں کی حمایت کے بعد مرزا مغل کو انقلابی فوج کا کمانڈر انچیف بنا دیا گیا۔

میوٹینی پیپرز میں بڑی حیران کن بات ملتی ہے جو تاریخ سے غائب ہے، وہ مرزا مغل اور ان کا فعال کردار ہے۔ ہزاروں احکامات ہیں جو ان کی طرف سے جاری ہوئے۔ پیپرز کی کلکشن 60 میں صرف انہی کے جاری کردہ احکامات ہیں جن کی تعداد 831 ہے۔

تاریخ میں، خواہ کسی کی بھی لکھی ہو، ایسا تاثر دیا جاتا ہے کہ مغل شہزادے سست اور نکمے تھے۔ مرزا مغل کو ایک بے کار ارسٹوکریٹ سمجھا جاتا ہے۔ تاریخی ریکارڈ اس تاثر کی نفی کرتا ہے۔ مرزا مغل انقلابیوں میں سب سے زیادہ محنتی اور متحرک نظر آتے ہیں۔ انہوں نے دہلی میں کسی حد تک تنظیم اور باقاعدہ انتظامیہ مہیا کی۔ اگرچہ کہ بحران کو کنٹرول کرنے کی کوشش میں، باغی سپاہیوں اور فری لانس جہادیوں کو متحد فورس بنانے اور ان کے اختلافات کو کنٹرول کرنے میں ناکام رہے۔ لیکن اس ناکامی کی وجہ محنت اور کوشش کی کمی نہیں تھی۔

سپاہیوں کو شہریوں سے دور رکھنے، ان کے لئے قائم کردہ ملٹری کیمپ، پولیس کو بازاروں میں لوٹ مار کو کنٹرول کرنے کی ہدایات، سپاہیوں کو تنخواہ کی ادائیگی کے وعدے، پیسے اکٹھا کرنے کی کوشش، سپاہیوں اور دہلی والوں کو خوراک کی سپلائی بحال کرنے کی کوشش، انفرادی لوگوں کی عرضیوں پر ایکشن۔ کدالوں، بیلچوں، کلہاڑیوں اور ریت کے تھیلوں کا بندوبست کر کے ان سے خندق بنانے اور دفاعی کام کروانا، ملٹری کے لئے سخت ڈسپلن کے احکامات۔۔ جیسا کہ گھر کی تلاشی بغیر پرمٹ کے نہیں کی جا سکتی۔ گوجر قبائل سے مذاکرات تا کہ شہر کے باہر راستے محفوظ بنائے جا سکیں۔ بہادر شاہ ظفر کی تصویر والے سکے جاری کرنے والی ٹکسال کا قیام اور اپنے والد کی حمایت پر لوگوں کو اکٹھا کرنا اور اپنے بھائیوں کو کنٹرول میں رکھنا۔ یہ ان جاری کردہ کاغذات میں دکھائی دیتا ہے۔

مرزا مغل نے ایک خط ہندوستان کے نوابوں اور راجاؤں کے لئے لکھا کہ وہ اس انقلاب میں ان سے وفاداری دکھائیں۔ ستی کی رسم پر انگریز سرکار کی لگائی جانے والی پابندی، مذہب تبدیل کرنے پر عاق کر دینے پر پابندی، جیلوں میں کرسچن مبلغین کی موجودگی کا ذکر الگ الگ خاص طور پر کیا گیا۔ "انگلش ہم سب کے مذاہب کو ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اگر انہیں اپنا کام جاری رکھنے دیا گیا تو وہ ہمارے دھرم ختم کر دیں گے۔ یہ ہندو اور مسلمان کے برابر دشمن ہیں اور ہمیں اکٹھا ہو کر ان کا صفایا کرنا ہے۔ اس طرح ہم اپنی جان اور اپنا ایمان بچا سکیں گے"۔

مورخین کو لال قلعے سے جاری کردہ ایک اور دستاویز ملی جو ہر لحاظ سے ماڈرن دستاویز کہی جا سکتی ہے، جس میں معاشی اور سماجی مسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ زمینداروں پر ٹیکس، سرکاری ملازمین کے مسائل، فوجی بھرتیاں اور برٹش درآمدات کی وجہ سے مقامی ہنرمندوں کی بیروزگاری کا۔ مذہبی، سیکولر، سیاسی، عوامی۔۔۔ مرزا مغل کسی مشاق سیاستدان کی طرح ہر طریقے سے سپورٹ جیتنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ملکہ زینت محل اور ان کے بیٹے مرزا جوان بخت نے دوسرا راستہ چنا۔ زینت محل اپنے شوہر کے انقلابی افواج کی حمایت کے فیصلے سے نالاں تھیں۔ ان سے شادی کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ بادشاہ نے کسی اہم بات پر ان کے مشورے کے خلاف عمل کیا تھا۔ ملکہ نے شاید اندازہ لگا لیا تھا کہ برٹش واپس آ جائیں گے اور سپاہیوں کو شکست ہو گی۔ اور اگر اس وقت برٹش سے وفاداری دکھائی جائے تو ان کے بیٹے کو اگلے بادشاہ بنایا جا سکے گا۔

محل میں اب دو دھڑے بن گئے تھے۔ پرو برٹش سائیڈ پر زینت محل کے علاوہ ظفر کے وزیرِ اعظم حکیم احسن اللہ، سمدھی الٰہی بخش، متعمدِ خاص محبوب علی خان بھی تھے۔

ظفر ان کے درمیان ایک مشکل صورتحال میں تھے۔ سپاہیوں کے خطرے سے بھی واقف تھے۔ ان کے طور طریقوں سے بھی خوش نہیں تھے اور لوٹ مار سے بھی نالاں تھے لیکن دوسری طرف، انہیں معلوم تھا کہ تیمور کے گھرانے کو بچانے کا موقع یہی تھا۔ یہ انقلاب ان کے خاندان کی بادشاہت بچا سکتا تھا جس کی وہ کوشش بیس برسوں سے کرتے رہے تھے لیکن اس سے پہلے تک امید چھوڑ چکے تھے۔

اور پھر وہ واقعہ ہو گیا جس نے بہادر شاہ ظفر کے لئے واپسی کا کوئی بھی راستہ بند کر دیا۔ یہ انقلابیوں کی طرف سے شاہی محل میں حفاظت میں رکھے گئے 52 شہریوں کا کیا گیا بہیمانہ قتل تھا۔ ساتھ لگی تصویر مرزا مغل کی جن کا اس جنگ میں کلیدی کردار رہا۔

سوالات وجوابات

سوال	**Shehzad Ahmed** سر حرم کی خواتین سے جو اولاد ہوتی تھی کیا وہ جائز ہوتی تھی۔ بادشاہ نے سب کے ساتھ نکاح کیا ہوتا تھا؟؟
جواب	بہادر شاہ نے نکاح صرف چار خواتین کے ساتھ کیا تھا۔
سوال	**Shoaib Nazir** باقی ناجائز؟
جواب	تحفے میں ملنے والی، خریدی جانے والی، پکڑی جانے والی اور خادماؤں کو حرم کی خواتین بنانے کے حق میں فتوے موجود تھے۔ بڑے حرم طاقتور حکمران کی علامت تھے۔ اس کو اپنے زمانے میں جائز ہی سمجھا جاتا تھا۔
سوال	**Adnan Muhayyudin** واقعی مغل شہزادوں کو ہمیشہ تاریخ میں نکما، کام چور، عیاش، کاہل اور جنگی صلاحیتوں سے عاری دکھایا گیا ہے تاریخ میں۔ اوپر سے خود ہمارے لکھنے والوں نے مغلوں کے زوال کے اسباب میں اسی پروپیگنڈا کو اور ہوا دی۔
جواب	مغل نظام فیوڈل نظام تھا۔ زمیندار، جاگیردار، نواب، راجہ، مہاراجہ اور ان سب کے اوپر بادشاہ۔ وفاداری ٹھیک وقت میں ٹھیک سمت میں رکھ کر اپنی راجدھانی قائم رکھنا کامیابی تھی۔ نہ باقاعدہ مرکزی فوج تھی، نہ رسمی قوانین، نہ موثر بیوروکریسی، نہ عوام کی اقتدار اور اپنی قسمت میں شرکت۔ امراء اور عام شخص کے درمیان فاصلہ ناقابلِ عبور تھا۔ جو ناکام ہوا تھا، وہ یہ نظام تھا۔ افراد کی حیثیت اس کے مقابلے میں ثانوی ہوتی ہے۔
سوال	**Adnan Muhayyudin** واہ سر بڑا نکتہ سمجھایا آپ نے۔ افراد نہیں نظام یہی حقیقت اب بھی ہے۔ ویسے اس حساب سے تو شیر شاہ سوری کے چند سال پوری مغل سلطنت پر بھاری ہیں۔ کبھی اس پر لکھیں۔ پڑھا ہے کہ بہترین منتظم تھا وہ اور اسی کے بنائے گئے نظام کی بدولت مغل بھی اتنا عرصہ حکومت کر گئے
جواب	اپنے وقت کے لحاظ سے اکبر، شاہ جہاں، جہانگیر بھی بہت اعلیٰ منتظمین تھے۔ مسئلہ صرف یہ ہے کہ پندرہویں صدی کے طریقے انیسویں صدی میں کام نہیں کرتے۔ جدتیں صرف ٹیکنالوجی اور سائنس کی ہی نہیں، سماجی، معاشی، سیاسی طریقوں کی بھی ہیں۔ ہندوستان کی برٹش کے مقابلے میں ہونے والی بڑی ناکامی سائنس اور ٹیکنالوجی کی کہی جاتی ہے۔ لیکن یہ اس سے کہیں زیادہ سیاسی، عسکری اور سماجی طریقوں کی تھی

سوال	**Sohail Qureshi** مغل کا زرعی دور کا نظام کسی صورت جدید دور میں چلنے کے قابل نہیں تھا۔ امام شاہ ولی اللہ نے 1731 میں اس نظام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اب فرد واحد کے لیے پورے نظام کو سنبھالنا مشکل ہے۔ لہذا ماہرین شعبہ جات کا بورڈ بنایا جائے جس کی حیثیت پارلیمنٹ کی سی ہو۔ امام شاہ ولی اللہ نے "فک کل نظام" کے عنوان سے اس بوسیدہ نظام کو ختم کر کے جدید نظام بنانے کی دعوت دی تھی۔
جواب	جی بالکل۔ صرف مغل ہی نہیں۔ اٹھارہویں صدی میں مرہٹے ہوں یا سکھ یا افغان۔۔۔ سیاسی سسٹم کی پسماندگی سب کا مسئلہ تھا۔ تعلیمی، عسکری، سماجی، معاشی نظام بھی ان کے ساتھ ساتھ اس طرح ڈویلپ نہیں ہو سکے تھے اور نتیجے میں جلد منہدم ہو گئے۔
سوال	**Shoaib Nazir** کیا مغلوں کے پاس کوئی پلان تھا کہ بیرونی حملہ آور آ جائے تو کیسے نپٹنا ہے؟۔
جواب	جن مخالفین کے پاس یہ بہتر تھا، ان سے ہندوستان میں رہنے والے بہت آسانی سے شکست کھا گئے۔ مغلوں کا سسٹم فیوڈل سسٹم تھا جو اپنے سے پچھلے نظام سے بہتر تھا۔ اکبر کا بنایا گیا "آئینِ اکبری" اپنے وقت کے لحاظ سے بڑی جدت تھی۔ فوج کے لئے بھی اسی طرح کا فیوڈل سٹرکچر تھا۔ نچلی سطح کے نواب اور جاگیر دار فوجی یونٹ بناتے تھے اور وقت پڑنے پر مرکزی فوج کا حصہ بنتے تھے۔ علاقوں کے دفاع کے ذمہ داری مقامی حکمرانوں کے پاس ہی ہوتی تھی۔
سوال	**Shoaib Nazir** سر۔ نوابوں و جاگیر داروں کی فوج وقت پڑنے پر بلائی جاتی تھی باقی وقت میں وہ اپنے کاموں میں مصروف ہوتے تھے؟۔ جیسے رضاکار ہوتے ہیں؟۔ کلئیر کی جیے گا۔
جواب	مرکزی سٹینڈنگ آرمی موجود ہوا کرتی تھی کہ تخت یا علاقے پر قبضہ کرنے والے کسی دوسرے کا مقابلہ کیا جا سکے۔ موجودہ نظام، جیسا کہ پلاٹون، کمپنی، بٹالین، بریگیڈ والا سسٹم نہیں تھا۔ باقی پھر اہم علاقوں کے مقامی سرداروں کا حکمرانوں کو قابو میں رکھا ہوتا تھا۔ یہ سسٹم صرف برصغیر میں نہیں، باقی دنیا میں بھی رہا اور کام کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ فوج مرکز میں تو ہو نہیں سکتی تھی اور ملک کے کسی واقعے کے مرکز تک پہنچنے کے بھی طریقے نہیں تھے۔ ٹیلی گراف بہت بڑی ٹیکنالوجی کی جدت تھی۔ جب یہ والی ایجاد آئی تو عسکری تنظیم کی جدتیں بھی ائیں۔ مرکز سے کنٹرول ممکن ہوا
سوال	**محمد جان** ابھی تک پڑھنے سے صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ کہانی کے ہیرو برٹش قابضین ہیں اور جو انکے مزاحمتکاروں ہیں وہ کہانی کے بدترین اور ظالم ولن ہیں۔ خالانکہ برطانوی قابضین نے جو مظالم ڈھائے ہیں وہ انسانیت کے منہ پر لعنت کے سوا کچھ نہیں۔ اگر کہانی میں انگریزوں کے ان مظالم کا ذکر نہیں ہوا تو ہم یوں سمجھ لیں گے کہ یہ سچا تاریخ نہیں بلکہ انگریزوں کا بیان کردہ وہ افسانہ ہے جس میں وہ اپنے آپ کو ہمیشہ ہیرو اور مظلوم کو ولن پیش کرتے ہیں

جواب	" کہانی کے ہیرو برٹش قابضین ہیں اور جو انکے مزاحمتکاروں ہیں وہ کہانی کے بدترین اور ظالم ولن ہیں " یہ نتیجہ کہاں سے نکالا؟
سوال	**محمد جان** سر یہاں سے۔ اس کا مطلب ہندوستان میں برطانوی سامراج کی طرف سے جو کچھ برا ہو رہا تھا اس کا برٹش گورنمنٹ کو کوئی خبر نہ تھی اور محض کچھ ہی لوگ تھے جو اپنے سرکار کو بے خبر رکھ کر سب کچھ اپنی مرضی سے کر رہے تھے۔
جواب	"اس کا مطلب یہ ہے کہ "ایسٹ انڈیا سرکار کی ہندوستانی عوام کے احساسات سے اچھی آگاہی نہیں تھی۔
سوال	**محمد جان** سر امید ہے کہ آپ اس سلسلے میں ان مظالم کا ذکر نہیں بھولنے گے جو گوروں نے کئے ہیں جنہوں نے برصغیر پاک وہند کو کنگال بنا کے رکھا تھا
جواب	اس سلسلے میں ہم بہادر شاہ ظفر کی وفات تک جائیں گے۔ اس دوران انگریز افواج (جس کی بڑی تعداد مقامی لوگوں کی تھی) کے قتلِ عام کا ذکر بھی انشاء اللہ تفصیل سے ہو گا۔ برطانوی راج نے ہندوستان کو exploit کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن اگر اس کا مقابلہ ہندوستانیوں کے ہندوستانیوں کو exploit کرنے سے کیا جائے تو کون جیتے گا؟ اس کا ذکر اس سلسلے میں بالکل نہیں ہو گا۔
سوال	**Usman Khan** Bilkul. Jis waqt nazis germany men holocast kar rahay thay britishers india men yehi qatal o gharat jari rakhay hoay thay. Agar 2nd world war germans nay jeeti hoti tu tareekh shayad mukhtalif hoti.
جواب	دوسری جنگِ عظیم میں نازی آئیڈیولوجسٹ اپنی نسل کے علاوہ خود اپنے ہی ہم وطنوں کا بھی قتلِ عام کر رہے تھے۔ یہودی، پولش، معذور، مجرم۔۔۔ ان کے لئے یہ برا وقت تھا۔

	ہندوستان کے شہری جنگِ عظیم اول اور دوئم میں برما، عراق، افریقہ میں محاذوں پر برٹش فوجوں کی طرف سے جنگ لڑ رہے تھے۔ جاپانیوں، جرمنوں، عثمانیوں، افغانیوں، سوڈانیوں، اطالویوں، چینیوں کے خلاف ہندوستانی فوجی مختلف وقتوں میں برٹش یونین جیک تلے دادِ شجاعت دکھاتے رہے ہیں۔ خود ہندوستان میں جتنی بھی جنگیں ہوئیں، اس میں لڑنے والوں میں انگریز بہت کم رہے ہیں۔ انگریزوں نے ہندوستان میں جو بُرا کیا، اس پر پہلے بھی لکھا ہے اور امپیریل ازم کی بہت ہی تاریک سائیڈ پر اس سلسلے میں بھی ذکر آئے گا۔ صرف یہ کہ برٹش امپیریل ازم کا ٹھیک موازنہ دوسری کالونیل طاقتوں کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ نازی ازم کے ساتھ نہیں۔
سوال	**Mohammad Zackaryaa Mohiuddin** مرزا مغل کے حوالے سے یہ بھی تاریخی کتب اور دستاویز کا حصہ ہے کہ ان کے اور صوبیدار بخت خان جن کو جنرل کا خطاب بادشاہ نے دیا تھا شدید اختلاف تھا۔ بخت خان کو اعتراض تھا کہ مرزا مغل کو فوجی معاملات کا علم نہیں ہے اور وہ بیجا مداخلت کرتے ہیں۔ مرزا مغل کے دل میں تخت پر قبضہ کرنے کی بھی خواہش تھی اور محل کے خواجہ سراوں نے انہیں صاحب عالم سے جہاں پناہ بنا دیا تھا۔
جواب	بہادر شاہ ظفر نے مرزا مغل کی جگہ بخت خان کو کمانڈر انچیف دو جولائی کو مرزا مغل کی جگہ پر مقرر کیا تھا۔ مرزا مغل سویلین ایڈمنسٹریشن میں رہے تھے۔ بخت خان کو چند ہفتوں بعد جب اس عہدے سے برطرف کیا گیا تو یہ کمان دس رکنی کمیٹی کو دے دی گئی تھی جس میں بخت خان بھی تھے اور مرزا مغل بھی۔
سوال	**Mohammad Zackaryaa Mohiuddin** کیا مرزا مغل ان تین شہزادوں میں شامل تھے جنہیں مقبرہ ہمایوں سے گرفتار کیا گیا تھا؟
جواب	جی، مرزا مغل ان تین شہزادوں میں سے ایک تھے۔

14۔ نازک صورتحال

شہر کے کوتوال معین الدین نے 52 انگریز شہریوں کو محفوظ رکھنے کے لئے حراست میں لیا تھا اور انہیں شاہی محل میں رکھا تھا۔ یہ ان کی جان بچانے کے لئے کیا گیا تھا۔ سپاہیوں کو جب بھنک پڑی تو انہوں نے حکیم اور خواجہ سرا پر الزام لگایا کہ یہ انگریزوں سے ملے ہوئے ہیں اور اس وجہ سے ان کی جان بچانا چاہ رہے ہیں۔ قیدیوں کو شاہی قید خانے سے نکال کر لاہور دروازے کے پاس لے جا کر نوبت خانے کے میدان میں پیپل کے درختوں سے باندھ دیا گیا اور ان پر آوازے کسے جانے لگے۔ انہیں ذبح کرنے کی تیاری ہونے لگی۔

بادشاہ اور درباری ششدر کھڑے تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ آخر بادشاہ نے سپاہیوں کو حکم دیا، "مسلمان الگ ہو جائیں اور ہندو الگ۔ اور جا کر اپنے اپنے مذہبی راہنماؤں سے جا کر پوچھیں کہ کیا بے بس مردوں، خواتین اور بچوں کو ذبح کر دینے کا انہیں کوئی اختیار ہے؟ اس طریقے سے قتل کی اجازت نہیں دی جا سکتی"۔ سعید مبارک شاہ لکھتے ہیں کہ "بحث بڑھتی گئی۔ پھر بادشاہ رو پڑے اور کہا کہ اگر یہ ظلم کیا گیا تو خدا کا قہر ہم پر نازل ہو گا۔ کوئی بے قصوروں کو بھی اس طرح مارتا ہے؟ لیکن انقلابیوں نے ایک نہ سنی اور کہا کہ ہم انہیں قتل کریں گے اور آپ کے محل میں ہی کریں گے خواہ کچھ بھی ہو اور پھر ہم اور آپ انگریز کی نظر میں اس میں برابر کے قصوروار ہوں گے"۔

بات اتنی بڑھ گئی کہ حکیم احسن اللہ نے کہا کہ "اگر یہ ہونے دیا گیا تو انگریز دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے لیکن ان جذباتی لوگوں کے آگے عقل استعمال کی گئی تو وہ نہ انہیں زندہ چھوڑیں گے، نہ ہمیں اور نہ بادشاہ کو"۔

قیدیوں کو بٹھا کر گولیوں اور تلواروں سے مار دیا گیا اور لاشوں کو بیل گاڑیوں میں بھر کر دریا میں بہا دیا گیا۔ یہ واقعہ دہلی والوں کے لئے شدید بے چینی کا باعث بنا۔ دہلی اخبار نے تجزیہ دیا، "ان پوربیوں کے بھیانک ظلم کی وجہ سے ہم انگریز سے جیت نہیں پائیں گے"۔

ظفر کے لئے یہ قتلِ عام ایک ٹرننگ پوائنٹ تھا۔ سپاہیوں نے درست اندازہ لگایا تھا کہ برٹش اس کا انتقام لینے آئیں گے اور شاہی محل میں ہونے والے اس قتلِ عام کا ذمہ دار شاہی خاندان ٹھہرایا جائے گا۔ اس کو روکنے میں ناکامی نے بہادر شاہ ظفر کے لئے واپسی کا راستہ بند کر دیا تھا اور ان کے خاندان کو ختم کرنے کی مہر لگا دی تھی۔

\-------------------

سپاہیوں کے آپس کے جھگڑے بھی معمول تھے۔میرٹھ کے سپاہی اور دہلی کے سپاہیوں میں جھڑپیں ہو جاتی تھیں۔اخبار کا تراشہ، "ہر کوئی بے بس ہے۔کئی لوگ فاقہ زدگی کا شکار ہیں۔شہر کے کوتوال کی ہر کوئی تعریف کرتا ہے لیکن ان تلنگوں کو قابو کون کرے۔دو کام بہت اہم ہیں۔تنخواہوں کی ادائیگی اور تلنگوں کو لگام دینا"۔

انیس مئی کو ایک نئی تقسیم ابھر آئی۔قدامت پرست مولوی محمد سید نے جامعہ مسجد میں خطبہ دیا اور کہا کہ یہ صرف مسلمانوں کا جہاد ہے اور اس کا پوسٹر لگوا دیا۔ظفر نے اس کو اتروا دیا کہ یہ ہندووٗں کو غصہ دلائے گا۔اگلے روز مولوی محمد سید اپنے گروپ کے ساتھ شاہی محل میں آ گئے کہ ہندو انگریزوں کے حمایتی ہیں اور ان کے خلاف بھی جہاد فرض ہے۔محل میں ہندو اور مسلمانوں کی گرما گرم شروع ہو گئی۔بہادر شاہ ظفر نے خاموش کروا کر کہا کہ ان کی نظر میں ہندو اور مسلمان برابر ہیں اور یہ خیال صرف حماقت ہے۔پوربی سپاہیوں کی اکثریت ہندو ہے اور دہلی میں خانہ جنگی شروع نہیں کی جا سکتی۔جہاد انگریز کے خلاف ہے۔ہندو کے خلاف نہیں۔

اس موقع پر تو ظفر جہادیوں کو خاموش کروا کر واپس بھیجنے میں کامیاب رہے لیکن آٹھ ہفتے بعد جب شمالی ہندوستان سے آنے والے مجاہدین کے بڑی تعداد شہر میں اکٹھی ہو چکی تھی، ان کے لئے یہ روکنا بہت مشکل ہو جانا تھا۔

\----------

برٹش آرمی کے لئے دہلی پر پیشقدمی آسان نہیں رہی۔فوج کو اکٹھا کرنے، لڑنے والے سپاہی ڈھونڈنے اور پلان بنانے میں دشواری رہی۔لیکن 30 مئی کو ہنڈان پر برٹش فوج پہنچ چکی تھی جہاں پہلی لڑائی لڑی گئی۔مرزا ابو بکر کی قیادت میں دریا کے پُل پر یہ جھڑپ ہوئی۔اگرچہ برٹش نے مغل فوج کو پسپا کر دیا لیکن انہیں اندازے سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔جنرل ولسن خود اس جھڑپ میں بمشکل زندہ بچے۔پہلی جون کو جنرل برنارڈ کی قیادت میں گورکھا فوج ان سے آن ملی۔ان تک دہلی میں ہونے والے قتلِ عام کی خبر مزید مبالغہ آرائی کے ساتھ پہنچی اور برٹش غصے سے بھرے ہوئے تھے۔مقامی لوگوں کے ساتھ سفاکی سے سلوک ہونے لگا۔ہیریٹ ٹٹلر لکھتی ہیں، "میں نے سفید کپڑوں میں ملبوس ایک نانبائی کو درخت سے پھانسی لگے دیکھا۔اس کا قصور یہ تھا کہ اس نے ناشتہ دیر سے پہنچایا تھا"۔

\-----------------

مرزا مغل نے وقت ضائع نہیں کیا تھا۔دہلی کے قلعے کی دیواروں کی مرمت کر دی گئی تھی۔سلیم گڑھ میں آرٹلری نصب ہو چکی تھی۔ توپیں دیوار پر پہنچ چکی تھیں۔دفاعی تعمیرات زور و شور سے کی جا رہی تھیں۔دہلی کے شمال میں جی ٹی روڈ پر پرانی کاروان سرائے میں دفاعی پوزیشن متاثر کن تھی۔دونوں اطرف میں دلدلی علاقے کے بیچ آرٹلری کی لائن اور مغرب میں پہاڑی۔یہ ایک بہترین عسکری دفاعی پوزیشن تھی۔مغل توپوں کا سامنا کئے بغیر یہاں سے نہیں گزرا جا سکتا تھا۔

یہ وہ مقام تھا جہاں برٹش فوج نے اہم معرکے میں کامیابی سے لڑائی لڑی اور مغل توپوں پر قبضہ کر لیا اور یہ اس جنگ کا بہت اہم واقعہ تھا۔سات جون کو صبح ساڑھے چار شروع ہونے والی یہ جھڑپ شام پانچ بجے تک جاری رہی اور یہ علاقہ برٹش کے پاس تھا۔ظہیر دہلوی بیان کرتے ہیں، "سڑک خون سے تر تھی۔جیسے ہولی میں کسی نے سرخ رنگ پھینکا ہو۔مجھے سپاہی سوار نظر آئے جن کے سینے پر گولی لگی تھی۔آنتیں نکلی پڑی تھیں۔ایک ہاتھ پستول پر، ایک گھوڑے کی رکاب پر۔چہرہ ایسے جیسے تکلیف کا نشان نہ ہو۔میں آج تک حیران ہوتا ہوں کہ انسان اتنا زخمی ہو کر زندہ کیسے رہ سکتا ہے چہ جائیکہ میدان سے چار میل دور سواری بھی کر کے آ گیا ہو۔میں نے ایک اور فوجی کو دیکھا جو گھوڑا تیز دوڑا رہا تھا۔اس کے زخم سے خون ایسے ابل رہا تھا جیسے فوارہ چھوٹ پڑا ہو۔اس کے پیچھے ایک اور جس کا بازو کٹ گیا تھا۔میں نے بہت سے زخمی دیکھے جو کیمپ ہسپتال کی طرف جا رہے تھے"۔

سات جون کو جنرل ولسن کی فوجیں دہلی سے آٹھ میل دور علی پور کے کیمپ میں پہنچ چکی تھیں۔اس سے اگلے روز برطانوی پوزیشنوں سے گولے برسنا شروع ہو گئے۔دہلی اب حملے کی زد میں تھا۔

دہلی سے جواب فوری آیا۔موثر اور ایکوریٹ۔برٹش پوزیشنوں کو نشانہ بنایا جانے لگا۔یہ برٹش کے لئے غیر متوقع تھا۔جان ایڈورڈ روٹن کے مطابق،

" ہمیں اب احساس ہوا کہ دہلی کو اتنی فوج سے فتح کرنے کا خواب دیوانگی تھی۔ہم دہلی کا محاصرہ کرنے آئے تھے۔ہمیں جلد ہی سبق مل گیا کہ حقیقت میں ہم محاصرہ کرنے والے نہیں، بلکہ خود محصور تھے"۔

دہلی پر قبضے کی باقاعدہ جنگ شروع ہو چکی تھی۔

ساتھ لگی تصویر شاہی محل کے نوبت خانے کی ہے۔محل میں اس جگہ پر کئے گئے 52 شہریوں کے قتلِ عام کا قصوروار بہادر شاہ ظفر کو ٹھہرایا گیا۔

سوالات وجوابات

سوال	**Sahibzada Fakher Maharvi** سر اگر کسی طرح سے آپ دہلی کی لڑائی کے مقامات کو واضح کر سکیں تو سمجھنے میں بہت آسانی رہے گی۔
جواب	یہ جنگ کا نقشہ ہے۔ دہلی شہر کے شمال مشرق میں دہلی فیلڈ فورس (برٹش فوج) کا کیمپ تھا جو اس میں دکھایا گیا ہے۔ کیمپ اور شہر کے بیچ میں ایک ٹیلا تھا۔ اس وجہ سے دہلی فیلڈ فورس کی پوزیشن شہر سے نظر نہیں آتی تھی۔
سوال	**Khan Inaam Khan**۔ کیا اس وقت مغل فوج تھی اگر تھی تو ان کی تعداد کتنی تھی؟
جواب	نہیں، مغل فوج نہیں تھی۔ مغلوں کے پاس قلعے کے لئے گارڈز تھے۔ دہلی کی حفاظت کی ذمہ داری ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس 1803 سے تھی۔

15۔ جنگ کا آغاز

دس جون کو دہلی پر گولہ باری شروع ہو گئی۔ یہ گولے کسی گھر پر گرتے، کسی بازار میں، کسی دیوار کو توڑ دیتے۔ شاہی محل اور انتظامی مراکز کو نشانہ بنائے جانے کی کوشش تھی۔ حوض کے کنارے بیٹھے بادشاہ کے قریب گرنے والے گولے میں وہ بال بال بچے۔ شہریوں کے حوصلے پست پڑ رہے تھے۔ دہلی والے، خواہ انگریزوں کے حامی یا خلاف اب محسوس کر رہے تھے کہ وہ کسی پنجرے میں بند چوہے ہوں جس کے پاس کوئی راہِ فرار نہ ہو۔

غالب اس وقت کے بارے میں لکھتے ہیں۔ "کبھی دلی میں شرفاء اور معززین روشن محفلوں میں بیٹھا کرتے تھے۔ گلاب کی مہک سے معطر محفلیں سجا کرتی تھیں۔ اب اندھیرا ہے اور مصیبت کے شعلے۔ شہر کی خوبصورت عورتیں بھی چوروں اور لٹیروں سے بے عزتی کے خوف سے گھروں میں بند ہو گئی ہیں۔ ہمیں ان بدمعاشوں کے ہاتھ مصیبت جھیلنا ہے۔ ڈاک بھی بند ہو گئی۔ نہ خط وصول کئے جا سکتے ہیں اور نہ بھیجے جا سکتے ہیں۔ اب دن رات توپوں کی گھن گرج چلتی ہے۔ چراغوں میں ڈالنے کے لئے تیل نہیں رہا۔ رات کو گھپ اندھیرا ہوتا ہے اور اس اندھیرے میں توپ کی روشنی میں ہی پانی پینے کے لئے گلاس ڈھونڈا جا سکتا ہے۔ بہادر لوگ بھی اس انتشار میں خوفزدہ ہیں۔ اپنے سائے سے ڈر لگنے لگا ہے"۔

عام شہریوں کے لئے مسائل اس سے زیادہ تھے۔ خوراک کا مسئلہ پیدا ہو چکا تھا۔ مہنگائی تیزی سے بڑھنے لگی تھی۔ اور اس سے لاقانونیت میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

لیکن اس کے باوجود شہر میں اعتماد تھا۔ برٹش کی واپسی شہر والوں کے لئے شاک کا باعث تھی لیکن جلد ہی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ اتنے طاقتور نہیں اور جلد شکست سے دوچار ہو سکتے ہیں۔ نگاہیں اب سپاہی دستوں پر جمی تھیں کہ وہ انگریز افواج کو ان کے کیمپ سے نکالنے میں کامیاب ہو جائے گے لیکن جیسا ابتدائی کوششوں سے پتا لگا۔۔۔ یہ اتنا آسان نہیں تھا جتنا لگ رہا تھا۔

انقلاب کے پہلے دو ہفتوں میں انبالہ اور جالندھر، ہریانہ اور نصیر آباد سے انقلابیوں کے ساتھ مزید سپاہی پہنچ رہے تھے۔ بنگال کی 139000 فوج میں سے صرف 7796 انگریزوں کے پاس بچے تھے۔ باقی بغاوت کر چکے تھے۔ ان میں سے اچھی تعداد دہلی میں تھی یا راستے میں۔ شاہ مل جاٹ سے بغاوت کرتے ہوئے تین سے چار ہزار مسلح جاٹوں نے برٹش لائنوں پر باغ پت میں حملہ کر کے انگریزوں کی دہلی فیلڈ فورس کا رابطہ میرٹھ سے کاٹ دیا تھا۔

فری لانس جہادی جس میں وہابی مولوی بھی تھے، عسکریت پسند نقشبندی فقیر بھی اور مسلمان سویلین بھی، ان کا چار ہزار کا پہلا دستہ آیا تھا۔ جہادیوں نے اپنا کیمپ جامعہ مسجد کے صحن میں اور زینت المساجد میں لگایا۔ سپاہی اور جہادی اگرچہ ملکر لڑ رہے تھے لیکن آپس میں اعتماد کی کمی رہی۔ مجاہدین کی قیادت کے شعلہ بیان خطابات میں دہلی والوں نے زیادہ دھیان نہیں دیا اور بہت کم نے ان کے ساتھ شمولیت اختیار کی۔ زیادہ جہادی پنجاب سے تعلق رکھنے والے کپڑا بننے والے، تاجر اور دیہاڑی دار تھے۔ ان کے ہتھیار گنڈاسے اور کلہاڑی تھے، نیلے کپڑے اور سبز پگڑیاں ان کی پہچان تھیں۔ دہلی کے کلچر کے نازک توازن سے بے خبر تھے۔

انہیں نظر انداز کئے جانے کی شکایت تھے۔ ان میں سے کچھ ظفر کے پاس درخواست لے کر آئے کہ "ہم کافروں کے خلاف جہاد کرنے بڑے ولولے سے آئے ہیں لیکن ہمارا خیر مقدم نہیں کیا گیا۔ کل ہم نے اپنے ہاتھوں سے اٹھارہ کافر جہنم واصل کئے ہیں۔ دوسری آرمی ہمارا ساتھ نہیں دیتی، وہ الگ تھلگ کھڑے رہتے ہیں۔ اگر وہ ساتھ دیتے تو بڑی کامیابی حاصل کی جا سکتی تھی۔ ہمیں مدد بھی چاہیے، فنڈ بھی اور ہتھیار بھی تا کہ ہم کافروں کو ختم کر سکیں اور ان کے ارادے ناکام بنا سکیں"۔

جولائی کے آخر تک جہادی پارٹیاں آتی رہیں۔ دہلی میں ان کے لئے سب سے بڑا مسئلہ خوراک اور فاقہ زدگی کا رہا۔

ان گروپس کے آنے سے ہندوؤں کے رویے میں فرق آیا۔ مئی اور جون میں انگریز کے خلاف ردِ عمل میں ہندو اور مسلمان میں فرق نہیں تھا۔ ہندو پنڈت بھی انگریز کے خلاف اتنے ہی شعلہ بیان تھے جتنے مسلمان مذہبی راہنما۔ پنڈت شاستر اسے احکامات سنایا کرتے تھے کہ ان کے لئے انگلش ملیچھ سے لڑنا کیوں ضروری ہے۔ پنڈت ہری چندرا اس معاملے میں پیش پیش تھے۔ انہوں نے اپنے ماننے والوں کو بتایا تھا، "نئی کوروک شاستر الکھی جا رہی ہے، جیسا کہ کرو اور پانڈے کی جنگ تھی۔ سپاہیوں کے گھوڑوں کے قدم انگریز خون سے رنگے ہوں گے اور جیت ہمارا مقدر ہے"۔

فتحِ اسلام کے عنوان سے شائع ہونے والے پمفلٹ میں لکھا تھا، "یہ دین اور دھرم کی جنگ ہے۔ گائے کی حرمت اور سور کی نجاست نہ ماننے والوں سے جنگ ہے۔ ہندوؤں کو اپنا دھرم بچانے کے لئے بادشاہ کا ساتھ دینا ہو گا۔ ہندو اور مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ ہم اکٹھے ملکر انگریز کو ختم کریں گے۔ مسلمان بادشاہ ہمیشہ سے سب کی جان و مال کی حفاظت کرتے آئے ہیں۔ ہندو دل و جان سے مسلمان بادشاہوں کے وفادار رہے ہیں۔ ہندو کے لئے ان کا دھرم، مسلمان کے لئے اس کا دین۔ اور اس کی خاطر ایک دوسرے کا ساتھ"۔

جیسا کہ بعد میں سید احمد خان نے نوٹ کیا کہ برٹش فوج میں کام کرنے والے سپاہی اکٹھارہ کر ایک دوسرے کے ساتھ اتنے گھلے ملے ہوئے تھے کہ ہندو سپاہی مسلمان اصطلاحات استعمال کرتے تھے۔ اس انقلاب کو ہندوؤں میں بھی جہاد کہا جاتا تھا اور برٹش کو کافر۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

جہادیوں کی آمد کے ساتھ یہ مزاج بدلنے لگااور ساتھ ہی تناؤ بھی آ گیا۔ لیکن ان کی جرات اور بے جگری بے مثال تھی۔ اور ان جہادیوں میں سے کئی مشہور جہادی خواتین تھیں۔ سعید مبارک شاہ کے الفاظ میں۔

ان میں سے کئی جنونی دست بدست مقابلہ کرنے کو پسند کرتے تھے اور اسی وجہ سے بڑی تعداد میں مارے گئے۔ لیکن یہ پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔ رام پور“ سے آنے والے دو خواتین اکثر باغیوں کی قیادت کرتے دیکھی گئیں۔ ننگی تلواروں کے ساتھ دور تک گھس جاتیں اور سپاہی اگر ہچکچاتے تو انہیں بے نقط سناتیں کہ عورتوں سے پیچھے رہ گئے ہو؟ رام پور کی خواتین میں سے ایک پکڑی گئی۔ خواتین اسلحہ لا کر دیتیں اور اگلے مورچوں میں لڑنے والوں میں بھی تھیں”۔

لیکن حملوں میں بار بار ناکامی کیوں ہو رہی تھی۔ اس کی وجہ جلد ظاہر ہونے لگی۔ یہ بہادری کی کمی نہیں تھی بلکہ جنگی حکمتِ عملی کا فقدان تھا اور کوآرڈینیشن نہ ہونا تھا۔ اگر سپاہیوں کی مسلسل آمد جاری نہ ہوتی تو یہ انقلاب دم توڑ چکا ہوتا۔

پاگل پن کی حد تک بہادری دکھاتے ہوئے سامنے سے حملہ کرنے والے برٹش کی دہلی فیلڈ فورس کے لئے تر نوالہ تھے۔ ان سپاہیوں کا مقابلہ اپنے سابق افسران سے تھا جو ان کی بہادری سے متاثر تھے لیکن حکمت عملی سے نہیں۔ یہ استاد اور شاگرد کی لڑائی تھی (سپاہیوں کو انگلش آفیسرز نے تربیت دی تھی)۔ جس میں سپاہی اپنی بڑی تعداد کے باوجود ناکام ہو رہے تھے۔

اس موقع پر جہادی سپاہیوں سے بھی زیادہ غیر موثر تھے۔ وہ اپنے گنڈاسے اور تلواریں استعمال کرنے قریب ہی نہیں پہنچ پاتے تھے۔ ٹائمز میگزین کے ولیم رسل نے مشرقی دہلی سے یہ ایکشن دیکھا۔

غازی اچھے لوگ تھے۔ لمبی داڑھیوں والے زیادہ عمر کے لوگ جو سبز پگڑیاں اور کمر بند پہنے ہوتے تھے اور چاندی کی انگوٹھی جس میں قرآنی آیت“ کنندہ تھی۔ اپنا سر ڈھال کے پیچھے چھپا کر تلواریں لہراتے ”دین، دین، دین“ کے نعرے لگاتے ہوئے بے حال ہو جاتے اور پھر دیوانہ وار حملہ کرتے۔ ان کا ایک جری جوان ہماری طرف اسی حالت میں بڑھا۔ ایک نوجوان فوجی نے اس کی آنکھوں کے درمیان نشانہ لیا اور گولی مار کر گرا لیا۔ اس کے بعد اس کے چہرے میں سنگین اتار دی جس سے وہ بے چارہ وہیں ختم ہو گیا”۔

سپاہیوں میں سے کئی لڑائی سے جان چھڑوانا شروع ہو گئے تھے۔ باغوں میں پڑے رہتے یا مزاروں میں پیرزادوں کو تنگ کرتے۔ 23 جون کو کمانڈر انچیف مرزا مغل کا آرڈر نظر آتا ہے۔

یہ جنگ مذہب کی جنگ ہے لیکن کئی لوگ جنگ میں نہیں جا رہے۔ کئی اپنے کوارٹروں میں چھپے رہتے ہیں کہ ان کی جان بچ جائے۔ سب نے بادشاہ" سے وعدہ لیا تھا۔ نمک حلالی کا تقاضا ہے کہ پلاٹون کافروں کو ختم کریں گی لیکن وہ ہمت نظر نہیں آ رہی۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ جب ہمارا مذہب خطرے میں ہے، پھر بھی ایسا کرنا؟؟ کل سے اگر کوئی پلاٹون لڑنے نہ پہنچی تو اس کا مشاہرہ بند کر دیا جائے گا اور جو بہادری دکھائیں گے انہیں انعامات اور تمغے ملیں گے اور بادشاہ سلامت خود ان کا شکریہ ادا کریں گے"۔

انقلابیوں کے نقطہ نظر سے سب سے افسوسناک چیز یہ رہی کہ انہوں نے برٹش کی کمزوری ڈھونڈ لی تھی۔ 19 جون میں کئے گئے حملے میں سپاہی معمول سے ہٹ کر نئے طریقے سے حملہ آور ہوئے تھے۔ یہ تین اطراف سے کیا گیا حملہ تھا۔ برٹش فوج کو اس کا مقابلہ کرنے میں بہت دشواری ہوئی تھی۔ سورج طلوع ہونے سے ایک گھنٹہ پہلے عقب سے حملہ کیا گیا تھا، پھر دو اور جگہ سے۔ انگریزوں کو سنبھلنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ جان روٹن کہتے ہیں،

دشمن بڑی تعداد میں آیا۔ ہم سوچا کرتے تھے کہ وہ عقب سے کیوں حملہ آور نہیں ہوتے۔ اس روز وہ حملہ آور ہوئے تھے۔ ہم بہت مشکل صورتحال" سے دوچار ہوئے تھے۔ بہت مشکل سے مقابلہ کیا تھا اور صرف رات کی ہو جانے والی تاریکی تھی جس نے ہمیں بچا لیا۔ اس کے بعد کیمپ میں ہر ایک کے دل میں خوف بیٹھ گیا۔ اگر دشمن ایسا کرتا رہا تو کیا ہو گا؟ اچھی چیز یہ رہی کہ ہمیں اپنی کمزوری کا پتا تھا، دشمن کو نہیں"۔

انقلابیوں کے پاس کسی بھی انٹیلی جنس نیٹورک کے نہ ہونے کا مطلب یہ تھا کہ انہیں پتا ہی نہیں لگ سکا کہ وہ فتح کے کتنے قریب تھے۔ انہوں نے اس طریقے کا حملہ بہت دیر بعد دوبارہ کیا۔ اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔

سوالات وجوابات

سوال	**Ehtisham Said** یہ ہے ہماری تاریخ جہاں مسلمان ہندو ایک دوسرے کے بھائی تھے اور ریاست سیکولر تھی
جواب	مسلمان اور ہندو اکٹھے بھی رہتے تھے اور آپس میں سر پھٹول بھی کرتے رہتے تھے۔ جہاں تک مغل نظام کا تعلق ہے، یہ سیکولر تھا۔ فرق کیا نہیں تھا، بلکہ pluralist ہے؟ اس بارے میں یہاں سے https://www.nationalreview.com/2015/04/pluralism-versus-sectarian-secularism-fred-bauer/
سوال	**Dost Muhammad** آج کل تو ہندو باقی سارے کفار سے بھی بڑھ کر مسلمانوں کے خون کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ کشمیر اور اب خود انڈیا کے اندر مسلمانوں کے جو حالات ہیں اس سے پوری دنیا واقف ہے۔ جنگ آزادی میں ناکامی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کا ساتھ دینے کے بجائے انگریزوں کا ساتھ دیا تھا جسے آپ جنگ آزادی کی پیٹھ میں چھرا گھونپنا کہہ سکتے ہیں۔ آج کی ہندو تنگ نظری دیکھ کر اس وقت کے حالات کو سمجھنا اور حالات کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں ہے۔ مسلمانوں نے تقریباً آٹھ نو سو سال برصغیر پر حکمرانی کی مگر ہندوؤں کیلیئے اپنے قلب و نظر میں کوئی تنگی محسوس نہ کی جبکہ ہندوؤں کو اقتدار ملتے ہی ہندوستان میں مسلمانوں کا جینا حرام ہو کر رہ گیا ہے۔ برصغیر کی جنگ آزادی میں ہندوؤں کا پیچھے ہٹ جانا میرے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان مبارک "الکفر ملۃ واحدہ" کا ثبوت ہے اور بحیثیت مسلمان میرا اس پر کامل ایمان ہے کہ میرے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کا ہر ایک فرمان برحق ہے سچ ہے اور دنیا کی کسی بھی مستند تاریخ سے کہیں زیادہ معتبر و مستند ہے۔
جواب	جنگ آزادی میں ناکامی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کا ساتھ دینے کے بجائے انگریزوں کا ساتھ دیا تھا جسے آپ "جنگ آزادی کی پیٹھ میں چھرا گھونپنا کہہ سکتے ہیں۔" تاریخ کو اس فقرے سے خاصا اختلاف ہے۔
سوال	**Dost Muhammad** سچ کڑوا ہوتا ہے
جواب	جی اچھا

16۔ جنگ کا توازن

دلی کا محاصرہ کرنے والے برٹش فوجی اچھے حال میں نہیں تھے۔ اگرچہ ان کی خوراک کی سپلائی متاثر نہیں ہوئی تھی لیکن اس کے علاوہ ان کے لئے صورتحال مخدوش تھی۔ روز کے حملوں اور توپ کے گولوں کے علاوہ ان کا ایک دشمن سورج تھا۔ دہلی کی گرمی میں سورج سے بچنے کے لئے خیموں کے سوا کوئی پناہ نہیں تھی۔ کئی لوگ سن سٹروک سے مارے گئے۔ پانی صرف جمنا نہر سے ملتا تھا اور یہ پانی ہے یا مٹر کی یخنی؟ اس میں فرق معلوم نہیں ہو پاتا تھا۔ سیوریج کا کوئی انتظام نہیں تھا۔

مرنے والوں کے سیاہ ہوتے اور بدبو دیتے جسم بڑھ رہے تھے۔ علی پور سے کیمپ تک موت ہر صورت میں موجود تھی۔

ایک اور مسئلہ مکھیوں کا تھا۔ خیموں میں، کھانے میں۔ روٹن لکھتے ہیں،

کھانے کے اوپر مکھیوں کی تہہ ہوتی تھی۔ چائے کے کپ پر بھی مکھیاں بھنبھناتی رہتیں۔ اگر احتیاط نہ کریں تو یہ اوپر سے مکھیوں بھر جاتا تھا جو اس کے اوپر تیر رہی ہوتی تھیں۔ کچھ مردہ اور کچھ قریب المرگ"۔

چارلس گرفتھ ایک نوجوان لیفٹیننٹ تھے، لکھتے ہیں۔

آپ کی آنکھ گولے یا بگل کی آواز سے نہیں، مکھیوں کے منہ پر بیٹھنے سے کھلتی تھی۔ مرے ہوئے لوگوں کی لاشیں انہیں مرغوب تھیں۔ ہوا بدبودار تھی، گرمی شدید تھی۔ اور ہمارے کیمپ میں اس وجہ سے روز لوگ مر رہے تھے"۔

یہ مزید خراب اس وقت ہو گیا جب 27 جون کو مون سون کی تیز بارش نے آن لیا۔ برٹش آرمی کیمپ کیچڑ اور بدبودار دلدل بن گیا۔ بچھو اور سانپ بلوں سے نکل آئے۔ رات کی نیند بھی مشکل ہو گئی۔ اور پھر ہیضے کی وبا پھوٹ پڑی۔ میڈیکل کی سہولیات مفقود تھیں۔ زخمی ہو جانے والے زندہ نہیں بچتے تھے۔

جولائی آیا اور برٹش اپنے کیمپ کو بہتر بناتے گئے۔ ہیضے سے مرنے والوں کی تعداد انقلابیوں کے ہاتھوں مرنے والوں سے زیادہ تھی۔ 5 جولائی کو برٹش آرمی کے کمانڈر انچیف جرنل برنارڈ کا انتقال بھی ہیضے کے ہاتھوں ہوا۔ اس سے پہلے جرنل اینسن مئی میں بھی ہیضے سے فوت ہوئے تھے۔ نئے سربراہ جنرل تھامس ریڈ تھے جو دو ہفتوں میں ہی بیمار ہو کر میدان چھوڑ گئے اور قیادت 17 جولائی کو جنرل ولسن کے پاس آ گئی۔

اگلے روز ولسن نے لاہور میں جان لارنس کو خط لکھ کر معاملات کی سنجیدگی کا بتایا اور یہ کہ کسی بھی قیمت پر فوج دہلی بھیجی جائے اور جلد ایسا نہ کیا دہلی میں شکست ہوتی نظر آ رہی ہے۔ امداد بہت سی چاہیے، جلد چاہیے اور پنجاب سے کمک بھجوائی جائے۔ کم از کم ایک یورپی رجمنٹ، ایک سکھ رجمنٹ اور ایک پنجابی رجمنٹ۔ ورنہ انہیں جلد پسپا ہو کر کرنال کا رخ کرنا پڑے گا اور اگر ایسا ہو گیا تو نقصان ناقابلِ تلافی ہو گا۔ (یہ کانفیڈنشل خط ریکارڈ میں محفوظ ہے)۔

ولسن کی مایوسی کی وجہ یکم جولائی کو دہلی میں بریلی بریگیڈ کی آمد تھی۔ اس میں چھ سو آرٹلری، سات سو سوار اور 2300 سپاہی تھے۔ چودہ ہاتھی، تین سو گھوڑے، ایک ہزار بیل گاڑیاں، ٹینٹ، اسلحہ اور سپلائی، خزانہ اور ان کے پیچھے تین سے چار ہزار غازی۔

دو جولائی کو یہ دہلی میں کلکتہ گیٹ سے داخل ہوئے تھے۔ ان کا شاندار استقبال ہوا تھا۔ ملکہ زینت محل کے والد نواب قلی خان نے مٹھائی اور پھل تقسیم کئے تھے۔ انہوں نے ڈیرہ دہلی دروازے کے باہر جمایا کیونکہ شہر میں ان کے رہنے کی جگہ نہیں تھی۔

بریلی بریگیڈ میں ایک اور بہت اہم چیز لیڈر شپ تھی۔ بڑی بڑی مونچھوں اور لمبی قلموں والے آرٹلری کے صوبیدار بخت خان جنہوں نے انگریزوں کی طرف سے افغانوں کے خلاف جنگیں لڑی تھیں اور ان جنگوں کے ہیرو تھے۔ وہ موثر ملٹری قائد کی شہرت رکھتے تھے۔ بخت خان محاصرہ کرنے والی فوج کے کئی افسران کو ذاتی طور پر جانتے تھے۔ کرنل جارج بورشے نے ان سے فارسی پڑھی تھی۔ دوسرے لیڈر مولوی سرفراز علی تھے۔ انہیں امامِ مجاہدین کہا جاتا تھا۔ دہلی شہر اور دربار کو اچھی طرح جانتے تھے۔ دہلی میں دارالبقا میں جیومیٹری اور الجبرا پڑھاتے رہے تھے۔ بریلی بریگیڈ کے مجاہدین کے سربراہ تھے۔ یہ دو لوگ جہادیوں اور دہلی کی اشرافیہ کو اکٹھا کر سکتے تھے۔

آمد سے اگلے روز بخت خان اور مولوی سرفراز کو محل میں ریاستی پروٹوکول کے ساتھ بلایا گیا۔ یہاں پر انہیں فرزند اور صاحبِ عالم کے خطابات ملے اور مرزا مغل کو ہٹا کر بخت خان کو کمانڈر انچیف بنا دیا گیا۔ مرزا مغل کو انتظامی امور دیکھنے کا کام سونپا گیا۔

اگلے دن فوجی اصلاحات کے تھے۔ تنخواہوں کا بندوبست، لوٹ مار کرنے والوں سے بازپرس اور سزائیں، اسلحے کا سٹور سسٹم۔ تین انگریز جاسوس پکڑے گئے اور ان کو سزائے موت دی گئی۔ فوج کے تمام امور شہزادوں سے لے لئے گئے۔ فوجی پریڈ جو دہلی گیٹ سے اجمیری گیٹ تک ہوا کرتی تھی، شروع کی گئی۔

نئی ملٹری سٹریٹیجی آئی۔ فلینک سے حملے کرنے میں تین جولائی کو جزوی ناکامی ہوئی لیکن یہ نیا طریقہ تھا۔ روٹا سسٹم شروع ہوا تاکہ مختلف سپاہی مختلف وقتوں میں کام کریں اور برٹش کو سکون کا سانس نہ لینے دیا جائے۔ فوج کے تین حصے کئے گئے تاکہ باری باری انگریزوں کو الجھایا جائے۔ کوئی دن خالی نہ جائے۔

چندروز میں پانسہ بدل رہا تھا۔ برٹش آرمی تھک چکی تھی، امداد کا انتظار کر رہی تھی، جس کے بغیر مقابلے کی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔

ساتھ لگی تصویر بخت خان کے مجسمے کی، جو دہلی کے لال قلعہ میوزیم میں کھینچی گئی۔

سوالات وجوابات

سوال	**Mohammad Zackaryaa Mohiuddin** جناب یہ مولوی سرفراز وہی تھے جو دہلی کے بعد اوودھ چلے گئے تھے جہاں حضرت محل جدوجہد جاری رکھی ہوئی تھیں؟
جواب	جی، یہ بخت خان کے پیر تھے اور انہوں نے ہی بخت خان کو برطانوی فوج سے لڑنے پر مائل کیا تھا۔ (ابتدا میں بخت خان نے بغاوت سے انکار کیا تھا)۔ دہلی کے بعد دونوں لکھنو چلے گئے تھے

سوال	**Mohammad Zackaryaa Mohiuddin** مولوی صاحب تو شائد مارے گئے تھے جب کہ بخت خان لاپتہ ہو گئے تھے جن کا پتا نہیں چلا کہ کیا ہوا؟ اسی طرح ایک اور رہنماء تھے شائد جن کا نام میں بھول گیا وہ مکہ میں ظاہر ہوئے تھے؟ ایک مغل شہزادہ شائد نام شہزادہ محمد تھا جو دیلی کے سقوط سے قبل خاصہ متحرک تھا وہ بھی لاپتہ ہوا تھا اور سنا گیا تھا کہ وہ ایران سے فوجی مدد حاصل کرنے گیا ہے؟ اگر کبھی آپ کے پاس فرصت ہو تو اس سلسلے کے ختم ہونے کے بعد غدر کے کرداروں پر تھوڑی تحریر مرحمت فرمائیں گے؟ میں نے پڑھا تو بہت ہے مگر یادداشت ساتھ نہیں۔ دیتی آپ کی پوسٹ دیکھ کر یاد آتا ہے
جواب	بخت خان کا انتقال 1859 کو سوات میں ہوا تھا۔ ان کے بارے میں https://tribune.com.pk/story/109675/bakht-khan-shrouded-by-the-sands-of-time
سوال	**Mohammad Zackaryaa Mohiuddin** ۱۹۵۹ تک تو یہ لکھنو میں تھے؟
جواب	پہلے لکھنو اور شاہ جہان پور اور پھر سوات جہاں مئی ۱۸۵۹ میں انتقال ہوا
سوال	**Mohammad Zackaryaa Mohiuddin** یعنی ان کی گمشدگی کا تاثر غلط ہے۔ کیا سوات میں ان کی قبر کا نشان موجود ہے؟
جواب	سوات میں ان کی زندگی گمنامی کی تھی۔ ایک قبر ہے جس پر خیال کیا جاتا ہے کہ ان کی ہے۔ یہ بونیر میں ہے (اس وقت بونیر سوات کے اخوند کے زیرِ تسلط تھا)۔ تاریخی لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ شکست کے بعد منظرِ عام پر نہیں رہے تھے۔
سوال	**Mohammad Zackaryaa Mohiuddin** تو جناب یعنی یہ صرف ایک قیاس ہے کہ بخت خان سوات چلے گئے تھے جب کہ وہ سب سے زیادہ تلاش کی گئی ہستی ہونگے
جواب	جی، ایسے ہی ہے۔ اور اوپر سے گئے لنک میں اس کی تفصیل لکھی ہے

17۔ عید الاضحیٰ اور مذہبی صف بندی

جولائی کا مہینہ ختم ہو رہا تھا اور یکم اگست کو عیدالاضحیٰ تھی۔

بخت خان کی آمد اور نئی ملٹری حکمتِ عملی کے بعد دہلی میں امیدیں بڑھ گئی تھیں۔9 جولائی کا حملہ بے حد کامیاب رہا، لیکن انٹیلی جنس نہ ہونے کی وجہ سے دہلی میں خبر نہیں ہوئی تھی کہ نئی حکمتِ عملی کتنی کامیاب جا رہی ہے۔بخت خان ایک پروفیشنل فوجی تھے۔ ان کی خوبیوں میں معاملہ فہمی نہیں تھی۔اور جلد ہی اختلافات شروع ہو گئے۔نمیچ بریگیڈ کے جنرل غوث خان اور سدھاری سنگھ اب ان کے حریف تھے۔جولائی کے آخر میں چہ میگوئیاں زور پکڑنے لگیں۔جب 29 جولائی کا حملہ بارش کی وجہ سے ملتوی ہو گیا تو ظفر نے کہا، "جو آپ لوگ ساتھ لائے تھی، وہ خرچ ہو چکا ہے۔ہمارا خزانہ خالی ہو چکا ہے۔فتح کی طرف کچھ بھی پیشرفت نہیں ہوئی۔کئی سپاہی مایوس ہو کر واپس جانا شروع ہو گئے ہیں"۔

اور اس وقت کسی کو حیرت نہیں ہوئی جب بخت خان کو کمانڈر انچیف کے عہدے سے جولائی کے آخر میں برطرف کر دیا گیا اور کمانڈ دس رکنی کمیٹی کے سپرد کر دی گئی۔

جولائی کے آخر میں آنے والے ایک اور مسئلہ عیدالاضحیٰ کا تھا۔اس میں ٹونک کے کچھ غازیوں نے اعلان کیا تھا کہ وہ بکرا یا دنبہ ذبح نہیں کریں گے بلکہ صرف گائے کی قربانی کریں گے، سرِعام کریں گے اور یہ جامع مسجد کے آگے ہو گا۔اور جس ہندو نے اسے روکنے کی کوشش کی، اس کا بھی سر اتار دیا جائے گا۔ہم دین کی خاطر لڑنے آئے ہیں اور شہادت خواہ ہندو کے ہاتھ سے آئے یا فرنگی کے، سب برابر ہے۔

اس اعلان کے بعد کچھ ہندو سپاہیوں نے پانچ مسلمان قصابوں کے گلے کاٹ دئے کہ انہوں نے گائے کو مارا ہے۔شہر میں ہندو مسلم فسادات کا بحران صاف نظر آ رہا تھا کیونکہ نصف آبادی ہندو تھی اور نصف مسلمان۔بہادر شاہ ظفر ہمیشہ اس میں توازن رکھتے آئے تھے۔انہیں خطرے کا اندازہ تھا۔انہوں نے اس پر فوری ایکشن لیا اور اعلان کیا کہ جس نے گائے کو ذبح کیا یا گائے کا گوشت کھایا۔یا کسی کو ذبح کرنے کو کہا تو اسے توپ کے آگے رکھ کر اڑا دیا جائے گا۔اس کے بعد شہر کی انتظامیہ کو حکم جاری کیا کہ تمام گائے رکھنے والے مسلمانوں کی فہرست بنائی جائے۔یہ پانچ سو سے ایک ہزار کے درمیان تھیں۔ان سے عہد لیا گیا کہ وہ انہیں ذبح نہیں کریں

گے۔مفتی اعظم صدرالدین کو مجاہدین سے مذاکرات کے لئے بھیجا گیا۔صدرالدین نہ صرف دینی عالم تھے بلکہ مجاہدین میں بہت عزت رکھتے تھے۔سرسید کے مطابق داناؤں کے دانا تھے۔یہ کیسے کیا گیا؟ یہ تو ریکارڈ میں نہیں لیکن مولوی سرفراز اور دوسرے مجاہدین نے عید پر گائے کھانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

بہادر شاہ ظفر کے بروقت لئے گئے اقدامات سے یکم اگست خیروعافیت سے گزر گیا۔برٹش، جنہیں اس سب کی خبر جاسوسوں کے ذریعے تھی، بڑے ہنگاموں کی توقع اور امید کر رہے تھے لیکن یہ نہ ہو سکا۔ہاروی گریٹ ہیڈ نے اس پر بڑبڑاتے ہوئے اپنی بیوی کو خط میں لکھا، "کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ مسلمان اپنے دین کے لئے لڑ رہے ہیں اور عید پر ایک مسلمان بادشاہ کے ہوتے ہوئے، ان میں سے کسی کو گائے ذبح کرنے کی اجازت بھی نہ تھی"۔

عید پر ہونے والی ٹینشن ظفر کے لئے ایک ٹرننگ پوائنٹ تھا۔اڑھائی ماہ سے شہر میں لاقانونیت تھی لیکن اب شہر کا صدیوں پرانا امن بھی خطرے میں نظر آ رہا تھا۔ظفر ڈیپریشن میں جا چکے تھے اور سوچیں بے ربط ہو رہی تھیں۔ان کی وفاداری دہلی کے ساتھ اور مغلیہ خاندان کے ساتھ تھیں اور یہ لگ رہا تھا کہ نہ دہلی بچے گا اور نہ ہی ان کا خاندان۔یہ وہ وقت تھا جب ہمیں ان کی سوچ بے ربط نظر آتی ہے۔مثلاً، انہوں نے اپنے سسر کو اودھ کا نواب بنا دیا۔اودھ سو سال سے مغلوں کے پاس نہیں تھا۔ناراض سپاہی جنرلوں کو دکن اور گجرات کے صوبے دار کی پوزیشن دے دی۔یہ علاقے مغلوں کے ہاتھ سے نکلے اس سے بھی زیادہ عرصہ ہو چکا تھا۔

شاعری میں بھی ان کے موڈ کی طرح کبھی بہت مایوسی اور کبھی غیر حقیقی امید نظر آنے لگی تھی۔سات اگست کو انہوں نے شعر لکھا کہ لندن جلد ہی ہمارے پاس ہو گا۔

بہادر شاہ ظفر کی ذہنی حالت کا اندازہ ایک خط سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے جھاجر کے نواب کو لکھا،

"موجودہ ناخوشگوار حالات میں ہم خود کو امورِ حکومت اور ملک چلانے کا اہل نہیں سمجھتے۔ہم بوڑھے ہو چکے ہیں، اس ضعف میں اب وہی کرنا چاہتے ہیں جو خدا کو راضی کر سکے اور خلقِ خدا کو۔ہم باقی وقت یادِ الٰہی میں گزارنا چاہتے ہیں"۔

اس خط میں وہ اپنے بہت ہی غیر عملی پلان کا ذکر کرتے ہیں کہ تیمور کے گھرانے کی تمام جائیداد مہروالی کے خواجہ قطب کے مزار کے لئے وقف کر دی جائے اور شاہی گھرانے کے افراد مکہ اور مدینہ کی مقدس زمین کی طرف چلے جائیں۔نواب آف جھاجر کو حکم دیتے

ہیں کہ جب وہ چلے جائیں گے تو دہلی کو نواب آ کر سنبھال لیں۔اس کے لئے چار پانچ سو اونٹ گاڑیاں اور پانچ چھ سو اونٹ لے کر آئیں کیونکہ دہلی میں اضافی سواریاں نہیں۔اس میں شاہی خاندان ہجرت کر جائے گا۔

نواب بہادر شاہ کے دوست تھے لیکن اس جنگ میں غیر جانبدار تھے۔انہیں نے یہ پیشکش مسترد کر دی۔

بادشاہ نے برٹش سے بھی معاملہ کرنے کے لئے مذاکرات کا مراسلہ بھجوایا۔اگرچہ جنرل ولسن اور لارنس نے برطانوی حکومت کو مشورہ دیا کہ بات چیت کر لینے میں حرج نہیں۔گورنر جنرل کیننگ نے منع کر دیا کہ کوئی مذاکرات نہیں ہوں گے۔ظفر کے ذہن میں بھی یہ خیال نہیں آنا چاہیے کہ جب بغاوت کچل دی جائے گی تو وہ واپس پرانی پوزیشن پر جا سکتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ 1857 کی جنگ کا بڑا پہلو یہ تھا کہ یہ مذہبی جنگ تھی۔لیکن یہ ایک عجیب صف بندی تھی۔برٹش افواج میں زیادہ تر لوگ برٹش نہیں، ہندوستانی تھے۔دوسری طرف ایک مسلمان بادشاہ کرسچن آرمی سے لڑ رہے تھے، لیکن جس نے یہ شروع کیا تھا، وہ زیادہ تر ہندو تھے جو خود اپنی مرضی سے بادشاہ کے پاس آئے تھے اور کہا تھا کہ انہیں بادشاہ کی سرپرستی اور ان سے برکت چاہیے۔اور اس سے عجیب یہ کہ مغل فوجوں کی یکجہتی میں رخنہ آنے کی وجہ مسلمان جہادیوں کا گروپ تھا جو اب اس فوج کا نصف حصہ تھے اور دوسری طرف برٹش اس انقلابی فورس سے مقابلہ کرنے کے قابل اس وقت ہوئے تھے جب نئی آرمی آئی تھی اور اس میں سب سے بڑی تعداد میں آنے والے پٹھان اور پنجابی مسلمان تھے۔

برٹش افواج نے جب دہلی پر حملہ کیا تھا تو اس میں 80 فیصد مقامی لوگ تھے۔ہندو سپاہیوں کی اودھ میں برٹش کے خلاف بغاوت سے شروع ہونے والی یہ جنگ جب ختم ہوئی تو باغیوں میں نصف سپاہی نہیں بلکہ سویلین جہادی تھے جو موجودہ خیبر پختون خواہ اور پنجاب سے آنے والی مسلمان اور سکھ افواج کا مقابلہ کر رہے تھے۔

اور برٹش آرمی کے برٹش بھی زیادہ تر ملی جلی نسل سے تھے۔جان رابرٹس صوم و صلوۃ کے پابند مسلمان تھے اور ان کی شادی شہزادی بیگم سے ہوئی تھی۔جان فریڈ اردو زبان کے شاعر تھے جو "جان" کا تخلص استعمال کرتے تھے اور انگریزی پڑھنے سے قاصر تھے۔اور خود ان کے بھائی دوسری طرف انقلابی فوج کی طرف سے لڑ رہے تھے۔

اس مذہبی جنگ کی مذہبی صف بندی پہچاننا آسان نہیں تھا۔

ساتھ لگی تصویر اس آٹوگراف کی جو میٹکاف کو بہادر شاہ ظفر نے اپنے ہاتھوں سے نظم کی صورت میں 1844 میں لکھ کر دیا تھا

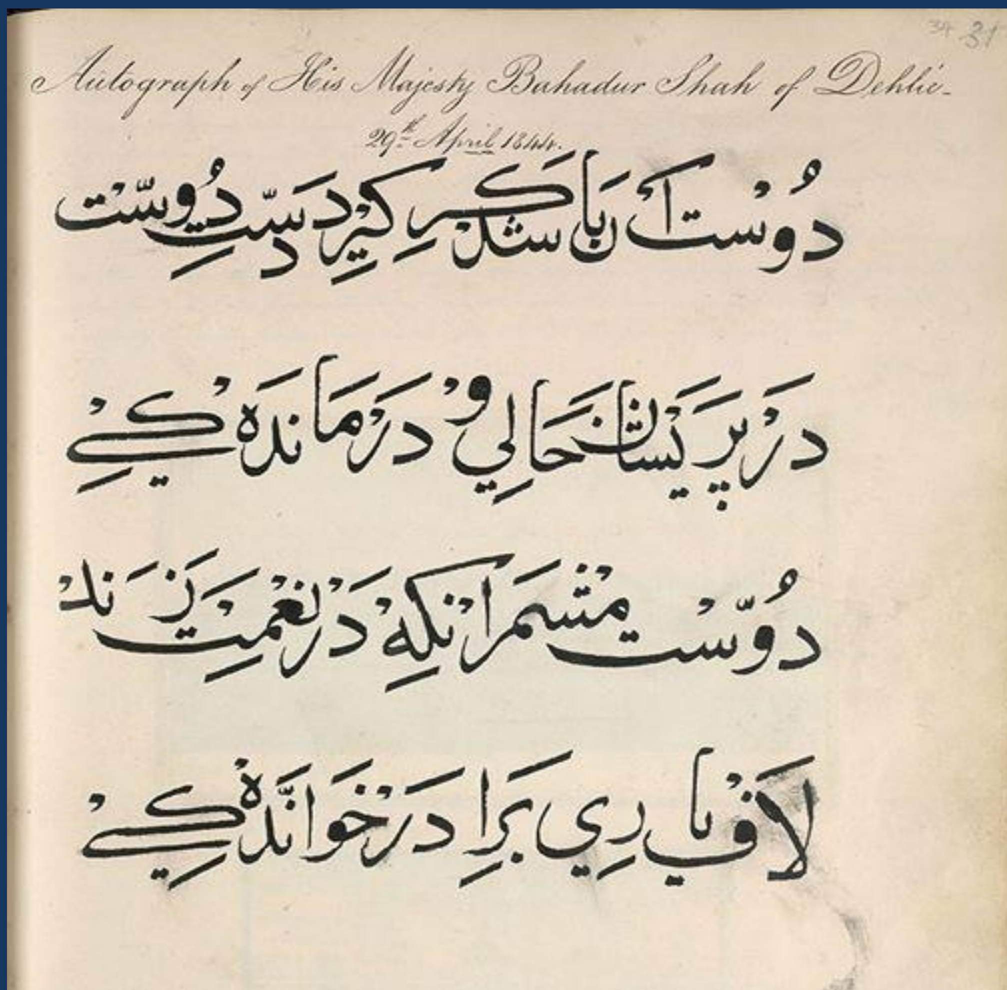

سوالات وجوابات

سوال	**Shoaib Nazir** بہت ہی چونکا دینے والی اور حیرت ناک بات۔۔۔۔ برٹش فوج میں زیادہ تر لوگ برٹش نہیں، ہندوستانی تھے۔۔۔۔ اور خاص کر کے یو پی کے وغیرہ سے۔۔۔۔ کیا ان لوگوں سے مذہب کیش نہیں کروایا جاسکا؟۔۔۔

جواب	کئی علماء کا فتویٰ یہ تھا کہ انقلابیوں کے خلاف لڑنا جہاد ہے۔ مثلاً، مولانا سید نذیر حسین کا کہنا تھا کہ باغی عہد شکنی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ کمپنی حکومت کسی کی مذہبی آزادی میں رکاوٹ نہیں تھی اور ان کے ساتھ معاہدہ تھا۔ اس کے خلاف لڑنے والے فسادی ہیں۔ اور جہاد ان کے خلاف ہے جو زمین پر فساد پھیلانے کے مرتکب ہوئے ہیں
سوال	**Muheb Ali** جنگ آزادی کامیاب ہو جاتی اگر ملانے ڈھنڈی (فتواء) نا دیا ھوتا۔ ویسے یہ باتیں ھمیں سکول اور کالج میں کبھی نہیں پڑھائی گئی
جواب	ملا کو وہی فتویٰ کیوں دینا چاہیے تھا جو ہماری خواہش ہے؟ (فتوے تو دوسری طرف بھی تھے۔ ملا کوئی ایک یونٹ نہیں ہے)
سوال	**Muhammad Raam Singh** اس وقت دلی کے لوگ اردو بولتے تھے یا فارسی؟
جواب	فارسی سرکاری زبان تھی جس کو وہ حیثیت حاصل تھی جیسی آج انگریزی کو ہے
سوال	**Mohammad Zackaryaa Mohiuddin** کچھ نئی معلومات حاصل ہوئی۔ شہنشاہ کی ذہنی حالت شائد پہلے سے ٹھیک نہیں تھی پڑھا ہے کہ وہ اپنے اجڑے ہوئے دربار میں مکھی بن کر رعایا کا دورہ کرنے کا دعوہ کیا کرتے تھے؟ اس کے علاوہ شہنشاہ نے پیری فقیری کا سلسلہ بھی شروع کرر کھا تھا۔ سقوط کے بعد جھجھر کے نواب کو سولی دی گئی تھی؟ یہ نئی معلومات ہے کہ شہنشاہ صوبے بات رہے تھے جو مغلیہ تخت کے پاس تھے ہی نہیں
جواب	بادشاہ مرید قبول کرتے رہتے تھے۔ نواب کو اس انقلاب میں برٹش کا ساتھ نہ دینے کی وجہ سے پھانسی دی گئی تھی
سوال	**Shakeel Firoz Ayyan** سر بادشاہ کو جو مسلہ حقیقت میں در پیش تھا وہ کسی بھی بادشاہ کے ساتھ ہو تا نتجہ بورا ہی ہونا تھا۔ کیونکہ یہ وقت مسلئے کے حل کا نہیں نتائج کے اظہار کا وقت تھا جس کی جڑیں کہیں ماضی میں تھیں یہ تاریخی بگاڑ تھا اور اب غیر حل طلب تھا۔ بادشاہ کی بگڑی ذہنی حالت اور مایوسی اسی کا نتیجہ تھی۔ اگر آپ اپنی رائے سے نواز سکیں تو بہتر رائے قائم کرنے میں مدد ملے۔
جواب	بہادر شاہ 82 برس کے تھے۔ نہ یہ انقلاب انہوں نے شروع کیا تھا، نہ اس کنٹرول میں تھے اور وقت کے ساتھ اس سے کنارہ کش ہوتے گئے تھے

18۔ خون کا بدلہ

اگست کے آغاز تک ملٹری توازن واپس برٹش کے پاس جا چکا تھا۔اگرچہ ان کی تعداد شہر کی فوج سے بہت کم تھی لیکن شہر سے آنے والے حملوں کی تعداد اور شدت میں کمی آ گئی تھی۔انقلابی سپاہی اور لیڈرشپ میں سے کئی دہلی چھوڑ رہے تھے۔اس بار گریٹ ہیڈ نے اپنی بیوی کو خط میں لکھا، "ہمارے دفاع کی چٹان سے ٹکرانے والی لہروں میں ویسی قوت نہیں رہی"۔

برطانوی کیمپ کا موڈ بدل گیا تھا۔اب انتقام کی بات ہو رہی تھی۔دہلی والوں کا قتلِ عام کھلم کھلا اور پرجوش طریقے سے ڈسکس کیا جاتا تھا اور یہ بھی کہ شہر کا نام و نشان مٹا دیا جائے۔برٹش پریس میں کانپور میں بی بی گڑھ میں 73 خواتین اور 124 بچوں کے برٹش ہونے کے جرم میں کئے گئے قتل کو نمایاں جگہ ملی تھی۔برٹش طیش میں تھے۔دہلی سے جان بچاکر فرار ہو جانے والے جارج ویگنٹریبر نے لکھا۔"دلی کی آلودہ دیواروں کو مسمار کئے جانا ضروری ہے تا کہ ان کے آسیب کو ختم کیا جا سکے اور ان کے کالے کرتوتوں کی سیاہی ختم کی جا سکے۔خدا ہمارے ساتھ ہے۔انصاف ہو گا۔خون کا بدلہ خون ہے۔دہلی کے بادشاہ کے تخت پر برٹش افسر بیٹھے گا۔بادشاہ کے گلے میں رسی ہو گی اور اسے انصاف کی خاطر قربان کر دیا جائے گا۔اور اس کے بعد۔۔دہلی میں خاموشی کا راج ہو گا۔موت کی خاموشی۔برٹش انصاف کے تباہ کن طوفان میں ہر ہندوستانی بہہ جائے گا"۔

پانچ اگست کو یہ انتقام ایک قدم قریب آ گیا۔برٹش دہلی فیلڈ فورس تک خبر پہنچی کہ کمک کے لئے بڑی فوج کا پہلا دستہ پنجاب سے روانہ ہو گیا ہے۔اس کے لئے لارنس نے ایک بڑا جوا کھیلا تھا۔پنجاب میں موجود تقریباً تمام یورپی فوجی اس پہلے قافلے کا حصہ تھے۔مقامی رضاکاروں کی بھی تعداد تھی۔یہ ایک میل لمبا قافلہ تھا جس میں بھاری توپخانہ بھی شامل تھا۔یہ فیروزپور سے نکل کر انبالہ تک پہنچ چکا تھا۔جی ٹی روڈ سے چند روز کی مسافت پر تھا۔لارنس نے یہ جوا اس امید پر کھیلا تھا کہ وسطی ہندوستان میں لڑائی کے دوران مغربی ہندوستان میں لاہور سے پشاور تک کا علاقہ پرسکون رہے گا۔

اور انتقام پسند برٹش کے لئے ایک اور بہترین خبر تھی۔ایک ہزار برطانوی، 600 پنجابی مسلمان سواروں (جن میں اکثریت ملتان سے تھی)، 1600 سکھوں اور توپخانے کی قیادت پشاور سے آنے والے برٹش فورس کے سفاک ترین افسر جان نکلسن کر رہے تھے۔

تریموں گھاٹ پر بغاوت کرنے والوں کے پورے دستے کا صفایا جس طریقے سے نکلسن نے کیا تھا، اس کا چرچا دور تک گیا تھا۔یہ پورا دستہ سیالکوٹ سے دہلی کی طرف جا رہا تھا کہ نکلسن نے دریائے راوی کے کنارے گھات لگائی تھی۔باغی سپاہیوں کے پیچھے دریا تھا اور آگے نکلسن کا دستہ۔انہوں نے ایک بھی سپاہی کو جیتا نہیں چھوڑا تھا۔مون سون میں بپھرے راوی میں چھلانگ لگانے کا مطلب موت تھا۔کچھ کے لئے یہی واحد طریقہ بچا تھا۔نکلسن قیدی بنانے کے قائل نہ تھے۔اس روز بھی بہت کم قیدی بنائے تھے۔اور یہ قیدی پکڑے جانے کے ساتھ ہی گولی کا نشانہ بن گئے تھے۔نکلسن اب دہلی کی طرف آنے والے پہلے بڑے دستے کی قیادت کر رہے تھے۔

نکلسن ایک سائیکوپاتھ تھے، اذیت پسند اور ہندوستانیوں سے نفرت رکھنے والے۔گورنر جنرل کیننگ کے مطابق "نکلسن انتقام کا دیوتا ہے، وہ دشمن کے دل میں دہشت ہے"۔لیفٹیننٹ اومانی نے ان کی اذیت پسندی کو دیکھا تھا اور شاک میں رہ گئے تھے۔اپنی ڈائری میں انہوں نے لکھا کہ ایک باورچی لڑکے کو انہوں نے اس لئے مارا تھا کہ وہ مارچ کرنے والوں کی لائن کے آگے آ گیا تھا۔جب اس لڑکے نے مار پڑنے پر شکوہ کیا تو دوسری بار پڑنے والی مار کے بعد جانبر نہ ہو سکا۔اپنی فوج کو بھی قیدیوں کو تشدد کے بارے میں کھلی چھوٹ دے رکھی تھی۔اومانی کی ڈائری میں اس کے کئی ہولناک واقعات درج ہیں۔

چودہ اگست 1857 کو ولسن دہلی کے باہر پہنچ گئے تھے۔

نکلسن کی دوسری خاصیتوں میں انتھک محنت اور تفصیل میں جا کر ہر چیز کو دیکھنا تھا۔برٹش جنرل ولسن کو نکلسن اور نکلسن کو جنرل ولسن بالکل پسند نہیں آئے۔

دہلی سے برٹش فورس پر حملے کم ہو چکے تھے۔برٹش کو پسند کرنے والے پنجاب کے راجاؤں کی طرف سے برٹش فوج کو تحائف اور کھانے پینے کا سامان ملنا شروع ہو گیا تھا۔جھینڈ کے راجہ نے انگریزوں کے لئے خوراک اور روزمرہ کی اشیاء کی سپلائی بیس بنا دی تھی۔انبالہ سے چاکلیٹ، ٹوتھ پاوڈر اور دوسرا سامان۔جہانگیر اور کاوس جی سستی بئیر پہنچانے لگے تھے۔

ہیضہ ابھی بھی روز کی جانیں لے رہا تھا۔مردہ جانوروں اور انسانوں کی لاشوں سے اٹھنے والا تعفن برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا لیکن برٹش خندقوں میں حوصلے اب بلند تھے۔دہلی کی طرف سے ان کے لئے اچھی خبریں آ رہی تھیں۔کئی کی نگاہیں اب دہلی کے مالِ غنیمت پر لگی تھیں۔کہیں سے ایک دو ہیرے اچک لیں گے تو وارے نیارے ہو جائیں گے۔دہلی ہندستان کا خوشحال ترین شہر تھا۔فوجی

اس کی دولت سے فیض یاب ہونے کے خواہشمند تھے۔ جب کہ کئی برٹش، جن کے خاندان کے افراد قتلِ عام میں مارے گئے تھے، انتقام کی آگ بجھانا چاہتے تھے۔

مئی سے جاری اس جنگ کے فیصلہ کن مراحل قریب آ رہے تھے۔

ساتھ لگی تصویر میں نکلسن کا مجسمہ ہے جو دہلی میں نصب رہا۔انڈیا کی آزادی کے بعد اس کو اتار کر برطانیہ بھجوا دیا گیا۔

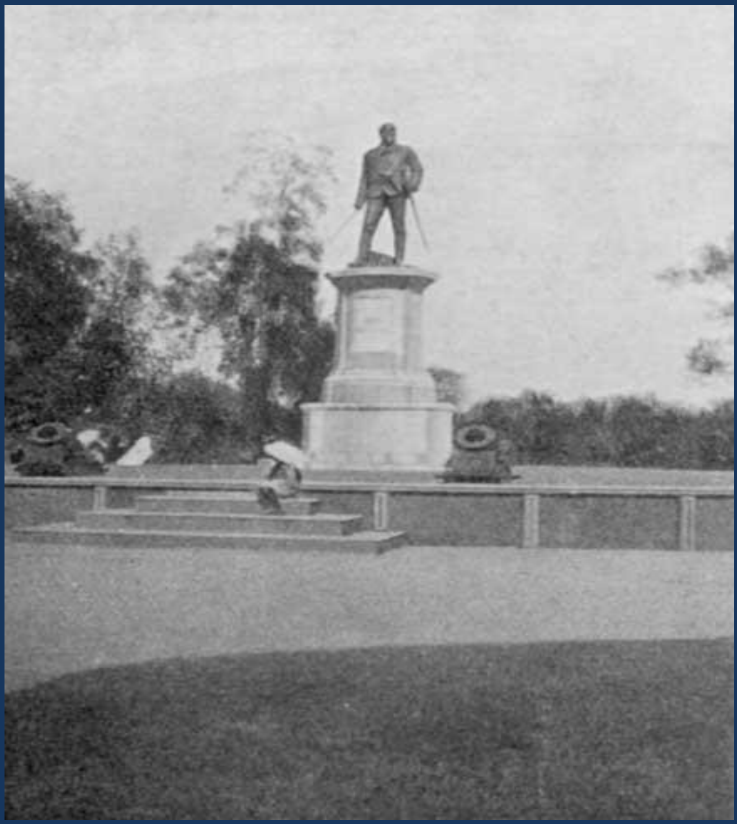

سوالات وجوابات

سوال	سر ملتان سے یہ سپاہی سجادہ نشین قریشیوں نے مہیا کئے تھے
جواب	برٹش نے رضاکار پورے مغربی ہندوستان سے اکٹھے کئے تھے۔ کچھ جگہ پر مقامی حکمرانوں نے۔ ملتان براہ عارست برٹش کنٹرول میں تھا اور یہاں پر کسی قسم کی بغاوت نہیں تھی یہاں کے رضاکار پہلے دستے میں تھے باقی جگہوں سے بعد میں آتے رہے

19۔ گیم پلٹ گئی

انگریزوں کی دماغ گھمادینے والی سفاکی کی خبریں دہلی پہنچ رہی تھیں۔ کانپور میں جنرل نیل نے جو کچھ کیا تھا، وہ کسی کا بھی دل لرزا سکتا تھا۔ جس جگہ پر قبضہ کیا، وہاں قتلِ عام کیا۔ راستے کے ہر گاؤں کو نذرِ آتش کر دیا۔ خواتین اور بچوں کو گھروں میں بند کر کے آگ لگادی۔ سکھوں کو اجازت تھی کہ پکڑے جانے والوں کو جیسے مرضی اذیت دیں۔ خون آلود زمین چاٹنے پر مجبور کیا گیا۔ مسلمانوں کو سور اور ہندوؤں کو گائے کا گوشت کھلایا گیا اور پھر لٹکا دیا گیا اور اسی پر بس نہیں کیا۔ ہندوؤں کو دفن کیا اور مسلمانوں کو جلادیا گیا۔

ہر جگہ پر انگریزوں نے خود کو قائل کر لیا تھا کہ چونکہ انگریزوں کا قتلِ عام ہوا ہے، اس لئے انقلابیوں کے ساتھ انسانوں والا سلوک روا رکھنے کی ضرورت نہیں رہی۔ اپنے مخالفین کو انسان سمجھنا بند کر دیا گیا تھا۔ کیپٹن والڈ کی ڈائری سے، "میرے لئے یہ کلوٹے سانپ اور بچھوؤں جیسے ہیں۔ ان کا واحد علاج ان کا سر کچل دینا ہے"۔

دہلی کے اندر خوراک، اسلحہ اور پیسے ختم ہو رہے تھے۔ فاقہ زدہ سپاہیوں نے دہلی چھوڑنا شروع کر دیا تھا۔ گریٹ ہیڈ کہتے ہیں، "مجھے شہزادوں کے خط ملنے لگے ہیں جو کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ سے برٹش کو پسند کرتے رہے ہیں اور ہمارے ساتھ ہیں اور وہ یہ پوچھتے ہیں کہ وہ ہمارے لئے کیا کر سکتے ہیں۔ اس کا جواب میں نہیں بتاؤں گا۔ یہ انہوں نے خود کر کے دکھانا ہے"۔

دہلی کے انقلابیوں کا ایک بڑا مسئلہ کمیونی کیشن کا تھا۔ نہ وہ مخالف فوج کے بارے میں انٹیلی جنس حاصل کر پائے تھے۔ نہ ہی وہ لکھنؤ اور کانپور کے فوجیوں سے کوآرڈینیشن کر سکے تھے۔ نہ راجپوتانہ یا وسطی ہندوستان کے آزاد حکمرانوں کو اپنا ساتھ دینے پر آمادہ کر سکے تھے۔ اگر انہیں صرف یہ معلوم ہو جاتا کہ عقب سے ان کے کئے گئے حملے کتنے کارگر رہے تھے تو دو دنوں میں برٹش فوج کا صفایا کر سکتے تھے۔ اور جتنی کمزوری ان کی سٹریٹجی اور ملٹری حکمتِ عملی کی تھی، اتنی ہی انتظامی اور مالیاتی حکمتِ عملی کی بھی۔ بدنظمی پیدا کرنا آسان کام ہے، اس کو کنٹرول کرنا بہت مشکل۔ اپنے زیرِ انتظام علاقوں میں گورننس قائم نہ کر سکے۔ ٹیکس اکٹھا نہ کر سکے اور سب سے بڑھ کر، خوراک کی سپلائی چین برقرار نہ رکھ سکے۔

جون سے جولائی آیا، جولائی سے اگست۔ شہر بھوکا اور پیاسا ہوتا گیا۔ جون میں برٹش نے جمنا نہر کو کاٹ دیا تھا۔ سقوں کے لائے گئے پانی پر انحصار رہ گیا تھا۔ آٹے یا دالوں کا شہر میں جون سے کال پڑنا شروع ہو گیا تھا۔ 28 جولائی کو قادر بخش اور کشن دیال، جو میرٹھ کے سپاہیوں کے صوبے دار تھے، دربار

میں شکایت لے کر آئے کہ ان کے فوجی فاقہ کشی کا شکار ہیں۔ اپنا سب کچھ میرٹھ چھوڑ آئے تھے اور اب سخت مشکل میں ہیں۔ نہ ان کے پاس پیسے ہیں اور نہ کوئی ادھار دیتا ہے۔ کوتوال میں دکانداروں نے شکایت کی تھی کہ انہیں پچھلا ادھار واپس نہیں ملا، وہ قرض نہیں دے سکتے۔ اور مغل یہ پیسے فوج کو دینے سے قاصر تھے۔ 14 اگست کو مدھیہ پردیش سے آنے والی نیمچ بریگیڈ نے دھمکی دی کہ اگر کھانے کو نہ ملا تو وہ واپس چلے جائیں گے۔ دو صوبے دار سدھاری سنگھ اور ہیرا سنگھ شکایت لے کر بہادر شاہ ظفر کے پاس آئے۔

اگست کے پہلے ہفتے میں ساڑھے سات سو سپاہی اور چھ سو جہادی واپس روانہ ہو گئے تھے۔

سول انتظامیہ نے پیسے جمع کرنے کی کوشش کی۔ پہلے ادھار لے کر، پھر شاہی خزانچی کی پوزیشن نیلام کر کے، پھر ساہوکاروں، بنیوں، بینکاروں کو دھمکا کر۔ اسلحہ کم ہونے کا مسئلہ ایک اور بڑی انتظامی ناکامی تھی۔ دہلی میں اسلحہ بھاری مقدار میں تھا۔ انقلاب کے پہلے دس دنوں میں کسی نے اسلحہ ڈپو پر گارڈ تعینات نہیں کئے تھے۔ لوگ ہتھیار اٹھا کر لے گئے تھے۔ سب سے زیادہ یہ کام خانہ بدوش گوجروں اور میواتیوں نے کیا تھا اور یہ اس کے بعد دہلی کے لئے بڑا خطرہ بنے رہے۔

ظفر کے ڈیپریشن میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ایک جاسوسی رقعے میں لکھا تھا، "کل دو سو تلنگے عسکری یونیفارم میں آئے کہ وہ واپس جا رہے ہیں۔ ان کی بیویاں اور گھر والے انتظار کر رہے ہوں گے اور پریشان ہوں گے۔ اور ہمارے پاس اب کھانے کو بھی کچھ نہیں۔ ہم رخصت چاہتے ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ وہ اپنے ہتھیار جمع کروا جائیں۔ انہیں پرواہ نہیں کہ کون رہتا ہے اور کون جاتا ہے۔ نہ میں نے کسی کو آنے کا کہا تھا اور نہ جانے سے روکوں گا۔ جو رہنا چاہتا ہے، رہے۔ جو جانا چاہتا ہے، جائے۔ مجھے اعتراض نہیں"۔

بنیے بے روزگار لوگوں سے قرض واپس وصول کرنے کے لئے تشدد کر رہے تھے۔ لوگ ایک دوسرے سے پرانی دشمنیاں اتارنے۔ کوتوال کا شہر پر کنٹرول نہیں رہا تھا۔

دہلی اردو اخبار، جس نے انقلابیوں کی آمد کو غیبی معجزہ کہا تھا اور انگریز کی روانگی کو برٹش تکبر کا نتیجہ قرار دینے پر مئی میں کالم لکھا تھا، اب موڈ برعکس تھا۔ "جو ہو رہا ہے، یہ ہمارے گناہوں کی سزا ہے۔ ہم نے خود کو خدا سمجھ لیا اور اس کے احکامات سے روگردانی کی۔ یہ عذاب اس کی نشانی ہے"۔ یہ 23 اگست کے اخبار میں محمد باقر کا لکھا گیا کالم تھا۔

لیکن برٹش کے خلاف فتح کی بچی کھچی امید میں جو سب سے بڑی رکاوٹ تھی وہ مختلف دھڑوں کے آپس کے اختلافات تھے جو بدتر ہوتے جا رہے تھے۔

نیمچ بریگیڈ اور بخت خان کے درمیان تلخ جذبات تھے۔ نیمچ نے بخت خان پر انگریزوں کا حامی ہونے کا الزام لگایا تھا جو غلط تھا۔ نیمچ کو اس پر قائل کرنے والے ہریانہ کے برٹش جاسوس غوری شنکر سکل تھے جنہوں نے ایک (جھوٹا) گواہ پیش کیا تھا جس نے بخت خان کو انگریزوں کو پیغامات بھیجتے دیکھا تھا۔ نیمچ بریگیڈ اور بریلی بریگیڈ کے درمیان یہ تلخ کلامی ظفر کے سامنے ہوئی تھی۔

بخت خان نے حملے کا ایک نیا اور اچھوتا پلان بنایا۔ اس میں یہ دکھائے جانا تھا کہ اجمیری گیٹ سے فوج کا بڑا حصہ دہلی چھوڑ کر جا رہا ہے۔ لیکن بجائے اس کے کہ وہ جے پور کے رخ جائے، یہ فوج نجف گڑھ کے قریب نہر کا پل پار کرے اور چھپ کر برٹش پر واپس عقب سے حملہ آور ہو۔ یہ اس قسم کی سوچ تھی جس کی کمی رہی تھی اور دو ماہ پہلے اگر یہ کیا جاتا تو بہت موثر ثابت ہوتا۔ ظفر نے اس کی حمایت کی اور جاتی ہوئی فوج کو کہا، "جاؤ، خدا تمہارا حامی و ناصر ہو۔ آج اپنی وفاداری دکھادو۔ انگریزوں کو تباہ کر کے فتح یاب ہو کر واپس آؤ"۔

یہ چوبیس اگست کا دن تھا۔ بخت خان نے یہ سب سے بڑا حملہ کیا۔ نو ہزار آدمی اور تیرہ فیلڈ گن۔ یہ نجف گڑھ کی طرف بڑھیں۔ برسات کی موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ جب پل تک پہنچے تو پتا لگا کہ جنرل ولسن اس کو دفاعی حکمت عملی کے تحت پہلے ہی گرا چکے ہیں۔ بخت خان اس کے لئے تیار تھے۔ اس پل کی مرمت کی لیکن تربیت یافتہ افراد نہ ہونے کی وجہ سے اس میں چوبیس گھنٹے لگ گئے۔ اس دوران موسلا دھار بارش میں ان کی فورس کھلے آسمان تلے تھی اور اس دوران کچھ نہیں کھایا پیا تھا۔

پچیس تاریخ کو انقلابی فورس نے یہ پل پار کیا اور آگے بڑھنا بہت مشکل مرحلہ رہا۔ تھکے ہوئے فوجی جھیل کے کنارے پہنچے۔ آرام کرنے کا وقت نہیں تھا۔ ساتھ لائی گئے توپیں کیچڑ میں دھنس جاتی تھیں۔ ان کو آگے لے جانا مشکل تھا۔ سپاہیوں کو گھٹنے گھٹنے پانی والی زمین میں چلنا پڑتا تھا۔ بریلی بریگیڈ سے آگے سدھاری سنگھ اور ہیرا سنگھ کی قیادت میں نیمچ بریگیڈ تھی۔ اس سے کچھ پیچھے نصیر آباد کی چھوٹی فورس۔ اس سے دو روز پہلے ہی نیمچ قیادت نے بخت خان کو قیادت سے ہٹانے کی کوشش کی تھی اور یہ سب کامیابی کے لئے اچھا کمبی نیشن نہیں تھا۔

نیمچ بریگیڈ کا مقابلہ نکلسن کے فوجی دستے سے ہوا۔ بخت خان تک خبر پہنچی۔ تین روز پہلے نیمچ جنرلوں نے ان پر غداری کا الزام لگایا تھا۔ بخت کو اس بریگیڈ کو بچانے میں دلچسپی نہیں تھی۔ انہوں نے اپنی بریگیڈ کی پیش قدمی روک دی۔ اگر نصیر آباد کا دستہ مدد نہ کرتا تو نیمچ بریگیڈ کا کوئی بھی شخص نہ بچتا۔ لیکن یہ ایک فیصلہ کن پوائنٹ ثابت ہوا۔ اتنی بڑی شکست انقلابی فوج کو پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔

بخت خان جب واپس پہنچے تو اپنی عزت گنوا چکے تھے۔ نیمچ کے سپاہیوں کو چھوڑ جانے پر انہیں شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ بہادر شاہ ظفر نے جنرل بخت خان کو پیغام بھجوایا کہ انہوں نے یہ حرکت کر کے نمک حرامی کی ہے۔

جب چار ستمبر کو مغربی ہندوستان سے آنے والی آٹھ میل لمبی فوج کی کمک برٹش کیمپ میں داخل ہوئی تو گیم پلٹ چکی تھی۔ دونوں فریقین میں کسی کو شک نہیں رہا تھا کہ برٹش کی طرف سے شہر پر پوری طرح براہِ راست حملہ قریب تھا۔

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

ساتھ لگی تصویر میں برٹش دہلی فورس کے لئے کمک کی آمد دکھائی گئی ہے۔

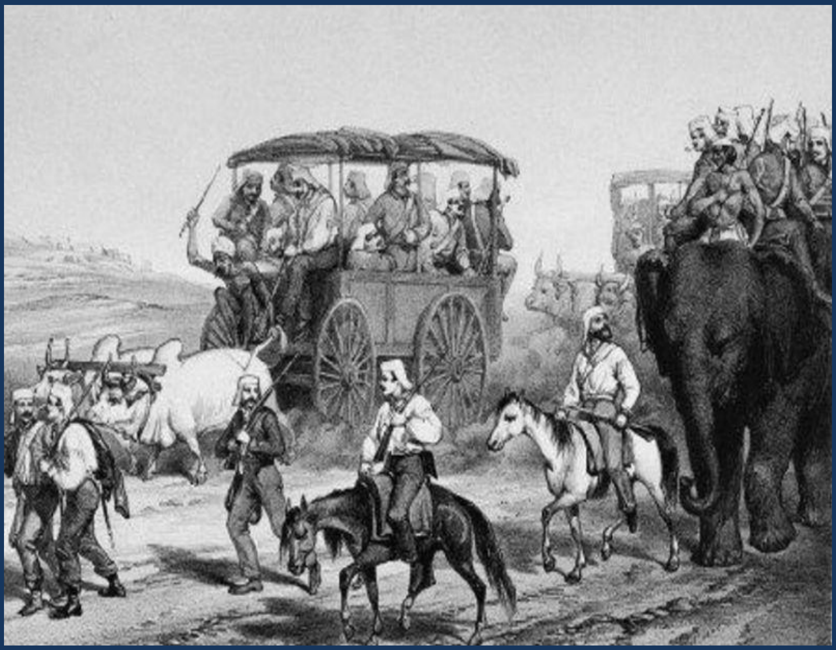

سوالات وجوابات

سوال	**Mohammad Zackaryaa Mohiuddin** دہلی میں موجود انگریزوں کے میگزین پر جنگ کے ابتدائی دنوں میں قبضہ کی کوشش کی گئی تھی۔جو انگریز فوجی اس وقت وہاں موجود تھے انہوں نے دفاع کی کوشش کی مگر رائگاں جاتی دیکھ کر اسے اڑا دیا تھا۔اکثر وقوع نگاروں نے جیسے حکیم احسن اور مرزا غالب نے اس کا ذکر قیامت خیز دھماکے سے کیا تھا۔۔ازراہ کرم تصدیق فرمائیں
جواب	درست۔دہلی میں اسلحے کا بڑا ڈپو اڑا دیا گیا تھا
~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

17۔ دہلی پر حملہ

چار ستمبر کو آٹھ میل لمبی ایک فوج کی کمک برٹش کیمپ میں داخل ہوئی۔ 60 ہاوٹزر، اسلحے سے لدی 653 بیل گاڑیاں، گولے، اور بارود کے کنستر۔۔۔ یہ پنجاب کی آرڈیننس فیکٹریوں میں تیار ہوا تھا جو اپنا کام پوری رفتار سے کر رہی تھیں۔ چھ توپیں اتنی بڑی تھیں کہ ہاتھیوں کے ٹیم انہیں کھینچ رہی تھی۔ چار سو یورپی سپاہی، بڑی تعداد میں سکھ سوار اور دوسرے۔ چارلس گرفتھ نے لکھا ہے کہ "ان میں سب سے خونخوار بلوچ بٹالین لگ رہی تھی"۔

اگلے روز دہلی شہر کے دیواریں توڑنے کا پلان ایکشن میں آ گیا۔ اس کے لئے توپوں کی تنصیب کی تعمیرات ہونے لگیں۔ قلعے کی فصیل سے یہ تیاریاں نظر آ رہی تھیں۔ تعمیرات کرنے والوں کو نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ مرنے والی برٹش فوج میں میں مقامی سپاہی بڑی تعداد میں تھے۔ فریڈ رابرٹس کے مطابق، "ایسی بے وقوفانہ حد تک بہادری ہندوستانی ہی دکھا سکتے تھے۔ ہندوستانی قلیوں پر گولیاں برستی تھیں۔ ان کا کوئی بندہ گر جاتا تھا۔ وہ کچھ دیر کے لئے رک کر افسوس سے سر ہلاتے تھے۔ کوئی اپنے دوست کے لئے آنسو بہا دیتا اور پھر لاش قطار میں رکھ کر کام میں جُٹ جاتے۔"

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

سپاہیوں میں ایک اور بغاوت چل رہی تھی۔ زینت محل کو ملکہ عالیہ کے عہدے سے ہٹا کر تاج بیگم کو ملکہ بنانے کی بات ہو رہی تھی کیونکہ زینت محل پر انگریزوں سے ساز باز کا (درست) الزام تھا۔ شہزادوں مرزا ابوبکر اور مرزا خضر سلطان پر فنڈ خرد برد کرنے کا الزام لگایا جا رہا تھا کہ انہوں نے شہر سے لاکھوں روپے اکٹھے کر لئے ہیں اور سپاہیوں کو ایک دھیلا نہیں دیا۔ بہادر شاہ ظفر نے محل کے چاندی کے برتن سپاہیوں کے حوالے کر دئے کہ انہیں بیچ کر ملنے والے پیسے خود رکھ لیں۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

لیکن جب برٹش توپوں نے آٹھ ستمبر کو گولے اگلنا شروع کئے اور شہر کی فصیلوں کو نشانہ بنانے لگیں تو پہلی بار تمام انقلابی سب کچھ بھول کر اکٹھے ہو گئے۔ اس کا بڑا کریڈٹ مرزا مغل کو جاتا تھا جنہوں نے شہر کے دفاع کے لئے سب کو اکٹھا کرنے کے لئے کام کیا تھا۔

شہر کی شمالی دیواریں توپخانے کی زد میں تھیں۔ بارہ ستمبر کو 60 توپیں ایک کے بعد دوسرا گولہ برسا رہی تھیں۔ یہ چوبیس گھنٹے جاری تھا۔ ظہیر دہلوی لکھتے ہیں کہ "خدا جانے کتنی توپیں تھیں۔ دن رات دہلی لرز رہا تھا۔ آسمان سے آگ برس رہی تھی۔ جہنم کا سماں تھا"۔

جس چیز کا برٹش کو علم نہیں تھا، وہ یہ کہ دوسری طرف شہر کے اندر مرزا مغل نے رکاوٹوں اور دفاع کا سلسلہ کھڑا کرنا شروع کر دیا تھا۔ ان کا پلان یہ تھا کہ اگر ایک بار برٹش شہر میں آ گئے تو وہ اپنا دفاعی حصار کھو دیں گے اور کشمیری دروازے کے پاس انگریزی فوج کے شکار کی تیاری تھی۔ برٹش توپچیوں کو فصیل کے اوپر سے نشانہ بنایا جا رہا تھا۔

پہلے بار جہادیوں کے گنڈا سے کام آ سکتے تھے۔ مولوی نوازش کے دو ہزار غازیوں کے علاوہ گوالیار سے خودکش غازیوں کا دستہ پہنچا تھا۔ انہوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم کچھ نہیں کھائیں گے، یا تو مر جائیں گے یا کافر ماریں گے۔ ایک اور ممتاز انقلابی سارجنٹ گورڈن تھے جو نومسلم تھے اور توپچیوں پر نشانے لگانے میں اتنا کامیاب رہے تھے کہ سپاہیوں نے انہیں نذر پیش کی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ "دیر ہو چکی ہے۔ اگر پہلے تیاری کر لی ہوتی تو برٹش توپیں ایک فٹ نہ بڑھ سکتیں۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ ان کو روکا جانا ناممکن ہے لیکن میں سب کے ساتھ یہیں شہادت پسند کروں گا"۔

پچھلے ہفتوں میں سپاہیوں کی ہونے والی واپسی کا مطلب یہ تھا کہ لڑنے والوں میں جہادی زیادہ ہو چکے تھے۔ ساٹھ ہزار کی فوج میں پچیس ہزار جہادی تھے۔ مرزا مغل دفاع کے لئے "دین بچاؤ، دھرم بچاؤ، دہلی بچاؤ" کے نعرے پر شہریوں کو اکٹھا کر رہے تھے۔ جہادی بھی مقامی لوگوں کو اکٹھا کر رہے تھے۔ دس ستمبر کو مرزا مغل نے تمام صوبیداروں کو شاہی فرمان بھجوایا۔

یہ اکٹھا ہونے کا وقت ہے۔ گائے کی تقدیس کو بچانے اور سور کی نجاست سے بچنے کا۔ ہر کوئی تیار ہو کر کشمیری گیٹ پہنچ جائے۔ اپنے گھٹیا دشمن اور پیچ" کافر کو رسوا کرنے کا وقت ہے۔ ہم اکٹھے لڑیں ہیں اور ثابت قدم رہنا ہے۔ ہر پلاٹون کے ایک ایک سپاہی تک پیغام پہنچ جائے اور اگر کوئی بہانہ بنا کر الگ ہونے کی کوشش کرے تو فوری طور پر اسے رپورٹ کیا جائے"۔

گیارہ ستمبر کو برٹش توپوں نے اکٹھا ملکر فائر شروع کیا۔ دوپہر تک شہر کی فصیلوں میں دراڑ پڑنے لگے تھے۔ دھویں کے بادل اٹھ رہے تھے۔ دیوار کے ٹکڑے گر کر نیچے خندق میں گر رہے تھے۔ کشمیر گیٹ کی توپوں کو خاموش کروا دیا گیا۔ دیوار میں دو جگہوں پر بڑے بڑے شگاف پڑ گئے تھے۔ بھوک کے باوجود انقلابی ایسی بے جگری سے لڑ رہے تھے جو پہلے نہیں دکھائی گئی تھی۔ برٹش فوج میں اس حملے میں مرنے والوں تعداد چار سو سے زائد ہو چکی تھی۔ چارلس گرفتھ نے لکھا، "باغی اپنی فیلڈ گن کا اچھا استعمال کر رہے تھے۔ ہم پر گولہ باری کی جا رہی تھی۔ ہماری کئی توپیں آگ پکڑ چکی تھیں۔ ہمارا پلان کامیابی سے بڑھ رہا تھا لیکن باغی جتنی ہٹ دھرمی دکھا رہے تھے، وہ تصور سے زیادہ تھی۔ ان کے دفاع کو ہم نے کھنڈر بنا دیا تھا لیکن وہ پھر بھی فائر کر رہے تھے۔ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی جو ہم پر ہر سائیڈ سے حملہ آور ہوتے تھے۔ انہوں نے فصیل کو اس وقت تک نہیں چھوڑنا تھا جب تک ہماری سنگینوں کا نشانہ نہ بن جائیں"۔

اتوار تیرہ ستمبر کو واضح ہو چکا تھا کہ شہر پر حملے کا وقت آ چکا ہے اور شاید یہ اگلے روز ہو جائے۔

برطانوی فوجی سیڑھی لگا کر دیوار پر چڑھنے کی پریکٹس کرتے رہے۔ شہر کو لوٹنے کے اصول طے ہوئے۔ اس کام کے لئے پرائز ایجنٹ کو ووٹ سے چنا گیا۔ ایڈورڈ کیمپبل کو سب سے زیادہ ووٹ ملے۔

جنرل ولسن نے گیارہ اعلان کیا کہ نکلسن حملے کی قیادت کریں گے۔ جو اگلے روز علی الصبح کیا جائے گا۔ چار جگہ سے شہر میں داخل ہوا جائے گا اور ہر جگہ سے داخل ہونے والا کالم مختلف منزل کا رخ کرے گا۔ پانچواں کالم ریزرو ہو گا۔ تھیومیٹکاف کے پاس اس کالم کی قیادت آئی جس نے جامع مسجد پر قبضہ کرنا تھا۔ شاہی محل پر یہاں سے حملہ کرنے کا بیس بنانا تھا۔

اس رات سب نے اپنے وصیتیں اور آخری خط لکھے۔ ایک نوجوان فوجی نے والدہ کو لکھا، "کل میں سیڑھی چڑھ رہا ہوں گا۔ کچھ لوگ مجھے گرانا چاہتے ہوں گے۔ ہتھیار مجھ پر تنے ہوں گے۔ اوپر سے گولیاں آ رہی ہوں گی۔ لیکن جلد سے جلد اوپر پہنچنا ہو گا تا کہ اپنی سنگین ان میں اتار سکوں۔ جب میں اس لمحے کا سوچتا ہوں تو ولولے سے خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ میں کسی کو گالی نہیں دوں گا۔ اس حالت کے جوش میں نکل ہی جاتی ہے۔ لیکن کوشش کروں گا کہ ایسا نہ ہو"۔

شہر میں اگلے روز کی تیاری مکمل تھی۔ بخت خان کابل دروازے کے پاس ریت کی بوریوں سے رکاوٹیں کھڑی کروا رہے تھے۔ اپنے حریف مرزا مغل سے دوستی کر لی تھی۔ مرزا مغل سے دو سو مزدوروں اور لکڑیاں بھیجنے کا کہا تھا جو انہیں فراہم کر دی گئی تھی۔ مرزا مغل نے دو محلے خالی کروا لئے تھے جہاں سے برٹش فوج کے داخل ہونے کی توقع تھی۔

مولوی محمد باقر نے "دہلی اردو اخبار" شائع کیا جو اس کی آخری اشاعت تھی۔ ان کے کالم میں لکھا تھا۔ "کافر بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ اہم چیز ہماری فوج کی شجاعت کی اور جذبے کی داد دینا ہے۔ انہیں دیکھیں کہ کافر پر روز کیسے حملے کرتے ہیں۔ اگر یہ مشکل ہمارے سر کھڑی ہے تو نہ جانے کونسا تکبر یا ناانصافی ہم سے سرزد ہوئی ہے جس کی سزا ملی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ خدا سے پناہ اور معافی مانگیں۔ اور مخلوقِ خدا سے زیادتی نہ کریں"۔

ایڈورڈ کیمپبیل نے اپنی بیوی کو لکھا کہ "یاد رکھنا، ہم پر خدا کی مہربانی ہے جو ہمارے ساتھ ہے۔ مجھے روز بروز احساس ہوتا جا رہا ہے کہ اس پر بھروسہ رکھنا کتنا اہم ہے۔ سکون صرف اسی کی ذات سے ملتا ہے۔ الارم بج گیا ہے اور میں سونے جا رہا ہوں۔ خدا ہماری حفاظت کرے"۔

آدھی رات کو برٹش فوجی بیدار ہو گئے۔ کالم بننے لگے۔ لالٹین کی روشنی میں جنرل ولسن کے احکامات پڑھ کر سنائے جانے لگے۔ ہر فوجی کو دو سو گولیاں لینی تھیں۔ زخمی کو وہیں پڑا رہنے دینا تھا۔ لوٹا ہوا مال ایڈورڈ کیمپبیل کے پاس جمع کروانا تھا۔ قیدی کسی کو نہیں بنانا تھا، زندہ پکڑنے کی ممانعت تھی لیکن "انسانیت اور ملک کے وقار کی خاطر" خواتین اور بچوں کا قتلِ عام نہیں کرنا تھا۔

صبح تین بجے کالموں نے مارچ شروع کیا۔ بہادر شاہ ظفر کے پسندیدہ قدسیہ باغ کے پھلوں کے درخت کور کے طور پر استعمال ہو رہے تھے۔ توپوں کی گھن گرج جاری تھی۔ اس سے پچھلے دس روز میں یہ اتنی زیادہ نہیں برسیں تھیں۔ رات کی تاریکی ان کے فلیش سے روشن تھی، ہوا میں بارود کی بو پھیلی تھی۔ آدھا گھنٹا یہ چلتا رہا۔ صبح کی پو پھٹ رہی تھی۔ یکایک تمام توپیں ایک ساتھ اکٹھی ہی خاموش ہو گئیں۔ قدسیہ باغ میں چھوٹے پرندوں کی چہچہاہٹ، گلاب اور پھولوں کی مہلک اور بارود کے سلفر کی بو پھیلی تھی۔

نکلسن نے آرڈر دے دیا۔ برٹش فوج دہلی کی دیواروں کی طرف دوڑ رہی تھی۔

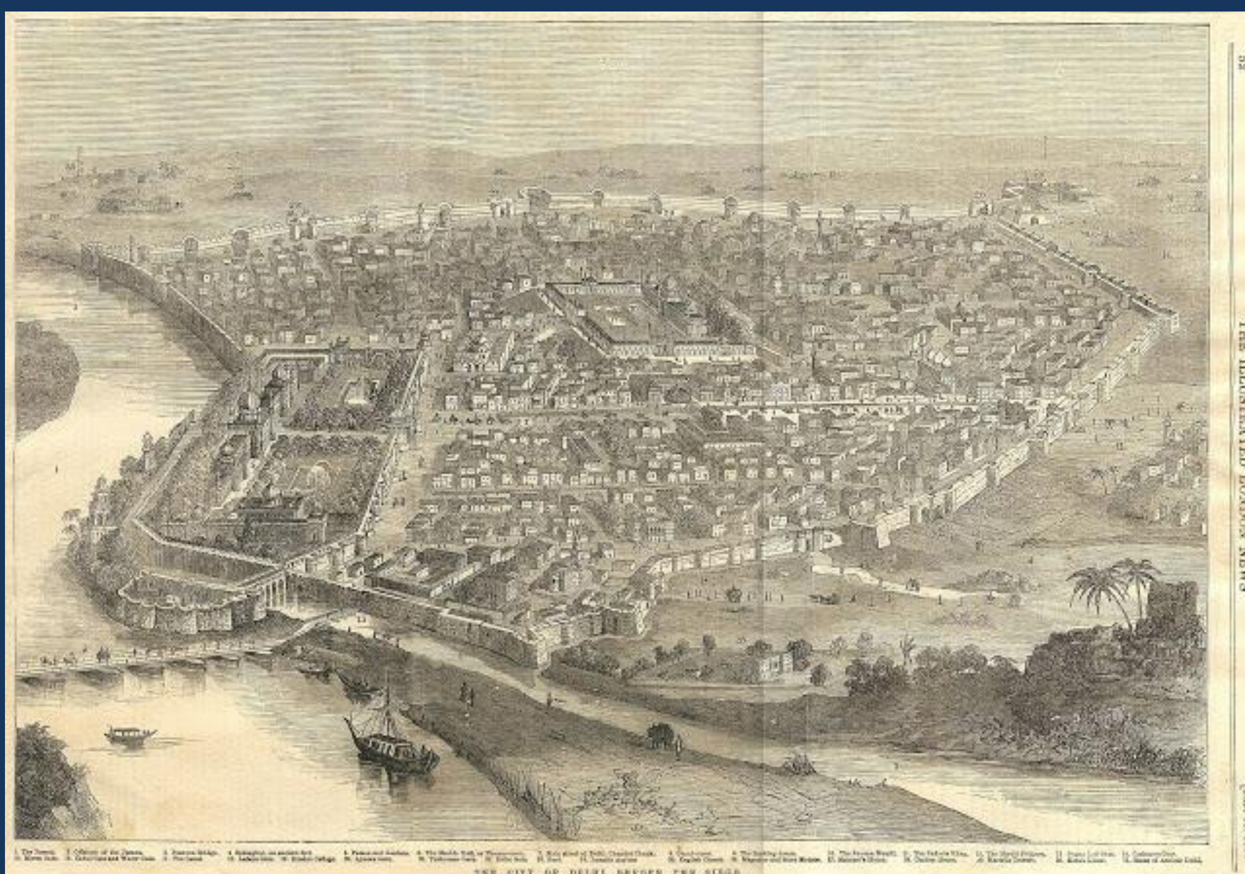

سوالات وجوابات

سوال	Mehreen Gurmani اس سیریز کو پڑھ کر علم ہوا کہ جنگ آزادی یا غدر کو ناکام بنانے میں انگریز کی اس فوج کا بڑا کردار تھا جو کہ مقامی سکھوں, پنجابیوں اور پشتونوں پر مشتمل تھی. اس سے پہلے قوم پرستوں کی متفرق تحاریر سے میرے ذہن میں یہی تاثر تھا کہ انگریز کی باقاعدہ فوج میں موجودہ پاکستان کے علاقوں سے کوئی بھرتی نہیں ہوا تھا. قوم پرستوں کو یہ سیریز ضرور پڑھنی چاہیئے.
جواب	اگر کوئی بھی ایسے لکھتا ہے کہ موجودہ پاکستان کے علاقوں سے کوئی انگریز فوج میں نہیں تھا، تو وہ حقائق سے بالکل منافی ہے۔ بنگلہ دیش کی تخلیق پر اپنی لکھی ایک سیریز سے اقتباس (یہ سیریز فیس بک کی سنسرشپ کا نشانہ بن گئی تھی) انیسویں صدی کی ابتدائی تین دہائیوں میں انگریزوں نے بڑے علاقے پر فتوحات کیں۔ اس میں بنگال آرمی نے اہم کردار ادا کیا۔ میسور، " کرناٹک، پنجاب، کیرالہ، مرہٹوں کے خلاف جنگ کے علاوہ اس نے چین، برما، انڈونیشیا کی جنگوں میں بھی حصہ لیا۔ 1857 میں اس فوج کے 74 ریجیمنٹ تھے۔ بنگالی سپاہی انگریز جونئیر آفیسرز کے ہتک آمیز رویے سے نالاں تھے۔ نئے علاقے برٹش انڈیا کا حصہ بن جانے کے بعد بنگالی فوجیوں کے لئے ان علاقوں میں تعیناتی "غیر علاقے" کی تعیناتی نہیں رہی تھی۔ پنجاب اور اودھ انگریزوں کے پاس چلے جانے کے بعد ان کی اضافی تنخواہ بھی ختم کر دی گئی تھی۔ کم تنخواہ، ہندو مسلم کشیدگی اور انگریز افسروں کے رویے کی وجہ سے مورال کم تھا۔ اس موقع پر یہ افواہ کہ گولیوں پر سور اور گائے کی چربی ہے، فلیش پوائنٹ ثابت ہوئی۔ منہ سے ان کو کھولنے کا حکم مسلمان اور ہندو دونوں کے لئے قابلِ اعتراض تھا۔ یہ وہ پس منظر تھا جہاں سے 1857 کی جنگِ آزادی شروع ہوئی۔ اس کا آغاز 26 فروری 1857 کو بنگال انفنٹری سے ہوا جب مقامی فوجیوں نے پریڈ کرنے سے انکار کر دیا۔ 29 مارچ 1857 کو بیرک پور پریڈ گراونڈ میں انگریز افسر پر گولی چلانے والے پہلے سپاہی منگل پانڈے تھے جو 34 ویں بنگال انفنٹری سے تعلق رکھتے تھے۔ اس بغاوت کو شروع کرنے والے اور اس میں سب سے زیادہ حصہ لینے والے بنگالی فوجی تھے۔ یہ شمالی اور وسطی انڈیا میں بڑی لڑائی میں بدل گئی۔ برطانیہ نے اس کو ڈیڑھ سال میں 1858 تک کچل دیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی ختم ہو گئی۔ انڈیا اس کے بعد باقاعدہ طور پر برطانوی کالونی بنا لیا گیا اور تاجِ برطانیہ کے تحت آ گیا۔ چونکہ اس میں سب سے بڑا ہاتھ بنگالی سپاہیوں کا تھا، اس لئے برطانیہ نے بنگالی آرمی کو ختم کر دیا۔ اور ان پر بھروسہ کرنے سے بھی کتراتے رہے۔ برٹش فوج میں شمال مغربی انڈیا سے آنے والوں کو ترجیح دی گئی۔ اس میں پنجابی اور پختون سب سے زیادہ تھے۔ بنگال آرمی کی مدد سے انگریزوں نے پنجاب سمیت برِصغیر کے بڑے حصے پر قبضہ کیا تھا، لیکن انیسویں صدی کے دوسرے نصف اور بیسویں صدی میں انگریزوں کی بڑی جنگوں میں، جن میں افغان جنگ اور جنگِ عظیم شامل تھے، پنجابی اور پختون غالب تھے۔ برٹش انڈین آرمی کے سربراہ لارڈ فریڈرک رابرٹس نے "مارشل نسل" کی مِتھ بنائی۔ یہ 1885 میں سربراہ بنے تھے۔ ان کی تھیوریوں کے مطابق ہونے والی بھرتیوں کا دور برٹش فوج میں پنجابیوں اور پٹھانوں کا دور تھا۔ برٹش انڈین آرمی میں 1920 کی دہائی میں پنجاب سے 350,000 لوگ تھے۔ جبکہ بنگال، جس کی آبادی پنجاب سے دگنی تھی، سے لوگوں کی تعداد صرف 7,000 تھی۔ یہ وہ پس منظر اور بھرتی کی پالیسی تھی، جس نے ایک صدی بعد پاکستان اور بنگلہ دیش کی قسمت تشکیل دی۔

	ابتدائی برسوں کے پاکستان میں سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے فوج کا سیاست میں کلیدی کردار، فوج میں یہ شدید عدم توازن، مغربی پاکستان میں تاریخ کی وجہ سے کشمیر کے مسئلے کی اہمیت، مغربی سرحد میں برٹش سول نظام کی عدم موجودگی کے باعث انٹیگریشن میں مشکلات۔۔۔۔۔ یہ پاور سٹرکچر کے عدم توازن کا مسئلہ تھا جو حل نہ ہو سکا اور مشرقی پاکستان کے عوام کے لئے "پنجابی اسٹیبلشمنٹ" کا مسئلہ کہلایا۔
سوال	**Muhammad Imran Khattana** سر حسن بن صباح ہماری اسلامی تاریخ کا ایک پر اسرار کردار ہے اس کے بارے میں سینکڑوں کہانیاں مشہور ہیں کبھی اس پر بھی کچھ لکھیں کوئی سیریز شروع کریں شکریہ
جواب	حسن الصباح حشیشیوں کے بانی تھے۔ ان کا ایک واقعہ جو violence کے بارے میں سیریز میں لکھا، اس سے اقتباس۔ (یہ سیریز سنسر کا شکار ہو گئی)۔ احمد سنجر نے سلجوق سلطنت کے سلطان کے طور پر 1118 میں اقتدار سنبھالا۔ الموت کے حشیشیوں کو کچل دینا ان کے عزائم میں سے تھا۔ ایک " صبح احمد سنجر بیدار ہوئے تو خوابگاہ کے فرش پر ایک خنجر گڑا تھا۔ ساتھ ایک رقعہ تھا جو حشیشیوں کی طرف سے تھا۔ "اس خنجر کی نوک اس خوابگاہ میں کہیں پر بھی ہو گاڑی جا سکتی تھی۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ نوک فرش پر ہی رہے"۔ اس کے بعد سلجوق اور حشیشیوں کے درمیان لمبے عرصے کے لئے امن رہا۔ احمد سنجر نے حشیشیوں کو پھر ہاتھ نہیں لگایا۔ حشیشیوں نے ایسا ہی حربہ شام کے ایک کرد بادشاہ کے ساتھ دہرایا۔ جب جنگ بندی پر بات کرنے کے لئے آئے ہوئے مندوب نے شاہ کو لقمہ لینے سے روک دیا کہ یہ زہر آلود ہے۔ حشیشی نمائندے نے کہا کہ اس کو زہر آلود اس نے خود کروایا ہے لیکن وہ کسی کو بھی مارنا نہیں چاہتے۔ امن " کے خواہاں ہیں۔ کھانا واقعی زہر آلود تھا۔ امن قائم ہو گیا۔ اور پھر بعد میں اگر دشمن کو یہ دکھایا جا سکتا ہے کہ آنکھ کے بدلے اس کی آنکھ پھوٹے گی اور دانت کے بدلے دانت ٹوٹے گا اور ساتھ ہی یہ کہ اگرچہ ہم حملہ نہیں " کریں گے لیکن اگر کیا گیا تو اس کے لئے اپنے مہنگا سودا ہو گا تو یہ ہوبز کے پھندے کو توڑ دیتا ہے۔ کیونکہ اس سے جھگڑے کے دو محرک ختم ہو جاتے ہیں۔ اول یہ کہ حملہ کرنے میں اس کو فائدہ نہیں ہو گا اور دوسرا یہ کہ حملے میں پہل نہ کرنے کا یقین دلوایا جا سکتا ہے تو یہ جھگڑے کی وجہ ختم کر دیتا ہے۔ دنیا میں کئی جگہوں پر اس وجہ سے طویل امن قائم ہوا ہے۔ حشیشیوں نے دشمن کو نشانے پر لے کر چھوڑ دینے کے حربے سے، طاقتور سلطنتوں سے امن چھینا تھا۔ روزویلٹ کے بقول، بڑا ڈنڈا اور نرم گفتگو کام کرتے ہیں۔ "
سوال	**Mohammad Zackaryaa Mohiuddin** اسلام و علیکم جناب آج کی قسط پڑھ کر پوچھنا یہ تھا کہ ملکہ عالیہ پر انگریزوں سے ساز باز کا الزام جو آپ نے درست لکھا ہے کیا یہ کبھی ثابت ہو سکا؟ دوسرا یہ سارجنٹ گورڈن وہی ہیں جن پر منگل پانڈے نے بیرک پور چھاونی میں حملہ کیا تھا؟
جواب	ملکہ عالیہ کے ہوڈسن سے رابطے کا بھی ریکارڈ ہے۔ ملکہ، ان کے والد، بیٹے اور بادشاہ کی جان بخشی کرنے کا وعدہ لینے کا بھی۔ نہیں، یہ وہ سارجنٹ نہیں

سوال	**Fayaz Khan** اعلی سر۔۔پچھلی دو تین قسطوں یہ تو کلیئر ھوگیا کہ انگریزوں نے ہندوستان پر ہندوستانیوں کی وجہ سے فتح حاصل کی تھی خاص کر سکھوں اور پشتونوں کی وجہ سے
جواب	بنگال برٹش کے قبضے میں آنے والا پہلا بڑا علاقہ تھا۔کئی علاقوں پر بنگال کی فوج کی مدد سے قبضہ کیا تھا۔مثلاً، میسور پر قبضے میں یا چین کے خلاف جنگ میں بنگال سے تعلق رکھنے والے فوجیوں کا نمایاں کردار تھا۔ہندوستان میں انیسویں صدی کے پہلے نصف میں یہ کردار اہم رہا۔1857 کی جنگ نے اس کو تبدیل کر دیا۔
سوال	**Fayaz Khan** اس وقت سادگی یا بیوقوی یا احساس کمتری جو بھی تھی سب قوموں نے انگریزو کے ہاتھ مضبوط کیے۔۔پر اجکل برصغیریوں کو منافقت چھوڑ کر سر عام تسلیم کرنا چاہیے کہ سب اپنے شروع سے ہی انگریزوں کے ٹھٹو تھے
جواب	نہ سادگی تھی، نہ بیوقوفی اور نہ احساسِ کمتری۔یہ ویسے ہی اتحاد تھے جو ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں۔اور اس جنگ کی ہی اگر بات کی جائے تو اس میں حیدرآباد کے نظام یا کشمیر کے راجہ کے پاس آخر کیا وجہ تھی کہ وہ کمپنی کے بجائے انقلابیوں کا ساتھ دیتے؟
سوال	**Fayaz Khan** مسلمان مسلمانوں کے خلاف لڑرہے تھے اجکل کے پی اور پنجاب والے جہاد کرنا چاہتے ہے اس وقت انکی بٹالین مسلمانوں کے خلاف ہی لڑرہی تھے کم از کم جہاد والی وجہ تو تھی انکے۔پاس۔۔مجھے اب تک یہ سمجھ نہیں ارہی کہ کمپنی جب ساحلی علاقوں سے نکل کر چھوٹے چھوٹے راجواڑے ہتھیانے لگی تو اس وقت کسی بھی راجہ یا بادشاہ نے انکو کیو نہیں نکالا۔۔۔کمپنی کے پاس عسکری قوت تھی لیکن یہ تھی صرف ایک کمپنی ہی نہ کہ حکومت برطانیہ یا اس وقت جب کمپنی نے فوج بنانی شروع کی تو انکی سرزنشت کرتے۔۔۔میرے خیال میں انکو شروع میں تجارت کا لاسینس ملا تھا
جواب	جہاں تک صرف اس جنگ اور مسلمانوں اور جہاد کا تعلق ہے تو دونوں اطراف کے مسلمان جذبہ جہاد سے لڑ رہے تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے عثمانی خلیفہ سے بھی فرمان لیا تھا جو مسجدوں میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔علماء کے فتوے موجود تھے کہ یہ انقلابی فساد فی الارض کے مرتکب ہوئے ہیں۔ جہاں تک ہندوستان پر برٹش حکومت کا تعلق ہے ہندوستان کوئی سیاسی اکائی نہیں تھی۔اس سلسلے کے پچھلے حصوں میں اس کا تفصیل سے ذکر ہے۔
سوال	**Nabeel Ahmed** Kia os time Delhi ka 4 side wall the ?
جواب	ہندوستان میں ہر پرانے شہر کے گرد دفاعی دیوار ہوتی تھی۔پاکستان میں لاہور، حیدرآباد، ملتان، پشاور، شکارپور کے گرد دیواریں تھیں۔یہ لٹیروں اور بیرونی حملہ آوروں سے شہر کو بچانے کے لئے بنائی جاتی تھیں۔

21۔ شہر کے اندر

ہماری توپوں نے کام کر دیا تھا۔ اب فوجیوں کی باری تھی۔ پہلی رکاوٹ خندق تھی۔ بیس فٹ گہری اور پچیس فٹ چوڑی۔ اس کو پار کرنے کے لئے "سیڑھیاں تھیں۔ اس میں دس منٹ لگے جس میں دشمن نے ہمارے جوان مار گرائے لیکن اس کے بعد ہم بڑھتے گئے۔ جیسے بھیڑیوں کا غول حملہ کر رہا ہو۔ دشمن دیواروں پر ویسے جمع تھا جیسے شہد کی مکھیاں چھتے پر۔ سیاہ چہرے اور سفید پگڑی والے تلواریں اور سنگینیں لہرا رہے تھے۔ وہ ہمیں دیکھ کر پریشان تھے۔ تین بار انہوں نے ہماری سیڑھیاں گرا دیں۔ شگاف تک پہنچنا آسان نہیں تھا۔ اس کے پیچھے انہوں نے دفاعی حصار بنایا تھا۔ میرے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ بائیں ہاتھ سے سیڑھی پکڑ کر اور دائیں میں ریوالور فائر کرتے ہوئے میں چڑھتا گیا۔ تلوار بازو کے نیچے تھے۔ انہوں نے اینٹیں گرانا شروع کر دیں۔ میں اور فٹزجیرالڈ اکٹھے شگاف سے داخل ہو گئے تھے۔ میں کشمیری دروازے کی طرف مڑ گیا۔ فٹزجیرالڈ اسی وقت گولی سے مارا گیا"۔ یہ رچرڈ بارٹر کی ڈائری سے لیا گیا اقتباس ہے جو وہ دہلی میں داخل ہوئے۔

کشمیری دروازے کا ایک حصہ بارود کے دھماکے سے اڑا دیا گیا۔ برٹش دہلی میں داخل ہو گئے۔ اس کی قیادت ستائیس سالہ کیپٹن فلپ سالکیڈ کر رہے تھے جو اسی دروازے سے گیارہ مئی کو فرار ہوئے تھے۔ باقی دروازہ کھولنے کی کوشش میں کیپٹن ہلاک ہو گئے۔ ان میں سے ایک شدید زخمی فوجی اندر کی طرف بارود رکھ کر آگ دکھانے میں کامیاب ہو گئے۔ کشمیری دروازے کے دونوں پلو قبضے سے اکھڑ گئے۔ صبح کے پونے چھ بجے دہلی کے حفاظتی حصار توڑنے میں کامیابی کا بگل بجا دیا گیا۔ یہ کینڈال کوگ ہل کی قیادت میں تیسرے کالم کے لئے دہلی میں ہلا بولنے کے لئے اشارہ تھا۔ کینڈال کوگ ہل مہینوں سے انتقام کی آگ میں جل رہے تھے۔ گیٹ پر دس منٹ تک لڑائی ہوئی جس کے پاس گیٹ برٹش کے پاس تھا۔ دہلی کے داخلی دروازے پر یونین جیک لہرا دیا گیا۔

لیکن اس سے آگے برٹش کو سخت مزاحمت کا سامنا تھا۔ دونوں طرف سے گولیوں کا تبادلہ جاری تھا۔ نکلسن کابل اور لاہور گیٹ پر قبضے کے لئے الگ ہو گئے جہاں میجر ریڈ کی قیادت میں چوتھا کالم ان سے ملنا تھا۔ جنرل ولسن کے پلان کے مطابق دہلی کے مغربی اور شمالی حصے پر قبضہ لنچ تک ہو جانا تھا۔

تھیومیٹکاف گورکھا فوج کو لے کر جامعہ مسجد کی طرف بڑھے۔ تیسرا کالم دہلی کالج کے راستہ لال قلعے کی طرف۔ سات بجے برٹش کے لئے معاملہ خراب ہونے لگا۔ برٹش کا خیال تھا کہ سب سے مشکل مرحلہ دیوار سے اندر جانا ہو گا اور یہ کام آسانی سے ہو گیا تھا۔ لیکن اگلا مرحلہ جس میں سڑکوں اور گلیوں میں آگے بڑھنا تھا، زیادہ مشکل ثابت ہوا۔ انقلابیوں نے بڑی قوت سے جوابی حملہ کیا اور برٹش فوج کو نکالنے میں تقریباً کامیاب ہو ہی گئے تھے۔ بخت خان اور مرزا مغل نے اچھی تیاری کی تھی۔ ہر دروازے اور کھڑکی سے گولیوں کا سلیوٹ ملا۔ کہیں سڑک کے موڑ پر سے گولا آ جاتا۔ افسر اور جوان گرتے گئے۔ لال قلعے کی طرف پیشقدمی کرنے والے پسپا ہو گئے۔

تھیو کے کالم کو جہادیوں نے آن لیا جن کے پاس ایک توپ، تلواریں اور گنڈاسے تھے۔ آدھے گھنٹے کی جھڑپ کے بعد اسے بھی پسپا ہو کر کشمیری گیٹ جانا پڑا۔ نکلسن کے دستے کو بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ نکلسن کو بغل کے قریب گولی لگی۔ زخمی نکلسن کو دو قلیوں نے اٹھا کر فیلڈ ہسپتال پہنچا دیا۔

کابل گیٹ پر حملے کو بخت خان کی بریلی بریگیڈ کے سامنے پسپائی کا سامنا کرنا پڑا۔

دوپہر بارہ بجے تک برٹش فوج کو روک دیا گیا تھا۔ برٹش فوج کا حوصلہ پست پڑ گئے تھے۔ اگرچہ ایک چوتھائی دہلی پر ان کا قبضہ تھا لیکن پوری جنگ میں اتنا بھاری نقصان پہلے نہیں ہوا تھا۔ حملہ کرنے والے ایک تہائی فوجی اس روز شام تک مارے گئے تھے۔ اس کا مطلب 1100 فوجی تھا جس میں 60 برٹش افسر بھی شامل تھے۔

دوپہر کے بعد برٹش کے لئے مزید بری خبر آئی۔ میجر ریڈ نہ صرف لاہور گیٹ پر کنٹرول نہیں حاصل کر سکے تھے بلکہ ان کا ساتھ دینے والے کشمیر سے آئے سپاہی بھاگ گئے تھے۔

جنرل ولسن پریشان لگ رہے تھے۔ وہ غور کر رہے تھے کہ حملہ ختم کر دیا جائے اور دہلی کو خالی کر دیا جائے۔ لیکن دوسرے افسروں نے انہیں روک دیا۔ جب ہسپتال میں پڑے زخمی نکلسن کو پتا لگا کہ ولسن دہلی خالی کرنے کا سوچ رہے ہیں تو آگ بگولہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ اگر میرے میں ہمت ہوتی تو اس وقت ولسن کو گولی مار آتا۔

دہلی کے جن علاقوں پر برٹش قابض ہو چکے تھے، وہاں کے ہر گھر کی تلاشی لی جا رہی تھی۔ لڑنے کی عمر والے کسی بھی مرد کو مارا جا رہا تھا۔ وہ دہلی والے جو چار مہینوں سے جاری انارکی ختم ہونے کی امید میں تھے کہ برٹش کی واپسی سے سب کچھ نارمل ہو جائے گا، انہیں بڑا دھچکا لگنا تھا۔ کسی کو توقع نہیں تھی کہ برٹش قتل وغارت کریں گے۔ وہ لوگ بھی جو نہ صرف برٹش کے حق میں تھے بلکہ انگریز فوج کے لئے جاسوسی نیٹ ورک میں فعال تھے، محفوظ نہیں تھے۔ چارلس گرفتھ، جو کوئی امن پسند شخص نہیں تھے، لکھتے ہیں، ”یہ خوفناک وقت تھا۔ ہمارے فوجی پاگل ہوئے ہوئے تھے۔ خاص طور پر وہ جن کے قریبی عزیز بغاوت میں مارے گئے تھے، ان کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ جو کیا گیا، وہ کسی کرسچن کو زیب نہیں دیتا۔ کوئی رحم نہیں دکھایا گیا۔ کسی کو قیدی نہیں بنایا گیا۔ یہ صفایا تھا۔ عالمی تاریخ کا سب سے سفاکانہ وقت۔ کون لڑنے والا تھا اور کون نہیں؟ ان میں تمیز کرنے کی کوشش بھی نہیں کی گئی“۔

بومبے ٹیلی گراف میں ایک فوجی نے جنرل ولسن کے احکامات کو تنقید کا نشانہ بنایا، "بچوں اور خواتین کو قتل کرنے سے روکنے کا حکم غلطی تھی۔ ہمارے سامنے انسان نہیں شیطان تھے۔ جنگلی جانور جو کتے کی موت مرنے کے مستحق تھے۔ جو لوگ ہمارے لوگوں کے ہتھے چڑھے، وہ ہماری سنگینوں کا نشانہ بنے اور ان کی تعداد کم نہیں تھی۔ ایک گھر میں کئی بار چالیس سے پچاس لوگ چھپے ملتے تھے۔ یہ لڑاکا نہیں تھے لیکن ایسے شہر کے باسی تھے جن کا خیال تھا کہ ہم رحمدلی دکھانے والے لوگ ہیں۔ میں خوشی خوشی یہ بتانا چاہتا ہوں کہ انہیں مایوسی ہوئی تھی"۔

پندرہ اور سولہ ستمبر کو دہلی کی قسمت کا فیصلہ نہیں ہوا۔ انگریز فوج آگے نہیں بڑھ سکی۔ لیکن دہلی والوں میں بے چینی بڑھ رہی تھی۔ ایک اچھے جوابی حملے کی ضرورت تھی۔ دہلی والے انقلابی سپاہیوں کو برا بھلا کہہ رہے تھے کہ وہ ایسا کیوں نہیں کر رہے۔ ایک جگہ انہیں جوتے بھی پڑ گئے تھے۔

برٹش بمقابلہ انقلابی۔ دہلی میں یہ جوڑا بھی مقابلے کا تھا۔ سولہ ستمبر کو اس جنگ کا اہم فیصلہ لیا جانا تھا۔ اور چار ماہ پہلے کے فیصلے کی طرف یہ فیصلہ بہادر شاہ ظفر کے پاس تھا۔

22۔ فیصلہ

دلی شہر میں جنگ جاری تھی۔ برٹش افواج کو شہر میں داخل ہوئے تیسرا دن تھا۔ انہیں باہر دھکیلنے کے لئے ایک بڑے اور موثر جوابی حملے کی ضرورت تھی۔ 16 ستمبر 1857 کو شہر کے لوگ لال قلعے کے باہر اکٹھے ہونے لگے۔ ان کے ساتھ جہادی بھی تھے اور انقلابی سپاہی بھی۔ مولوی سرفراز اور انقلابی افسر ملکر شاہی محل میں گئے اور بہادر شاہ ظفر سے درخواست کی کہ وہ بڑے حملے میں ان کی قیادت کریں۔ "اگر آپ ساتھ چلیں گے تو پوری فوج، دہلی کے تمام شہری اور ملک بھر کے لوگ آپ کے ساتھ کھڑے ہو جائیں گے۔ آپ کی خاطر لڑیں گے، جان دے دیں گے اور انگریز کو نکال باہر پھینکیں گے"۔ مجمع بڑھتا جا رہا تھا۔ کچھ کے پاس بندوقیں تھیں، کچھ کے پاس تلواریں اور کچھ کے پاس صرف ڈنڈے۔

محل کے اندر ماحول سنجیدہ تھا۔ چودہ ستمبر کو مرزا مغل نے ظفر کو پیغام بھجوایا تھا کہ کسی طرح فنڈ کا بندوبست کریں تا کہ سپاہیوں کو کھلایا پلایا جا سکے کہ وہ لڑنے کے قابل ہوں۔ ظفر نے چاندی کے ہودے اور کرسیاں اور گھوڑے کی زین مرزا مغل کو دے دی تھی کہ ان کو بیچ کر گزارا چلا لیں۔ ان کے پاس اب کچھ اور نہیں بچا۔ گولے محل تک پہنچ رہے تھے اور خوراک کی آمد بند ہو چکی تھی۔ محل میں سلاطین بھی فاقہ زدگی کا شکار تھے۔

اور اب مولوی اور جہادی، سپاہی اور شہری ظفر کے پاس اکٹھے ہوئے تھے اور ایک نئی درخواست کر رہے تھے کہ وہ خود ذاتی طور پر حملے میں شرکت کریں۔ بہادر شاہ ظفر نے ایسا کبھی کیا ہی نہیں تھا۔ نہ ہی عمر کے اس حصے میں تھے جس میں لوگ جنگ میں حصہ لیتے ہیں۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کریں۔ عید الاضحیٰ کے بعد سے وہ عجیب ذہنی کیفیت میں تھے۔ اور اب فیصلے کی گھڑی تھی۔ مان لیں یا انکار کر دیں۔ بادشاہ ہچکچاہٹ میں تھے۔

" آپ کا آخری وقت آن پہنچا ہے۔ آپ پکڑ لئے جائیں گے۔ ایک شرمناک اور بے عزتی والی موت کیوں؟ کیوں نہ لڑتے ہوئے مرا جائے اور ہمیشہ کے لئے نام بنا لیا جائے؟ "

بہادر شاہ ظفر نے چار ماہ قبل اپنی زندگی کا اہم ترین فیصلہ کر کے اس انقلاب کی سربراہی قبول کی تھی۔ اس بار ایک مرتبہ پھر انہوں نے اتنا ہی اہم فیصلہ لینا تھا۔

سوچ بچار کر کے بادشاہ نے اعلان کر دیا۔ بارہ بجے وہ فوج کے ساتھ نکلیں گے۔ سب کے ساتھ نہیں، بلکہ سب سے آگے۔ دہلی شہر تیاری کر لے۔ دلی کو حملہ آوروں سے خالی کروانے کی اس جنگ میں قیادت بادشاہ خود کریں گے۔

جیسے ہی بادشاہ نے ارادہ ظاہر کیا،لوگ اکٹھے ہونے لگے۔ باغی، غازی، شہری۔ کہا جاتا ہے کہ ستر ہزار لوگ جمع تھے۔ اتنی بڑی تعداد میں دہلی والے کبھی اکٹھے نہیں ہوئے تھے۔ حملے کی قیادت کرنے کے لئے بادشاہ کا تموجن لایا جا رہا تھا۔ سواری تیار ہو رہی تھی۔

حکیم احسن اللہ خان نے بادشاہ کے سرگوشی کی "اگر آپ لڑائی کی قیادت کرنے گئے تو کل کو برٹش کے جیتنے پر کیا کہہ سکیں گے۔ آپ کا بھی وہی حشر ہو گا جو ان سب کا۔ اور خدانخواستہ اگر آپ سپاہیوں کے ساتھ چلے گئے تو ان لوگوں نے پیچھے سے خود بھاگ جانا ہے۔ پکڑے آپ ہی جائیں گے۔ یہ تو خود بھگوڑے ہیں۔ ان پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کو یہ وعدہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ یہ ان کی لگائی گئی آگ ہے۔ آپ اس میں خود کو کیوں جلاتے ہیں۔ انہیں اس سے خود نمٹنے دیں"۔

تذبذب کے شکار ظفر پر حکیم کے الفاظ کام کر گئے۔ فیصلہ ہو گیا۔ سعید مبارک شاہ لکھتے ہیں، "بادشاہ نے مجمعے کو چھوڑا اور محل کے اندر چلے گئے کہ انہوں نے ظہر کی نماز ادا کرنی ہے۔ بادشاہ پھر واپس نہیں آئے۔ مجمع انتظار کرتا رہا، پہلے کنفیوز ہوا، پھر پریشان اور پھر چھٹ گیا۔ اور یوں، دہلی میں جاری 1857 کا غدر، بغاوت، انقلاب، جنگِ آزادی اسی کے ساتھ ہی تمام ہو گئی"۔

بہادر شاہ ظفر کے گیارہ مئی کو لئے گئے فیصلے نے انیسویں صدی میں برٹش کے ساتھ سب سے بڑی جنگ چھیڑی تھی، ویسے ہی سولہ ستمبر میں لیا گیا یہ فیصلہ اس کا اختتام ثابت ہوا۔ اردو زبان میں محفوظ ہر ذریعہ یہی بتاتا ہے کہ اس فیصلے کے ساتھ ہی انقلابیوں کی مزاحمت ماند پڑ گئی۔

اس مرحلے تک انقلابی ہارے نہیں تھے۔ ہارنے کے قریب بھی نہیں تھے۔ انگریز فوج مشکل میں تھی، مورال اور حوصلہ ختم ہو رہا تھا۔ گلی کوچوں میں لڑنے کا تجربہ نہیں تھا۔ جوان اپنے افسروں سے حکم عدولی کر رہے تھے۔ تین روز سے دونوں فوجیں آمنے سامنے آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گھور رہی تھیں۔ بہادر شاہ ظفر کی عدم اعتمادی کا مطلب یہ تھا کہ انقلابیوں نے آنکھیں جھپکا لیں تھیں۔

دہلی والوں کو یقین ہو گیا کہ خاتمہ قریب ہے۔ لوگ سامان اٹھا کر دہلی چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ اجمیری دروازے پر نکلنے والوں کی لمبی قطار تھی۔ چھوڑ کر جانے والے سپاہیوں کا بھی ریلا تھا۔ بریلی بریگیڈ نے اپنا اسلحہ تباہ کرنا شروع کر دیا تھا کہ وہ انگریز کے ہاتھ نہ آئے۔ نیمچ اور بریلی بریگیڈ نے دہلی چھوڑنا شروع کر دیا تھا۔

شاہجہاں آباد کے لال قلعے میں 16 ستمبر 1857 کی رات وہ آخری رات تھی جب کوئی مغل بادشاہ اس قلعے میں سویا۔

بہادر شاہ ظفر کی بیٹی کلثوم زمانی بیگم سے آنے والی روایت بتاتی ہے کہ اس روز ظفر تسبیح خانے گئے۔ عبادت کرتے رہے اور سوچتے رہے۔ باہر لڑائی کی آوازیں قریب ہوتے لگ رہی تھیں۔ گیارہ بجے انہوں نے اپنی بیٹی کو بلایا۔

ہر طرف گولیوں کی آوازیں آ رہی ہیں۔ میں تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ اپنے شوہر کے ساتھ نکل جاؤ۔ حفاظت کے لئے دعا کی۔ کچھ زیور دئے اور" ہمیں نکل جانے کا کہا۔ ہمارا کاروان رات گئے نکلا۔ ہم کورالی کے گاؤں پہنچے جہاں جو کی روٹی اور دہی کھایا۔ اگلے روز میرٹھ کی طرف جا رہے تھے تو گجروں کی ایک پارٹی نے ہم پر حملہ کر دیا اور سب کچھ چھین لیا۔ تن کے کپڑے تک نہ چھوڑے"۔

سترہ ستمبر کو فجر کے وقت بہادر شاہ ظفر نے خاموشی سے قلعہ چھوڑ دیا۔ نہ اپنے وزیرِ اعظم کو بتایا اور نہ ہی ملکہ عالیہ زینت بیگم کو۔ قدیم نوادرات اور آبائی خزانے کا کچھ حصہ ساتھ رکھا۔ اس میں ایک ڈبے میں نبی کریم ﷺ کی داڑھی کے تین بال تھے جو تیمور کے گھرانے میں چودھویں صدی سے چلے آ رہے تھے اور بادشاہ کو ان سے بے حد لگاؤ تھا۔ چند خدام کے ہمراہ اپنی پالکی پر نکلے۔ کشتی میں جمنا پار کیا۔ ان کی منزل نظام الدین اولیاء کی درگاہ تھی۔

اور یوں۔۔۔ بادشاہ کی لال قلعہ سے روانگی کے ساتھ ہی تیموری خاندان کی دہلی سلطنت اپنے اختتام کو پہنچ گئی۔

دہلی میں منظم مزاحمت دم توڑ گئی۔ برٹش فوج کو اب شہر فتح کرنے کے لئے جگہ جگہ پر مختلف گروہوں کا سامنا تھا۔ انہیں اس سے اگلے ہی روز بڑی غیر متوقع طور مدد ملی جس نے اس جنگ کو طے کر دیا۔ یہ مدد مقامی توہمات اور آسمانی مظہر کی تھی۔ دونوں طرف لڑنے والوں کو اس کا علم نہیں تھا لیکن اس سے اگلے روز 18 ستمبر 1857 کو مکمل سورج گرہن کا دن تھا۔

سوالات وجوابات

سوال	**Shoaib Nazir** سر۔۔اگر ظفر قیادت کر لیتے تو نقشہ کیسا رہتا؟۔
جواب	شاید مغلوں کی بادشاہت چند مزید گھنٹے، دن، ہفتے یا مہینے نکال لیتی۔شاید بہنے والا خون اس سے بھی زیادہ ہو تا جتنا بہا تھا۔شاید بہادر شاہ ظفر تاریخ میں کسی اور طرح یاد رکھے جاتے۔ یا پھر شاید کچھ بھی مختلف نہ ہو تا۔
سوال	**Asadimran Shah** کیا انگریزوں کی یہ شکست مغلیہ سلطنت کے لمبے عرصے قائم رہنے کا باعث نہیں بن سکتی تھی
جواب	اگر مئی، جون یا جولائی میں انگریز محاصرہ کرنے والی فوج کو ختم کر دیا جاتا تو شاید برٹش کا ہندوستان کے بڑے حصے سے صفایا ہو جاتا اور خطے کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔ لیکن سولہ ستمبر کو اگر دہلی فیلڈ فورس کو دہلی سے باہر نکال دیا جاتا تو یہ برٹش افواج کے لئے بڑا سیٹ بیک ہو تا لیکن سیاسی طور پر ان مہینوں میں اس وقت تک برٹش اتنے اتحادی بنا چکے تھے کہ یہ اس کے باوجود یہ شاید عارضی شکست ہوتی۔ مغل بادشاہت کچھ عرصہ مزید باقی رہ جاتی۔ لیکن برٹش پھر بھی ہندوستان میں سب سے طاقتور فورس بن چکے تھے، جنہیں وسیع پیمانے پر لوکل سپورٹ حاصل تھی۔۔شاید ہی مغل زیادہ عرصہ چل پاتے۔
سوال	**Asadimran Shah** شاید کچھ قسطوں کے بعد اسکا جواب آجاے ءلیکن سوال ابھی پوچھ رہا ہوں کہ اگر بہادر شاہ ظفر باغیوں کا ساتھ پہلے دن سے نہ دیتے تو ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ علامتی مغل سلطنت کچھ دہاہیوں تک بر قرار رہتی؟
جواب	اس کا ابتدائی اقساط میں ذکر کیا تھا۔ مرزا فخرو کی موت کے بعد گورنر جنرل نے فیصلہ لے لیا تھا کہ اگلا ولی عہد کوئی نہیں ہو گا اور بہادر شاہ ظفر کی موت کے بعد کوئی بادشاہ نہیں ہو گا۔ اگر بغاوت نہ ہوتی تو بھی بہادر شاہ ہندوستان کے آخری بادشاہ ہوتے۔
سوال	**Syed hasan Qayamraza** !جہاں گیر کے زمانے سے ہی انگریز۔۔ہندوستان پر حکومت کا خواب دیکھنے لگے تھے۔۔۔
جواب	برٹش قبضے میں 1803 سے تھا۔

23۔ دہلی کی فتح

مجھے پتا تھا کہ یہ باغی سپاہی صرف تباہی لائیں گے۔ شروع سے ہی مجھے خدشہ محسوس ہورہا تھااور میرا خوف ٹھیک نکلا۔ یہ انگریز کے آنے سے پہلے ہی بھاگ گئے۔ میں ایک فقیر اور صوفی ہوں لیکن میری رگوں میں عظیم جنگجو نسل کا خون بہتا ہے۔ میں خون کے آخری قطرے تک لڑ سکتا ہوں۔ میرے آباء نے اس سے بھی برے دن دیکھے ہیں اور دل نہیں ہارا۔ لیکن میں نے نوشتہ دیوار پڑھ لیا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ مغلوں کی شان اور ان کا وقت ختم ہو چکا۔ مجھے کوئی شک نہیں کہ تیمور کے گھر میں ہندوستان کے تخت پر بیٹھنے والا آخری ہوں۔ مغلوں کا چراغ بجھ رہا ہے۔ جب مجھے یہ سب معلوم ہے تو مزید خون کیوں بہایا جائے؟ اور یہ وہ وجہ ہے جس لئے میں نے قلعہ چھوڑ دیا۔ اب یہ ملک اللہ کے حوالے ہے۔ وہ اسے اس کو دے گا، جسے وہ پسند کرتا ہو گا"۔

پیرزادوں کے پاس ناشتہ کرنے کے بعد بادشاہ نے روتے ہوئے انہیں یہ بتایا۔ بادشاہ نے درگاہ کے رکھوالے نظامی خاندان کے سپرد نوادرات کیں کہ وہ ان کی حفاظت کریں۔ اور پھر پالکی میں مہروالی پر قطب صاحب کی درگاہ کا رخ کیا۔

مرزا الٰہی بخش گھوڑا دوڑاتے آئے کہ اس طرف نہ جائیں، گجر اس راستے میں ہر ایک کو لوٹ رہے ہیں۔ اگرچہ الٰہی بخش درست کہہ رہے تھے لیکن بہادر شاہ کو یہ نہیں پتا تھا کہ الٰہی بخش درحقیقت ہوڈسن کے لئے کام کر رہے تھے اور اسی مقصد کے لئے آئے تھے۔ انہوں نے ہوڈسن سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے کزن بہادر شاہ ظفر کو شہر سے باہر جانے سے روکیں گے۔ ہوڈسن بہادر شاہ کو پکڑ کر امپیریل جنگی ہیرو بننا چاہتے تھے اور اس کے لئے بادشاہ کو زندہ پکڑنا چاہتے تھے۔ ہوڈسن نے یہی بات ملکہ عالیہ زینت محل اور ان کے والد مرزا قلی خان سے بھی کی تھی۔ زینت نے حامی بھری تھی اور اس کے بدلے میں تین مردوں، اپنے شوہر، بیٹے اور والد کی جان بخشی کی ضمانت مانگی تھی۔ جان بخشی کی اس فہرست میں ظفر کے دوسرے بیٹے شامل نہیں تھے۔

بہادر شاہ ظفر قائل ہو کر واپس ہو لئے۔ ان کی پالکی نظام الدین پہنچی۔ یہاں پر زینت محل بھی آ گئیں۔ دونوں ظفر کے آباء کے عظیم مقبرے پر گئے جو تین سو سال پرانا تھا اور سولہویں صدی کے درمیان بنایا گیا دوسرے مغل بادشاہ ہمایوں کا سنگِ مرمر کا مزار تھا اور دہلی کی شاندار ترین یادگار تھی۔

دہلی میں جنگل کی آگ کی طرح خبر پھیل گئی کہ بہادر شاہ ظفر نے وہ کر لیا ہے جس کی وہ دھمکی دیتے آئے تھے۔ ظفر نے قلعہ چھوڑ دیا ہے۔

اجمیری دروازے سے شہر سے فرار ہونے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ کئی نے انگریزوں کے قبضے میں آ جانے والے کشمیری گیٹ کا انتخاب اس امید پر کیا کہ اس طرف انگریز شہر کے باہر لوٹنے والے قبائلیوں سے بہتر ہوں گے۔ یہ غلط نکلے۔ بہت سے آدمی اور لڑکے انگریز فوج نے دروازے پر ہی مار دئے۔ بچوں اور خواتین کو جانے دیا جاتا، لیکن تمام پیسے، زیور اور ساز و سامان وہیں رکھوا کر جانے کی اجازت ملی۔

دہلی کے مہاجرین نے کمال اور میرٹھ کی سڑکوں کا رخ کیا۔ ظہیر دہلوی لکھتے ہیں کہ نواب حامد علی خان (جو دہلی کی شیعہ برادری کے سربراہ تھے) اس شام ان کے پاس آئے اور کہا کہ اپنے خاندان سمیت دہلی سے کوچ کر جائیں۔

"ابھی تک گھر میں کیا کر رہے ہو؟ بادشاہ نے دہلی چھوڑ دیا اور اب عوام بھی جا رہے ہیں۔ خدا کے لئے آج ہی نکل پڑو۔ کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ دہلی میں قتل و غارت کا بازار گرم ہے۔ میں اپنے بیوی بچوں سمیت نکلنے لگا ہوں۔ اپنی فیملی کی خواتین کو ہماری سواری میں بٹھا دو۔

میرے والد نے نواب کی بات مان لی۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ والد نے کہا کہ سب نکل پڑیں۔ سب انہی کپڑوں میں نکل پڑے جو انہوں نے پہنے تھے۔ میری بیوی نے شادی کے وقت سلوایا مہنگا جوڑا اور زیورات کا ڈبہ ساتھ لے لیا۔ والدہ نے کچھ بھی نہیں۔ ساتھ ایک روئی کا گدا رکھ لیا جو انہوں نے بیل گاڑی میں بچھا لیا۔

سڑکوں پر ہولناک مناظر تھے۔ ہم نے لوگوں کی بے چارگی کو دیکھا، خوف کو اور غربت کو۔ وہ خواتین جو پردہ کرتی تھیں اور کبھی سڑکوں پر نہیں آئی تھیں، انہیں زیادہ چلنے کی عادت ہی نہیں تھی۔ بچوں کی چیخ و پکار تھی۔ یہ ایسا دلخراش منظر تھا جو بیان نہیں کیا جا سکتا۔

ہم سب دہلی دروازے سے باہر نکلے۔ باہر دوزخ کے مناظر تھے۔ ہزاروں عورتیں اور ان کے چھوٹے بچے۔ ان کے ساتھ خوفزدہ اور پریشان مرد۔ ہر کوئی بس نکلنے کی فکر میں تھا۔ کسی کو ہوش نہیں تھی کہ کس حالت میں ہے، کہاں جانا ہے۔ بس حرکت میں تھے۔ ہمارا گروپ برف خانے تک پہنچ گیا۔ رات وہاں گزاری۔ اسی پر خوش تھے کہ سونے کی جگہ مل گئی۔ ہم میں سے کسی نے کچھ نہیں کھایا تھا"۔

اس شام کو بخت خان کی فوج نے کشن گنج پر اپنی پوزیشن چھوڑ دی۔ جنرل ولسن سب سے زیادہ اس جگہ کے بارے میں پریشان تھے۔ اب انہیں یہاں پر خطرہ نہیں تھا۔ شہر کے مغربی حصے میں مزاحمت ہو رہی تھی لیکن مشرقی حصے میں انگریز افواج بڑھ رہی تھیں۔ سترہ تاریخ کو چاندنی چوک تک کا علاقہ لیا جا چکا تھا۔

برٹش آگے بڑھتے تھے تو اس علاقے کے گھر لوٹنے کے لئے رک جاتے تھے۔ خوش قسمت مکینوں کو نکال دیا جاتا تھا، بد قسمت کو مار دیا جاتا تھا۔ گھر میں کوئی نہیں بچتا تھا۔ جہاں برٹش فوج بڑھتی جا رہی تھی، وہ علاقہ سنسان ہوتا جا رہا تھا۔

اٹھارہ ستمبر کو سورج گرہن ہوا۔ پانچ منٹ کے لئے مکمل۔ تین گھنٹے رہنے والے اس واقعے کا گہرا اثر ہوا۔ انگریز سپاہی اس سے نروس ہوئے لیکن مقامی آبادی کے لئے یہ بڑا واقعہ تھا۔ آج تک بھی برِصغیر میں سورج گرہن سے کئی تعصبات وابستہ ہیں۔ انڈیا میں کئی اونچی ذات کے ہندو سورج گرہن میں گھر سے باہر تک نہیں نکلتے اور مندر بند کر دئے جاتے ہیں۔ اس ماحول میں، جب جوتشیوں کا بڑا اثر تھا، یہ واقعہ بہت اہمیت کا حال تھا۔ ایک برا شگون اور فلک سے ناراضگی کی علامت۔

اس دن کی تیز بارش میں باغی سپاہی آگرہ کی طرف بھاگتے نظر آ رہے تھے۔ ان خونخوار برٹش فوجیوں سے اور ان کے ہندوستانی اتحادیوں سے، جو اپنی خون آشامی میں انگریز سے کم نہ تھے، دور جا رہے تھے۔

چارلس گرفتھ کے مطابق، "گرہن کی تاریکی ہمارے لئے ان وہمی لوگوں کو شکست دینے کے لئے خدا کی طرف سے بھیجی گئی غیبی مدد تھی۔ انقلابی فوجیوں میں بریلی بریگیڈ اور نیمچ بریگیڈ کے سپاہیوں نے گوالیار کا رخ کیا۔ انگریز فوج کو ملنے والی مزاحمت کم پڑ گئی تھی۔ جب فائرنگ رکتی تھی تو انسانوں کے بھاگنے کی آوازیں سنی جا سکتی تھیں، جو اس شہر سے نکلنے کے درپے تھے جو ہمارے ہاتھ آنے والا تھا"۔

انیس ستمبر کی دوپہر برن قلعے پر انگریز فوج نے قبضہ کر لیا۔ ایک روز پہلے انہیں یہاں پر بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ شام کو دہلی کا بینک بھی انگریز فوج کے پاس تھا اور اگلی صبح، بیس ستمبر کو شاہی محل پر حملے کے لئے تیار تھے۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

بیس ستمبر کو برٹش لال قلعے کی طرف پیشقدمی کر رہے تھے۔ صبح دس بجے ان کی فارورڈ پارٹی نے قلعے کے دروازے پر بارود لگا دیا۔ کوئی مزاحمت نہیں مل رہی تھی۔ محل کے زیادہ تر محافظ بھاگ چکے تھے۔ صرف چند دھن کے پکے جہادی رہ گئے تھے جو خلیفہ وقت کا تخت دوسروں کے حوالے کرنے سے مرنے کو ترجیح دیتے تھے۔

زوردار دھماکے سے محل کا دروازہ نیچے آن گرا۔ اس پارٹی کی قیادت ایڈورڈ کیمپبیل کے ساتھ افغان سردار میر خان کر رہے تھے۔ کیپٹن فریڈ میسے لکھتے ہیں کہ "وجیہہ، عقابی آنکھوں والے اور سیاہ داڑھی والے میر خان نے جنگ میں بہت دلیری دکھائی تھی۔ اب انہیں بادشاہ کو پکڑنے کا شوق تھا۔ میں ان کے ساتھ محل میں پھر تا رہا۔ محل کی دیواروں کے اندر ایک پورا شہر تھا۔ ہم توقع کر رہے تھے کہ کہیں سے کوئی فائر آئے گا لیکن صرف دو لوگوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ ہمارے دوست میر خان نے انہیں گولی مار کر یوں گرا دیا جیسے تیتر کا شکار کیا جاتا ہے۔ ایک اور شخص نظر آیا جو غیر مسلح تھا اور بنجارا لگتا تھا۔ میں نے وعدہ کیا کہ ہم اسے نہیں ماریں گے۔ وہ محل میں راستہ دکھائے۔ وہ بڑھا ہی تھا کہ فائر ہوا اور وہ گر پڑا۔ میر خان نے اسے پیچھے سے گولی

مار دی تھی۔ مجھے بہت غصہ آیا۔ میر خان اسے تڑپتا دیکھ کر قہقہہ لگا رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ دشمن کے بدمعاش کے ساتھ کئے گئے وعدے کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی"۔

اگرچہ ہوڈسن کو معلوم تھا کہ بہادر شاہ کہاں ہیں اور براہِ راست الٰہی بخش کے ساتھ رابطے میں تھے لیکن محل پر حملہ کرنے والی ٹیم کو یہ انفارمیشن نہیں دی گئی تھی۔ برٹش فوجی محل کی راہداریوں میں اور کمرہ کمرہ کنٹرول لیتے گئے اور حملہ آوروں کو یہ امید تھی کہ بہادر شاہ مل جائیں گے۔

محل کو لوٹا جا رہا تھا۔ فرنیچر، خواتین اور مردوں کے لباس، برتن، فانوس، آرائش کا سامان، کتابیں، مسودے، تصاویر، پستول، زیورات تلاش کئے جا رہی تھے۔ شام تک تھک ہار کر فوجی آرام کے لئے چلے گئے۔ جنرل کو پیغام بھجوا دیا گیا کہ محل پر قبضہ کر لیا گیا ہے۔

اس شام کو جامعہ مسجد میں جشن منعقد ہوا۔ فاتح انگریز اور مقامی ہندوستانی فوجیوں کی ناچ کی محفل سجی، محراب کے پاس فتح کی آگ جلائی گئی۔ جنرل ولسن اور ہیڈ کوارٹر کے سٹاف نے رات کا کھانا شاہی محل کے دیوانِ خاص میں تناول کیا۔ ملکہ وکٹوریا کے لئے دعا پڑھی گئی۔ لاہور کو بھیجے گئے ٹیلی گرام میں لکھا گیا تھا کہ، "ہماری جدوجہد کامیاب رہی ہے۔ بنگال آرمی کی پھیلائی گئی بغاوت کو اپر انڈیا سے فرو کر دیا گیا ہے۔ کلائیو اور لیک کے دن بحال کر دئے گئے ہیں۔ خدا نے ہماری بہت مدد کی۔ ملکہ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رہے"۔

یہ خبر دہلی پر حملہ کرنے والی فوج کے قائد نکلسن تک پہنچائی گئی جو اس دوران زخمی ہوئے تھے۔ ان کی حالت بگڑ رہی تھی اور سانس لینے میں تکلیف ہو رہی تھی۔ انہوں نے کہا کہ "دلی کی فتح کی خبر سننا مرنے سے پہلے میری آخری خواہش تھی جو پوری ہو گئی ہے"۔ تین روز بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کی قبر پر جو سل لگائی گئی، وہ اس سنگِ مرمر کی تھی جسے بہادر شاہ ظفر کے پسندیدہ مہتاب باغ سے لوٹا گیا تھا۔

ساتھ لگی تصویر 1858 میں لی گئی ہے۔ یہ دریائے جمنا کے اوپر کشتیوں کا پل ہے جو دہلی کو ہندوستان کے مشرق سے ملاتا تھا۔

سوالات وجوابات

سوال	**Mohammad Zackaryaa Mohiuddin** جناب کیا آپ ہندوستان سوشلسٹ ریپبلکن ایسوسیشن کی جدوجہد کو بھی موضوع سخن بنائیں گے جب یہ سلسلہ ختم ہو گا؟
جواب	نہیں۔ یہ تو اس کے بہت ہی بعد میں آئی۔ چند برس رہی اور گاندھی کے طریقے کے برعکس پر تشدد طریقے اپنانے کی کوشش کی جو ناکام رہی۔ ماسوائے سوشلسٹ لٹریچر کے، تاریخ میں اس کی زیادہ اہمیت نہیں رہی
سوال	**Muheb Ali** دو باتیں۔ اول تو بطور مسلمان عجیب سی کیفیت ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کی عظیم اور ایک شاندار ریاست اور عھد کا خاتمہ ھوا اور دوم کہ اس معرکے میں پشتون سپاھی پیش پیش تھے، چونکہ مغل پشتونوں کے دشمن تھے اور بڑے مظالم ڈھائے تھے اس وجہ سے شائد پشتونوں نے انگریز کی اتنی ایمانداری سے ساتھ دیا تھا۔ اور اس کے علاوہ کیا انگریز دہلی فتح کرنے سے پہلے پشتون علاقے حاصل کر کے تھے کہ ویسے ہی انگریز فوج میں بھرتی ھوئے تھے
جواب	یہ تاریخ خاصی تفصیل سے ابتدائی اقساط میں ہے۔ اور اس میں نقشہ بھی دکھایا گیا ہے۔ دہلی بھی بغاوت سے پہلے برٹش کے پاس ہی تھا۔ سب سے بڑی کامیابی اس سے چند ہی برس پہلے پنجاب پر قبضہ اور کشمیر میں دوست ریاست کا قیام تھا۔ اس جنگ کو برٹش اس کے بغیر نہیں جیت سکتے تھے۔ برٹش افواج نے ہندوستان آنے کے بعد ابتدائی دہائیوں میں سب سے زیادہ بنگالی افواج کے ساتھ کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ اس بغاوت کی وجہ سے اس کے بعد بنگال اور اودھ کی افواج کو تحلیل کر دیا گیا۔ دہلی کے معرکے میں مقامی افراد میں مغربی اور شمالی ہندوستان سے رضاکار تھے۔ پنجابی، گورکھا، پٹھان، کشمیری، سکھ زیادہ تعداد میں تھے کیونکہ یہاں بغاوت کا اثر زیادہ نہیں تھا۔ جہاں تک اس فوج کے مسلمانوں کا تعلق ہے تو برٹش فوج کے حلیف کے طور پر لڑنے کو جہاد قرار دینے کے حق میں فتوے موجود تھے

	کہ یہ فساد فی الارض کو ختم کرنے اور ایک منصفانہ راج کو بحال کرنے کے لئے ہے۔ مغلوں کے ہندوانہ روایات اپنانے کے طرزِ عمل پر بھی ان فتووں میں ذکر تھا۔
سوال	**Khalid Mehmood Azaad** استاد محترم 1 ۔ کسی ملک کے آرکائیو میں وہ فتوے موجود ہیں جو مغلوں کے خلاف دیے گئے تھے 2 . اگر سر ان کی تصاویر آپ کی پہنچ میں ہوں تو ضرور شئیر کریں شکریہ
جواب	فتوے مغلوں کے نہیں، باغی سپاہیوں کے خلاف تھے۔ اور برٹش سے وفاداری کے حق میں تھے۔ خود دہلی میں موجود اہلِ حدیث علماء میں سے ایک بہت بڑے نام مولانا سید نذیر حسین دہلوی نے فتویٰ دیا تھا کہ مسلمان برٹش تعلق ایک قانونی معاہدہ ہے جس کو توڑنے والے مجرم ہیں۔ انقلابی سپاہیوں کے دباؤ کے باوجود وہ اس پر قائم رہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا قاسم نانوتوی انگریزوں کے خلاف لڑ رہے تھے لیکن انہیں اپنے کئی رفقاء کی طرف سے مخالفت کا سامنا رہا۔ اس دوران میں ہندوستان کی بہت سی مساجد میں جمعے کے خطبوں میں برٹش سے وفاداری پر زور دیا جاتا تھا۔ اس جنگ کے بعد اگلے چند برسوں میں جب انگریزوں نے مسلمانوں کے خلاف متعصبانہ سلوک رکھا تو پھر یہ رویہ تبدیل ہوا۔ اس مذہبی تقسیم کے پس منظر اور وجوہات پر تفصیل سے لکھی ایک اچھی کتاب Partisans of Allah: Jihad in South Asia ہے۔ اس میں اس بارے میں اچھی انفارمیشن مل جائے گی۔
سوال	**محمد جان**۔ سر کیا 1858ء میں کیمرے تھے؟
جواب	بالکل تھے، اگرچہ اتنا عام نہیں تھے۔ پہلی فوٹوگرافک تصویر 1825 کی ہے۔
سوال	**Asadimran Shah** اور یہ جو تار کے ذریعے پیغام بھیجنے کا ذکر ہے اسکے لیے کونسا ذریعہ استعمال ہوتا تھا؟
جواب	ٹیلی گراف۔ یہ سب سے پہلے 1850 میں کلکتہ میں لگا۔ 1854 کو یہ سروس پبلک ہوئی اور بڑے شہروں کے درمیان لگادی گئی تھی۔

24۔ کوئی نہ بچنے پائے

برٹش قبضے کے وقت مولوی محمد باقر کے بیٹے اور شاعر محمد حسین آزاد اپنی فیملی کے ساتھ گھر میں تھے۔

فوجی گھر میں اچانک گھسے، بندوق لہرائی اور چیخے، نکل جاؤ۔ میری دنیا اندھیر ہو گئی۔ بھرا پرا گھر تھا اور میں ساکت کھڑا تھا۔ کیا ساتھ لے جاؤں۔" جواہرات اور زیورات کو ہم نے ڈبے میں بند کر کے کنویں میں پھینک دیا تھا۔ میری نظر اپنے استاد ذوق کی غزلوں کے مجموعے پر پڑی جو ان کے پاس تھا (ذوق فوت ہو چکے تھے اور آزاد کا اس مجموعے کو ابھی شائع کرنے کا ارادہ تھا)۔ میں نے سوچا، "حسین، اگر خدا نے مدد کی اور بچ گئے تو باقی مال و دولت تو واپس مل جائے گا لیکن ایسا استاد پھر کب آئے گا۔ یہ غزلیں ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں گی۔ ان کے ذریعے ذوق مرنے کے بعد بھی زندہ رہیں گے۔ اگر یہ نہ بچیں تو میرے استاد بھی ختم ہو جائیں گے"۔ میں نے اس پیکٹ کو بغل تلے دبایا۔ اس گھر کو بائیس نیم مردہ ارواح کے ساتھ چھوڑ کر میں نکل لیا۔ آدم خلد سے نکلے تھے اور دہلی بھی خلد تھا۔ یہ ابنِ آدم کا خلد سے نکلنا تھا"۔

وہ رات آزاد کی فیملی نے بھی برف خانے گزاری۔ ان کے پاس کچھ آٹا تھا۔ ٹوٹے ہوئے کسی مرتبان میں آٹا گوندھ لیا تھا۔ پتوں اور ٹہنیوں کے ساتھ آگ جلائی تھی اور دوسرے پناہ گزینوں سے اس رات ادرک، نمک اور مرچ مانگ کر چٹنی بنا کر بھوک مٹائی تھی۔ آزاد کہتے ہیں کہ اس رات کی آدھ پکی ہوئی روٹی اور ادرک کی چٹنی زندگی میں کھائی بہترین بریانی، قورمے اور پلاؤ سے زیادہ اچھی لگی تھی۔

اگلے روز اپنی فیملی کو آگے روانہ کر کے اور ایک بڑا خطرہ مول لے کر آزاد واپس دہلی آ گئے۔ انہیں اپنے والد مولوی محمد باقر کی تلاش تھی۔ ان کی کسی سکھ افسر سے ملاقات ہوئی جس نے مدد کا وعدہ کیا۔ بھیس بدلوا کر وہ افسر انہیں وہاں لے گیا جہاں قیدی رکھے گئے پھانسی دئے جانے کا انتظار کر رہے تھے۔ جب باقر کو لے جایا رہا تھا تو باپ بیٹے کی نظریں آخری بار ایک دوسرے سے ملیں۔

مولوی محمد باقر کی پھانسی کے بعد آزاد نے دہلی چھوڑ دیا۔ ان کی اگلی زندگی ایک شہر سے دوسرے شہر اکیلے گھومتے اور شدید غربت میں گزری۔ مدراس، نلگری ہل، لکھنو اور پھر لاہور۔ چار سال تک انہوں نے اپنے استاد کی غزلوں کا مجموعہ نہیں چھوڑا۔

انہیں لاہور میں ڈاکئے کے طور پر ملازمت 1861 میں ملی اور پھر انہوں نے زندگی واپس بنانا شروع کی اور جیسا انہوں نے عہد کیا تھا۔ انہوں نے اپنے استاد کا مجموعہ شائع کروالیا جو دہلی شہر کے ایک عہد کی یادگار ہے۔ دہلی کی انٹلکچوئل اور آرٹ کی تخلیقی روایات کی یادگار، جنہیں چار سال پہلے تباہ کر دیا گیا تھا۔ آزاد کی اس لگن کی وجہ سے ابراہیم ذوق کا نام اور کام زندہ رہ گیا۔

دہلی سے نکلنے والے پناہ گزینوں کے ساتھ اچھا نہیں ہوا۔ انہیں گجر اور میواتی قبائلیوں نے لوٹ مار کا نشانہ بنایا۔ خواجہ حسن نظامی نے ان واقعات پر کتاب "بیگمات کے آنسو" لکھی ہے۔

شاہی خاندان کے مرزا شاہ زور اپنی حاملہ بیوی، چھوٹی بہن اور والدہ کے ساتھ نکل کر مہروالی پر قطب صاحب کی درگاہ پر گئے اور ایک رات گزاری۔ اگلی صبح چھتر پور سے کچھ میل دور گجروں نے لوٹ لیا۔ قبائلیوں نے سب کچھ چھین لیا لیکن جان بخشی کر دی۔ "خواتین رو رہی تھیں۔ میں نے دلاسہ دینے کی کوشش کی۔ قریب ہی گاؤں تھا۔ میری والدہ قدم قدم پر گر پڑتیں اور کہتیں کہ قسمت نے اس عمر میں انہیں کیا دن دکھائے ہیں۔ یہ گاؤں مسلمان میواتیوں کا تھا جنہوں نے ہمیں چوپال میں ٹھہرنے دیا۔ گاؤں والوں نے کھلایا پلایا لیکن کچھ دن بعد کہنے لگے کہ کام کاج میں حصہ ڈالیں۔ میں نے کہا کہ میں خوشی خوشی کام کو تیار ہوں۔ میں فوجی خاندان سے ہوں۔ بندوق چلانا جانتا ہوں۔ تلوار بازی کر سکتا ہوں۔ گاؤں والے ہنسنے لگے اور کہا کہ یہاں پر گولی چلانے کی ضرورت نہیں۔ ہل چلانے اور زمین کھودنے کی ہے۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ گاؤں والوں نے ترس کھایا اور کہا کہ کھیتوں کی حفاظت کرو اور خواتین سلائی کر دیا کریں اور ہم فصل میں سے حصہ دے دیں گے اور یوں ہماری زندگی سیٹ ہوئی۔ میں سارا دن کھیتوں میں گزارتا۔ پرندے اڑاتا اور خواتین گھر میں کپڑے سیتیں"۔

دو سال دیہات میں رہے اور اس دوران اصل بھوک برداشت کی۔ سیلاب انہیں تقریباً بہا لے گئے۔ ڈاکٹر نہ ہونے کی وجہ سے ان کی بیوی بچے کی پیدائش کے دوران انتقال کر گئیں۔ اس کے بعد انہیں دہلی آنے دیا گیا کہ وہ نئی زندگی گزار سکیں۔ جب برٹش نے شاہی خاندان کے بچ جانے والوں کے لئے پانچ روپے ماہانہ پنشن مقرر کی تھی۔

اسی طرح ظفر سلطان جو بہادر شاہ ظفر کے بھتیجے تھے، انیس ستمبر کو اپنی والدہ کے ساتھ بیل گاڑی پر نکلے۔ پہلی رات ایک گاؤں پر رکے اور سو گئے۔ اگلے روز اٹھے تو پتا لگا کہ بنجارا بیل اور گاڑی لے کر بھاگ گیا ہے۔ انہیں ایک جاٹ گاؤں میں پناہ ملی جہاں انہیں کھانا دیا گیا لیکن جلد ہی جاٹ ان پر ٹوٹ پڑے۔ جاٹوں کو شک تھا (اور صحیح تھا) کہ ان کے پاس قیمتی زیور ہیں۔ ظفر سلطان نے جب سب کچھ دے دیا تو جاٹ انہیں والدہ سمیت جنگل میں پھینک آئے۔ اس دوران والدہ کے سر پر لاٹھی لگی اور وہ شدید زخمی ہو گئیں۔ "میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کیسی ہیں تو انہوں نے کہا کہ میں ہندوستان کے بادشاہ کی بھابھی ہوں اور میری قسمت دیکھو۔ میں جنگل میں مر رہی ہوں اور دفن کے لئے کفن تک نہیں۔ وہ فوت ہو گئیں۔ میں نے ہمت جمع کر کے اپنی طرف سے جیسی قبر کھود سکتا تھا، کھود کر دفنا دیا"۔

ظفر سلطان فقیر بن گئے۔ ایک شہر سے دوسرے میں پھرا کرتے۔ ممبئی گئے اور پھر مکہ جہاں دس سال تک زائرین کی خیرات سے گزارا کرتے رہے۔ وہاں سے واپس کراچی اور پھر دہلی آ گئے۔ یہاں پر ٹھیلے والے کے طور پر کام کرتے رہے۔ ٹھیلے میں اینٹیں ڈھوتے جو ریلوے سٹیشن کی تعمیر کے لئے

استعمال ہو رہی تھیں۔ مزدوری سے اتنے پیسے بچا لئے کہ اپنا ٹھیلہ خرید لیا۔ انہیں سرکاری پنشن کی آفر ہوئی لیکن اس سے انکار کر دیا کہ "محنت کی روزی مانگے کی روزی سے بہتر ہے"۔

جب خواجہ حسن نظامی کی 1917 میں مرزا ظفر سلطان سے ملاقات ہوئی تو وہ بوڑھے تھے اور اونچا سنتے تھے۔ ان کا پتا اس وقت لگا تھا جب انہیں ایک تاجر سے لڑائی کے بعد عدالت لے جایا گیا تھا جس کے ٹانگے کی ان کے ٹھیلے سے ہونے والی ٹکر ہونے کے بعد امیر تاجر نے اپنا چابک نکال کر انہیں مارنا شروع کر دیا۔ ابتدائی ضربوں کے بعد وہ خاموش رہے لیکن پھر ہمت جمع کر کے ایک زوردار گھونسا مار کر تاجر کی ناک توڑ دی تھی۔ عدالت میں انہوں نے بتایا کہ "امیر شخص غریب کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ ساٹھ سال پہلے اس کے آباء ہمارے خادم ہوں گے۔ اور صرف اس کے نہیں، پورا ہندوستان میرے حکم کی تعمیل کرتا تھا۔ میں اپنے خاندان کو نہیں بھولا۔ ایسی ہتک کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ دیکھیں کہ ایک ہاتھ کھانے کے بعد کیسے بھاگ گیا تھا۔ تیموریوں کا ایک تھپڑ برداشت کرنا آسان نہیں ہے"۔

اور جو لوگ دلی سے نہیں نکلے، محل پر قبضہ ہو جانے کے بعد ان کے ساتھ زیادہ برا ہوا۔ شہر کے گھروں میں وہ لوگ جو زخمی تھے یا بیمار کہ وہ چل نہیں سکتے تھے۔ ان کی مشکل تلوار سے آسان کی گئی۔ گھروں سے اسلحہ، کپڑے، بستر، ڈھول اور موسیقی کا سامان۔۔۔ سب کچھ لوٹ لیا گیا۔

علاقے کو ہر قسم کے فسادیوں سے صاف کرنے کا حکم فوج کو ملا۔ وبارٹ جو فوج کا حصہ تھے، لکھتے ہیں، "وہ میری زندگی کا بدترین دن تھا۔ ہم دہلی اور ترکمان گیٹ کے قریب کے گھروں کو کلئیر کر رہے تھے۔ ایک گھر میں میرے سامنے تیس سے چالیس لوگوں کو مارا گیا۔ یہ قتل کے سوا کچھ اور نہیں تھا۔ خواتین کو چھوڑ دیا گیا لیکن اپنے شوہروں اور بیٹوں کو اپنے سامنے ذبح ہوتے دیکھ کر ان کی چیخیں سننا ناقابلِ برداشت تھا۔ آپ شہر کی سڑکوں پر گلتی سڑتی لاشیں اور بازاروں میں شراب کے نشے میں دھت فوجی دیکھ سکتے تھے۔

میں رحمدل شخص نہیں لیکن جب آپ کے سامنے ادھیڑ عمر شخص لایا جاتا ہے جو گر کر زندگی کی بھیک مانگ رہا ہو تو اسے مارتے وقت ہاتھ رک جاتا ہے۔ لیکن پھر آپ کو اپنے آپ کو یاد کروانا پڑتا ہے کہ یہ سب نیک مقصد کے لئے ہے۔ اس کا خون وہ داغ دھوئے گا جو اس کے لوگوں نے ہمارے ساتھ کئے۔ میرے والد اور والدہ کو مارا گیا تھا، بھائی اور بہن کو بھی۔ وہ انصاف کے لئے پکار رہے تھے۔ خدا نے طاقت اور ہمت دی اور ہم نے فرض پورا کر دیا لیکن خدا ایسا دن پھر کبھی نہ دکھائے"۔

سب سے برا قتلِ عام کوچہ چیلاں میں ہوا جہاں کے 1400 دہلی والوں کو مارا گیا۔ یہاں پر نواب محمد علی خان نے لوٹ مار کے خلاف مزاحمت کی تھی اور تین برٹش فوجیوں کو مار دیا تھا جو ان کی حویلی میں گھس آئے تھے اور زنانے میں چلے گئے تھے۔ ان برٹش فوجیوں کے ساتھی ایک عدد توپ یہاں لے آئے اور اس پوری حویلی کو اڑا دیا گیا۔

اس کے بعد محلے میں رہنے والے ہر شخص کا قتل ہوا۔ یہ سنگینیں گھونپ کر کیا گیا۔ چالیس افراد کو جمنا لایا گیا۔ قلعے کی دیوار کے ساتھ کھڑا کر کے گولیاں مار دی گئیں۔ کوچہ چیلاں دہلی کے دانشوروں کا محلہ تھا۔ سب سے قابل شاعر اور فنکار یہاں رہتے تھے۔ ظہیر دہلوی لکھتے ہیں، "یہ کوچہ دہلی کا فخر تھا۔ اس جیسا دنیا میں کہیں اور نہ ہو گا اور نہ کبھی آئے گا۔ اس میں میاں امیر پنجہ کش تھے جن کے مقابلے کا خطاط دنیا بھر میں نہ ہو گا۔ ہمارے بہترین شاعر مولوی امام بخش صہبائی اور ان کے دو بیٹے۔ میر نیاز علی جو دہلی کے مشہور قصہ گو تھے۔ ان چودہ سو لوگوں میں تھے۔ اسکے بعد ان سب کی لاشوں کو دریا میں پھینک دیا گیا۔ گھر کے مردوں کے قتل ہو جانے کے بعد کئی خواتین نے بچوں سمیت کنویں میں کود کر خودکشی کر لی۔ کئی مہینوں تک محلے کے کنویں لاشوں سے بھرے رہے۔ اور میرا قلم اس سے آگے لکھنے سے انکاری ہے"۔

قادر علی نے دہلی کے مورخ راشد الخیری کو بتایا،

دہلی میں قیامت کا سماں تھا۔ ہمیں دریا کنارے لے جایا گیا۔ فوجیوں بندوقیں تان رہے تھے۔ اس وقت برٹش فوج کا ایک مسلمان افسر ہمارے پاس آیا" اور کہا کہ موت تو تمہارے سامنے ہے۔ بندوق آگے، دریا پیچھے۔ جو تیرنا جانتے ہیں چھلانگ لگا دیں اور فرار ہو جائیں۔ میں اچھا تیراک تھا لیکن ماموں صاحب (صہبائی) اور ان کے بیٹے مولانا سوز نے یہ فن نہیں سیکھا تھا۔ میں انہیں چھوڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن ماموں صاحب نے اصرار کیا۔ میں نے چھلانگ لگا دی۔ پچاس ساٹھ گز ہی گیا ہوں گا کہ گولیوں کی آواز آئی اور میں نے گرتے ہوئے لوگوں کی قطار دیکھی"۔

ظہیر دہلوی کے سسر جنھوں نے بغاوت کے دنوں میں تین انگریز خواتین کو پناہ دی تھی اور زندگی بچا کر بھاگنے میں مدد کی تھی، انہیں بھی اسی روز اپنے بیٹے اور دو خادموں سمیت مار دیا گیا۔

دیوانِ خاص میں ضیافت جاری تھی، اس میں شریک میجر ولیم آئیر لینڈ لکھتے ہیں کہ "سکھ فوجی لوٹ مار میں سب سے ماہر نکلے۔ وہ گھروں میں چھپی جگہوں سے خزانہ ڈھونڈ نکال میں اچھے تھے۔ جنرل ولسن نے کہا تھا کہ مالِ غنیمت کی تقسیم منصفانہ ہو گی لیکن بہت سے سکھ فوجی اتنا لوٹ چکے تھے کہ وہ ان کے تمام خاندان کو امیر کر سکتا تھا۔ وہ اس کو لے کر نکلنے کے چکر میں تھے۔ شہر کے دروازوں پر گارڈ تعینات تھے لیکن وہ شہر کی دیوار سے خزانہ نیچے کھڑے دوستوں کو پھینک کر باہر لے جا رہے تھے"۔

برٹش فوج نے مارتے وقت کسی میں تمیز نہیں کی کہ کون ان کے حق میں تھا اور کون خلاف لیکن مخبر ان کے کام کے تھے۔ کسی شخص کو پکڑوانے پر دو روپے انعام مقرر تھا۔ کسی قیمتی سامان کا پتا دینے کی مخبری اچھا معاوضہ دیتی تھا۔

\-------------

بیس ستمبر کی رات کو جنرل بخت خان ہمایوں کے مقبرے پر رکے اور بہادر شاہ ظفر کو قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے کہ وہ ان کے ساتھ لکھنؤ چلیں جہاں سے جدوجہد جاری رکھی جائے۔ لیکن ایک بار پھر حکیم احسن اللہ خان نے مخالفت کی، "آپ بادشاہ ہیں۔ بغاوت کرنے والے انگریز فوج کے سپاہی تھے جنہوں نے اپنے افسروں سے بغاوت کی تھی، وہ ان سے لڑے اور ہار گئے اور بھاگ گئے۔ عالی جاہ کا ان سے کیا تعلق؟ بہادر بنیں۔ انگریز آپ کو قصوروار نہیں ٹھہرائیں گے"۔

مرزا مغل کو ان کے سسر مرزا الٰہی بخش نے ٹھہرنے کے لئے قائل کر لیا۔

اس رات مرزا الٰہی بخش دہلی آئے اور ہوڈسن کو بتایا کہ بہادر شاہ ظفر اور مرزا مغل کہاں چھپے ہوئے ہیں۔ یہ انفارمیشن بھی دی کہ ان کے پاس خاندان کے جواہرات ہیں اور جائیداد کی فہرست۔ ہوڈسن نے ولسن سے اجازت مانگی کہ وہ ان کو پکڑنے کے لئے جانا چاہتے ہیں۔ شاہی خاندان کو پکڑے بغیر فتح مکمل نہیں ہو گی۔

اکیس ستمبر کی صبح دہلی میں ہونے والا برطانوی شاہی سلیوٹ اس کا اعلان تھا کہ دہلی اب ایک بار پھر تاجِ برطانیہ تلے ہے۔ لیکن ہندوستان کا ہیرا شہر اب مردہ لاشوں اور نشے میں دھت برٹش فوجیوں کا ویرانہ تھا۔ میجر ولیم آئیرلینڈ جنہوں نے انگریز فوج کے طرزِ عمل کو تنقید کا نشانہ بنایا، لکھتے ہیں۔

"نہ بازار میں کوئی دکاندار تھا، نہ اونٹوں اور بیلوں کی گاڑیاں کھینچ کر لے جانے والا، نہ کوئی راہگیر تھا، نہ لوگ کھڑے خوش گپیاں لگا رہے تھے، نہ بچے مٹی میں کھیل رہے تھے، نہ خواتین کی آوازیں تھیں۔ گھروں کا سامان گلیوں میں الٹا پڑا تھا۔ پالتو جانور اپنے مالکوں کی تلاش میں گلیوں میں پھر رہے تھے۔ توپوں کے گولوں سے گری دیواروں کے منظر تھے۔ سڑتی انسانی لاشوں کو کوے اور گیدڑ کھا رہے تھے۔ کوئی خوشی سے شہر چھوڑ کر نہیں گیا تھا۔ اور کہتے ہیں کہ ہم نے دہلی آزاد کروالیا تھا"۔

لیفٹیننٹ ایڈورڈ اومانی، جو فارسی اور اردو کے سکالر تھے اور شہر کی تاریخ سے واقف تھے، اس منظر کو دیکھ کر سراسیمہ تھے۔

"اس شہر میں ڈیڑھ لاکھ لوگ بستے تھے۔ اب یہ تقریباً خالی تھا۔ جب نادر شاہ نے اسے تاراج کیا تھا، تب بھی ایسا نہیں ہوا تھا"۔

\-----------------

ہوڈسن مرزا الٰہی بخش اور برٹش کے دہلی میں جاسوسی نیٹورک کے سربراہ مولوی رجب علی اور پچاس پنجابی سواروں کے دستے کے ساتھ ہمایوں کے مقبرے کی طرف نکلے۔ وہ اپنا نام تاریخ کے کتابوں میں لکھوانا چاہتے تھے۔ سب کچھ طے تھا۔ اب گرفتاری کا وقت تھا۔ وہ اس کو پکڑنے نکلے تھے جس کے بارے میں برٹش کہتے تھے کہ وہ اس بغاوت کے جال کے مرکز میں بیٹھا مکڑا ہے۔

سوالات وجوابات

سوال	**Yameen Khan** شاید بہادر شاہ ظفر نے ٹیپو سلطان کا قول نہیں سنا تھا۔ اس لئے تو ذلالت کے موت مرا۔ جتنا ذلیل ہو کر وہ مر گیا اگر وہ ڈٹ کر مرتا تو آج دنیا اسے ہیرو مانتی لیکن اس نے زندگی کی بھیک مانگی اور بھیک سے مانگی ہوئی ہر چیز انسان کو ذلیل کرتی ہے۔ چاہے وہ زندگی ہو یا رزق
جواب	"جتنا ذلیل ہو کر وہ مر گیا" اگر علم نہ ہو تو مسئلہ نہیں۔ بات کرنے کی تہذیب سیکھنا لازم ہے۔
سوال	**Yameen Khan** سر کیوں رنگون کی ایک گیراج میں کس حالت میں موت واقع ہوئی تھی۔ بد تہذیبی کونسی ہوئی سر کیا یہ کہتا کہ جوانمردی سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔
جواب	بیمار ہوئے اور فوت ہو گئے۔ ویسے ہی اس دنیا سے رخصت ہوئے جیسے ہر کسی نے ہونا ہے۔ آج ان کی قبر پر لوگوں کی آمدورفت رہتی ہے۔ بہت سے لوگ ان کا بے حد احترام کرتے ہیں۔ ملکوں کے سربراہ وہاں جا کر اپنے تاثرات قلمبند کرتے ہیں۔
سوال	**Yameen Khan** جی جنازہ کس نے پڑھایا طشت میں سر دکھائے گئے تیموری خاندان کے عورتوں کی عزت کو تار تار کیا گیا جہاں پناہ کے تو صرف لنگر میں سینکڑوں کھانے بنتے تھے تخت پر بیٹھتے وقت ہیرے جواہرات سے تولا گیا لیکن موت آئی تو کیسے کہاں اور کس حال میں سر کیوں آپ حقیقت کو جذبات میں دفن کرنا چاہتے ہیں

جواب	"تیموری خاندان کے عورتوں کی عزت کو تار تار کیا گیا" تاریخ میں اس کے کوئی شواہد نہیں۔ "جنازہ کس نے پڑھایا" ان کے ایک خادم نے۔لیکن کسی کا جنازہ کون پڑھاتا ہے کا تعلق کسی شخص کی زندگی کی کامیابی سے نہیں۔شاہ جہاں کامیاب کو کامیاب حکمران اس لئے نہیں کہا جاتا کہ ان کا جنازہ پڑھانے والے کوئی مشہور شخصیت تھے۔ "طشت میں سر دکھائے گئے" کونسے طشت میں؟ "جہاں پناہ کے تو صرف لنگر میں سینکڑوں کھانے بنتے تھے" تو کیا ٹیپو سلطان دال روٹی کھاتے تھے؟ جہاں پناہ کے تو صرف لنگر میں سینکڑوں کھانے بنتے تھے" " تخت پر بیٹھتے وقت ہیرے جواہرات سے تولا گیا" بہادر شاہ ظفر کی تخت پوشی کے وقت ہیرے جواہرات سے نہیں تولا گیا۔اگر یہ انفارمیشن کسی نے دی ہے تو غلط ہے۔ "موت آئی تو کیسے کہاں اور کس حال میں" رنگون میں۔بڑھاپے میں بیمار ہو کر۔ویسے ہی جیسے میرے بڑھاپے میں آتی ہے۔ "آپ حقیقت کو جذبات میں دفن کرنا چاہتے ہیں" کونسی حقیقت کو؟
سوال	**Yameen Khan** سر یہی تو آپ جیسے تاریخ دانوں نے لکھا اور ہمیں پڑھایا گیا ہے۔نہیں تیموری خاندان کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے حج پے بھجوایا تھا
جواب	"تیموری خاندان کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے حج پے بھجوایا تھا" یہ غلط انفارمیشن ہے۔ایسا کوئی بھی واقعہ نہیں۔ "ہمیں پڑھایا گیا ہے " آپ کو یقینا پڑھایا گیا ہو گا لیکن یہ درست نہیں ہے۔ یہ سیریز پورے پس منظر کے ساتھ اسی لئے لکھنے کی کوشش کی تھی تاکہ اس وقت کے حالات، سوچ اور فیصلوں کو غیر جذباتی انداز میں دیکھا جا سکے۔
سوال	**Yameen Khan** میں نے طنزا کہا کہ حج پے بھجوایا۔جناب باقی یہی تاریخ ہے جس کا جی میں جیسے ایا لکھ دیا آپ نے جو لکھا آپ نے بھی کہیں سے پڑھا ہوگا

جواب	" جس کا جی میں جیسے آیا لکھ دیا" جب آپ اسی قسم کے غیر معیاری ذرائع سے تاریخ پڑھیں گے تو ویسے ہی ذہن میں تصورات بنیں گے جیسے کمنٹس میں لکھ رہے ہیں۔
سوال	**Anwar ali** سر کہیں سنا تھا کہ کہ بہادر شاہ ظفر کی اولاد اج بھی رنگون کی گلیوں میں ننگے پیٹ ننگے پاوں بھیک مانگ کر گزر بسر کرتی ہے اور فٹ پاتھوں پر سوتی ہیں اپکے علم کے یہ مطابق کتنا سچ ہے ؟؟
جواب	شاہ کے بیٹے مرزا عباس نے شادی رنگون میں ایک تاجر کی بیٹی سے کی تھی۔ان کی اولاد سے آگے چلنے والی نسل برما میں ہے۔خوشحال بھی ہیں اور بدحال بھی۔ویسے ہی جیسے کسی بھی نسم کے ساتھ ہوتا ہے
سوال	**Shoaib Nazir** سر۔ ایک بات اکثر لوگ جو ایک خاص فکر کے حامل ہوتے ہیں ان کے مطابق ہمیں جو تاریخ نصاب میں پڑھائی جاتی ہے وہ جھوٹ ہے"۔" اس بات میں کتنے فی صد (اندازا) سچائی ہے۔
جواب	ایسا تو نہیں کہ یہ تمام کی تمام غلط ہے لیکن اس میں کئی جگہ پر omissions ہیں اور کئی جگہ پر ٹھیک معلومات نہیں ہے۔اور ایسا کئے جانے کی وجہ ہے۔جو تاریخ نصاب میں پڑھائی جاتی ہے، اس کا مقصد سچ بیان کرنا نہیں ہے۔قومی تشخص اجاگر کرنا ہے۔
سوال	**Shoaib Nazir** سر Omission کسے کہتے ہیں؟۔
جواب	کا مطلب یہ کہ کوئی شے جو جان بوجھ کر حذف کر دی جائے۔جیسا کہ علاقے کی تاریخ کا بڑا حصہ تاریخ میں شامل نہیں۔ (ایک وقت میں ہوا کرتا تھا، پھر نکال دیا گیا)۔پاکستان بننے کے بعد کا بہت سا حصہ بھی سنسر شدہ ہے۔مثلاً، ہمسایوں سے تعلقات یا پھر پاکستان کے دوسرے ونگ کی تاریخ جو پھر بنگلہ دیش بن گیا
سوال	**Shoaib Nazir** شکریہ۔۔ مطلب صرف ایک انتہا کو پکڑ بیٹھنا درست نہیں ہے۔۔۔ یعنی ایک انتہا بالکل سچ مان رہی اور دوسری بالکل برعکس۔۔۔ مزید یہ بتا دیں۔۔۔کیا یہ بات درست ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا۔۔۔؟۔ ایک لمبے عرصے تک اکٹھے رہنے والوں کو اچانک کیا ہو گیا کہ اکٹھا رہنا ناممکن ہو گیا؟۔ کیا اس میں انگریز کا ہاتھ تھا۔۔۔کسی حد تک یا زیادہ؟/۔

جواب	"کیا یہ بات درست ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا۔۔۔؟" جی۔ "ایک لمبے عرصے تک اکٹھے رہنے والوں کو اچانک کیا ہو گیا کہ اکٹھا رہنا ناممکن ہو گیا؟۔" اس بات کا اندازہ شاید ہی اپنے وقت میں کسی کو ہو کہ پاکستان اور انڈیا آپس میں دوست ممالک نہیں رہیں گے۔ابتدائی برسوں میں 1967 تک ان کی سرحدیں کھلی رہی تھیں۔پی آئی اے کا پہلا فلائٹ روٹ دہلی اور کراچی اور دہلی اور لاہور کے بیچ تھا۔آمدورفت کے لئے کسی کو ویزے یا پاسپورٹ کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ سب اچانک نہیں ہوا۔
سوال	**Yameen Khan** ہمیشہ اپنوں نے ہی اپنوں کو دھوکے دیئے اور یہ دھوکہ بازی کی خاصیت مسلمانوں میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے دیکھیں تاریخ میں ہر شاہی خاندان اپنوں کے سازشوں کا شکار ہوا ہے۔۔
جواب	"دھوکہ بازی کی خاصیت مسلمانوں میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے" اگر آپ کو مسلمانوں سے کوئی مسئلہ ہے تو اپنی بھڑاس کہیں اور جا کر نکالیں۔اس فورم پر رہنے کے قواعد کی پابندی کیجئے۔یہ پوسٹ تاریخ کے موضوع پر ہے۔
سوال	**Yameen Khan** سر میں نے کیا غلط کہا تاریخ کے استاد ہیں آپ اموی،عباسی،مغل ہو ٹیپو سلطان ہو یا کوئی اور دشمنوں نے نہیں اپنوں نے ہی تہہ وتیغ کیا
جواب	اپنا کون ہے اور غیر کون؟ دنیا میں صرف دو گروپ نہیں۔اور ہر جگہ پر ہونے والی جنگوں کی اپنی وجوہات رہی ہیں۔سب سے اہم وجہ دوسرے سے علاقہ حاصل کرنا تھی۔ویسے جیسے اس حکمران نے پچھلے کسی سے حاصل کیا تھا۔
سوال	**Yameen Khan** سر لیکن دھوکے تو شاہی محلات میں ہوئے سر قلم ہوئے اپنوں کے حکمرانی کے لئے چاہے اہل بیت کا قتل عام ہو یا باپ، بیٹا بھائی، چاچا، بھتیجا حتی کے کسی نے کسی کو نہیں بخشا مقصد صرف حکمرانی تخت و تاج
جواب	"دھوکے تو شاہی محلات میں ہوئے" بادشاہی ایسے ہی کام کیا کرتی تھی۔اسی لئے یہ نظام دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔ "مقصد صرف حکمرانی تخت و تاج" اس مقصد میں حرج کیا ہے؟ ایک انتخاب میں سیاستدان الیکشن اسی لئے نہیں لڑتا؟
سوال	**Afaq Ahmad Khan** ساری دنیا سے لڑتا مرتا مارتا سورج کے غروب نہ ہونے پر فخر کرتا یوکے آج ہمارے ایک صوبے کے رقبے کے برابر رہ گیا ہے

جواب	کئی دوسری شاندار سلطنتیں تو منہدم ہونے کے بعد بالکل ہی ختم ہو گئیں۔یہ تو پھر بھی بچ گئی اور آج دنیا کے طاقتور اور خوشحال ممالک میں اس کا شمار ہوتا ہے۔جو چیز انہوں نے اچھی کی، وہ یہ کہ اپنے پرانی ماضی میں نہیں پھنسے رہے (اگرچہ اس کا خطرہ تھا) اور نہ ہی اس زمانے کا دفاع کرتے ہیں۔
سوال	**Junaid Ahmed** سر۔اگر جون کے مہینے میں برٹش افواج کا خاتمہ ہوجاتا تو آپ کی رائے میں آج کا سرحدی نقشہ کیا ہوتا ؟
جواب	چونکہ کوئی بھیdominantفورس نہیں تھی، کہیں کوئی مرکزی قیادت نہیں تھی۔ آپس میں تعلقات اچھے نہیں تھے تو امکان ہے کہ شاید جلد ہی ہندوستان کی راجدھانیوں کی آپس میں طویل جنگیں چھڑ جاتیں۔مہاراجہ گلاب سنگھ، دکن کے نظام اور چند دوسرے نواب اچھی پوزیشن میں تھے۔ روس آسانی سے توسیع کر سکتا تھا۔جس طرح وسطی ایشیا کی ریاستوں پر قبضہ کیا۔ہندوستان کی طرف اس لئے نہیں آیا کہ یہاں برٹش تھے۔اگر وہ نہ رہتے تو پھر اسے آسان راستہ مل جاتا۔دوسری یورپی طاقتیں داخل ہو سکتی تھیں۔جس طرح افریقہ کے ساتھ ہوا۔
سوال	**Mohammad Zackaryaa Mohiuddin** معافی چاہتا ہوں کہ کچھ جہل آمیز تبصروں کی وجہ سے جو اصل بات پوچھنی تھی وہ رہ گئی۔میں نے پڑھا ہے کہ مقبرہ ہمایوں پر میجر ہڈسن کے ساتھ جو دستہ آیا تھا وہ سارے سکھ تھے۔انہیں پنجاب سے غدر کے بعد بھرتی کئے گئے تھے ان میں پنجاب پولیس کے رنگروٹ بھی شامل تھے۔اورنگے کے پتر سے بدلہ کوان کی بھرتی کے وقت بطور نعرہ استعمال کیا گیا تھا۔تصیح فرمائیں
جواب	جی بالکل، ہڈسن کے ساتھ جانے والوں میں زیادہ تر سکھ رنگروٹ تھے۔اگرچہ اس ٹیم کے سب سے اہم رکن مرزا الٰہی بخش اور مولوی رجب علی تھے۔
سوال	**Naeem Ameen** پنجابی سپاہی بڑی مبہم اصطلاح ہے۔اس وقت کا برٹش پنجاب افغان بارڈر سے تقریباً دلی تک پھیلا ہوا تھا۔اس میں بے شمار قبیلے اور قومیں بستی تھیں۔مذہبی اعتبار سے مسلمان، ہندو اور سکھ تین بڑے گروہ تھے۔دلی میں غدر مچانے والے برٹش فوج کے پنجابی سپاہی زیادہ تر سکھ تھے نہ کہ ہندو یا مسلمان۔آپ کی پوسٹ سے تاثر مختلف ملتا ہے۔
جواب	پنجابی سپاہی بہت واضح اصطلاح ہے۔برٹش انڈین فوج کی پنجاب رجمنٹ کے سپاہیوں کو پنجابی سپاہی لکھا جاتا تھا۔دہلی پر حملہ آور ہونے والی پنجابی سپاہیوں میں تقریباً ایک تہائی مسلمان تھے۔اس کا ذکر اس سلسلے میں کئی بار لکھا گیا ہے۔

25۔ گرفتاری

ہوڈسن بہادر شاہ ظفر کی گرفتاری کے ہمایوں کے مقبرے پر پہنچ گئے۔گرفتار کرنے والی پارٹی میں سے مولوی رجب علی اور مرزا الہی بخش کو بات کرنے اندر بھیجا۔ان کے ساتھ سکھ رسالدار من سنگھ اور چند محافظ تھے۔مولوی رجب علی نے یہ مذاکرات کرنے تھے۔ دو گھنٹے بات چیت چلتی رہی اور پھر رسالدار نے آ کر بتایا کہ بادشاہ باہر آ رہے ہیں۔کچھ تاخیر کے بعد پالکی میں بادشاہ برآمد ہوئے۔ ان کے ساتھ مرزا الہی بخش اور مولوی تھے۔ان کے پیچھے بیگم زینت محل اپنے بیٹے اور والد کے ساتھ۔پالکی رکی اور ہوڈسن کو پیغام دیا گیا کہ بادشاہ خود ہوڈسن کی زبان سے ضمانت چاہتے ہیں۔ہوڈسن نے وعدہ کیا کہ جیسے طے ہوا ہے، جان بھی بخشی جائے گی اور بے عزتی بھی نہیں کی جائے گی۔

اس کے بعد سب دہلی روانہ ہو گئے۔دہلی میں چاندنی چوک سے ہوتے ہوئے قلعے میں داخل ہو گئے۔چند روز پہلے تک اس قلعے میں بادشاہ کے طور پر رہنے والے بہادر شاہ ظفر اب یہاں بادشاہ نہیں، قیدی تھے۔

ہر کوئی رک کر انہیں گھور رہا تھا۔ایک برٹش سرجن نے اس منظر کو یوں بیان کیا، "وہ ایک بوڑھا شخص تھا جس کے چہرے پر اداسی تھی جسے اپنے محل کے ملبے سے گزار کر لایا گیا تھا۔وہ کسی ظالم شخص کا چہرہ نہیں لگتا تھا۔میری توقع سے بڑا مختلف تھا"۔

ظفر کو زینت محل کی حویلی لے جایا گیا۔ان کو بدتمیز اور جارحانہ مزاج کوگہل کی تحویل میں دے دیا گیا۔"میرا دل خوش ہو گیا کہ ہندوستان کا بادشاہ میرا قیدی تھا۔میں نے اسے خوب گالیاں دیں۔سؤر اور دوسرے مناسب القابات سے نوازا۔پوچھا کہ اس نے ہمارے ساتھ ایسا کیوں کیا۔وہ چپ کر کے نظریں نیچی کئے سنتا رہا۔اگر اس نے آنکھ اٹھائی بھی ہوتی تو میں نے اسے گولی مار دینی تھی۔اس پر دو سنتری مقرر کئے اور انہیں حکم دیا کہ اگر یہ زیادہ چوں چراں کرے تو بے دریغ اسے شوٹ کر دیں"۔

اگلی صبح ہوڈسن نے تین شہزادوں کو لینے جانا تھا۔مرزا الہی بخش نے بتایا تھا کہ وہ وہیں پر ہیں۔ان تینوں نے انقلاب کے دوران مغل فورسز کی قیادت کی تھی۔جنرل ولسن نے ہوڈسن کو کہا کہ شہزادوں کے ساتھ جو دل چاہے، سلوک کریں۔صبح آٹھ بجے مولوی رجب اور مرزا الہی بخش کے ساتھ ہوڈسن پھر نکلے۔ان دونوں کو پھر مذاکرات کے لئے اندر بھیجا گیا۔آدھے گھنٹے بعد شہزادوں نے ہوڈسن کو

پیغام بھیجا کہ وہ ہتھیار ڈالنے کے لئے تیار ہیں اگر ان کی جان بخشی کا وعدہ کیا جائے۔ ہوڈسن نے کہا کہ "نہیں، کسی بھی چیز کی کوئی گارنٹی نہیں۔ غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے ہوں گے"۔ انتظار بڑھتا گیا۔ شہزادے ہتھیار ڈالنے کو تیار نہ تھے۔

یہ جگہ دہلی سے چھ میل دور تھی۔ ہوڈسن کے پاس سو سپاہی تھے۔ اس احاطے میں تین ہزار مسلمان۔ اگر بزور لے جانے کی کوشش کی جاتی تو شاید ہی ہوڈسن بچ پاتے۔ اس لئے وہ امید کر رہے تھے کہ مرزا الٰہی بخش اور مولوی رجب علی اپنا کمال دکھا سکیں گے اور انہیں قائل کر لیں گے۔ مرزا الٰہی بخش بہادر شاہ ظفر کے سمدھی اور ان تین شہزادوں میں سے مرزا ابو بکر کے نانا تھے۔ یہ کمال کیسے کیا گیا؟ معلوم نہیں۔ لیکن طویل بات چیت کے بعد شہزادوں نے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ شہزادوں کو ایک رتھ پر سوار کیا گیا جس کو بیل کھینچ رہے تھے۔ پانچ فوجی ایک طرف، پانچ دوسری طرف۔ سب دہلی روانہ ہو گئے۔

دہلی کے پاس پہنچے تو لوگوں کا کچھ مجمع تھا۔ ہوڈسن نے یہاں پر رتھ رکوائی۔ تینوں شہزادوں کو رتھ سے اترنے کو کہا اور پھر انہیں جسم کے تمام کپڑے اتارنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد ایک ریوالور نکالا اور اور مرزا مغل کے سینے پر رکھ دیا اور دو فائر کئے۔ یہی باقی دونوں کے ساتھ کیا گیا۔ پھر ان کی لاشوں سے بازوبند اور انگوٹھیاں اتاریں اور ٹرافی کے طور پر اپنے پاس رکھ لیں اور ان کی تلواریں بھی۔ اگلے روز اپنی بہن کو ہوڈسن نے خط لکھا۔

"یہ ایک تھکا دینے والی مہم تھی لیکن یہ اس کا بہترین اور یادگار وقت تھا۔ میں نے اپنی نسل کے دشمنوں کو مار دیا تھا۔ یہ ہماری قوم کے لئے خوشی کی گھڑی تھی۔ میں ظالم نہیں لیکن یہ تسلیم کرتا ہوں کہ زمین کو ان کمینوں کے بوجھ سے نجات دلوا کر بہت خوشی محسوس ہوئی تھی"۔

شہزادوں کی برہنہ لاشیں کوتوالی کے آگے رکھ دی گئیں جہاں فوجیوں کی ان کو دیکھنے کے لئے قطار لگنے لگی۔ ہوڈسن کو شاباشیں ملنے لگیں۔

ہوڈسن نے جو کیا، اس پر بعد میں انکوائری کی گئی۔ اس پر نہیں کہ شہزادوں کو کیوں مارا۔ اس پر کہ بہادر شاہ ظفر کی زندگی بچنے کی گارنٹی کیوں دی؟

اس دوران متجسس برٹش فوجی قید بادشاہ کو دیکھنے آ رہے تھے جو ملکہ کی حویلی میں بیٹھے تھے۔ ایک افسر کے مطابق "جیسے پنجرے میں درندہ بند ہو"۔ ایک افسر نے گھر خط میں لکھا، "ہم بادشاہ کو مجبور کرتے کہ کھڑے ہو کر ہمیں سلام کرے"۔

جب بہادر شاہ ظفر کو تین شہزادوں کے ہلاک ہونے کی خبر دی گئی تو انہوں نے کوئی تاثر نہیں دیا۔

اس دوران دلی میں فوجی عدالتیں بن گئیں۔شہر میں پھانسیاں نصب ہونے لگیں۔اب شہر میں انصاف کئے جانے کی باری تھی۔

سوالات وجوابات

سوال	**Naeem Tariq** جان بخشی اور بے عزتی نہ کی جائے گی کے بدلے گرفتاری بہادرشاہ ظفر کے حصے میں آئی جبکہ جان کی قربانی اور عزت کی جائے گی کے بدلے میں شہادت ٹیپو سلطان کے حصے میں آئی ہمارے لیے ایک سبق کیا سچ مچ یہ قول ٹیپو سلطان کا ہی ہے کہ "شیر کی ایک دن کی زندگی گیڈر کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے"
جواب	یہ قول ٹیپو سلطان سے منسوب ہے۔(اگرچہ ان کی بہادری سے نتیجے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی)۔
سوال	**Naeem Tariq** ۔آپ کی تحریر نے ایک بار پھر تاریخ کو پڑھنے کی ترغیب دی۔ انوکھا انداز بیاں۔کیا ٹیپو سلطان کا ذکر گزر چکا ہے گزشتہ اقساط میں۔بہت دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔شکریہ

جواب	ٹیپو سلطان کو شکست 1799 میں ہوئی تھی۔دہلی پر برٹش تسلط مرہٹوں کو پہلی جنگ میں شکست دینے کے بعد 1803 میں ہوا تھا جب لال قلعے میں بہادر شاہ کے دادا ہوا کرتے تھے۔ٹیپو سلطان اور بہادر شاہ کے انجام میں 58 برس یا دو نسلوں کا فاصلہ ہے۔اس سیریز کا فوکس بہادر شاہ ہیں
سوال	**Zeeshan Ali** ظفر کی بزدلی سے بھی تو نتیجہ نہیں بدلا۔ٹیپو نے خیر کوشش تو کی نا۔
جواب	ایسا کہہ لیں کہ ٹیپو سلطان کی کہانیاںinspireکرنے کے لئے مفید ہیں کیونکہ وہ جنگ میں مارے گئے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید کوئی انہیں مرہٹوں کے خلاف جنگ میں شکست اور جان بچانے کے لئے کئے جانے والے گاجندراگاد کے ذلت آمیز معاہدے اور ادا کئے جانے والے خراج اور اپنے والد کی سلطنت کا علاقہ مرہٹوں کے حوالے کر دئے جانے سے جانتا۔لیکن اب ہم انہیں بہادر کہتے ہیں۔ ٹیپو سلطان ایک اچھے حکمران تھے۔
سوال	**Khalid Mehmood Azaad** استاد محترم بہادر شاہ ظفر شاعر بھی تھے اور شاعر ایک حساس انسان ہوتا ہے انہوں نے اپنی ڈائری وغیرہ یا شاعری کے ذریعے ان حالات کی منظر کشی کی تھی کیا اس کا بھی کوئی ریکارڈ موجود ہے جیسے ہم نے سنا ہے کہ اس کی یہ غزل جلا وطنی کے دوران لکھی ہے لگتا نہیں ہے جی مرا اُجڑے دیار میں کس کی بنی ہے عالمِ ناپائدار میں عمر دراز مانگ کے لائے تھے چار دن دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں کہہ دو اِن حسرتوں سے کہیں اور جا بسیں اتنی جگہ کہاں ہے دلِ داغدار میں کتنا ہے بدنصیب ظفرؔ دفن کے لئے دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں
جواب	یہ والی نظم بہادر شاہ ظفر سے منسوب ہے (اور بہت مشہور ہے) لیکن غالباً ان کی لکھی ہوئی نہیں ہے۔نہ ہی ان کے دیوان میں ہے اور نہ ہی یہ ان کا انداز ہے۔اپنی جلاوطنی میں انہیں کاغذ اور قلم تک رسائی نہیں تھی۔ ان سے منسوب دو مشہور غزلوں کا اصل مصنف کون ہے؟ اس کا معلوم نہیں۔

سوال	**Khalid Mehmood Azaad** سر آپ نے بالکل غیر جانبدارانہ انداز میں تاریخ بیان کی ہے جس سے کافی ساری غلط فہمیاں دور ہو گئی ہیں اچھا ہو گیا یہ سوال پوچھ لیا یہ بھی کلئیر ہو گیا جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے یہ غزل ہم نے اپنے میٹرک کے اردو کے سلیبس میں بہادر شاہ ظفر کے نام سے پڑھی تھی ان کے دیوان کس نام سے ہے سر جی
جواب	جی بالکل، یہ غزل عام طور پر بہادر شاہ سے ہی منسوب کی جاتی ہے۔ ان کی اردو شاعری کا مجموعہ دیوانِ ظفر کے نام سے ہے۔باقی تین زبانوں میں کی گئی شاعری کے بھی مجموعے محفوظ ہیں۔
سوال	**Aamir Bashir** ان سے ایک منسوب غزل نہ کسی کی۔آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں وہ غزل مضطر خیر آبادی کی ہے
جواب	جی بالکل، "نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں" والی غزل بھی ان کی نہیں۔لیکن مندرجہ ذیل اشعار بہادر شاہ ظفر کے ہیں۔ ظفرؔ آدمی اس کو نہ جانئے گا وہ ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا
سوال	**Syedhasan Qayamraza** شہزادوں نے سوچا بھی نہیں تھا۔۔شاید ان کے ساتھ ایسا ہوگا۔۔؟ انگریز۔۔پہلے ہی سے یہ پلان بنائے ہوئے تھے کہ ہندوستان پر حکومت کریں گے۔۔۔کہانی اچھی جارہی ہے۔۔کیا 1947 تک کے واقعات ہیں۔۔؟
جواب	انگریزوں کے پاس ہندوستان کا بڑا حصہ اس سے کئی سال پہلے سکھا شاہی کی شکست کے بعد آ چکا تھا۔اس کی تفصیل ابتدائی اقساط میں ہے۔ایک ڈیڑھ سال رہنے والی یہ شورش درمیان کا ایک وقفہ تھی۔
سوال	**Shaista Warraich** انگریز کیوں قبضہ کرنا چاہتے تھے ہندوستان پر اپنے علاقے کو چھوڑ اتنی دور ہندوستان میں آ کر جب کے تب تو نقل و حرکت بھی خاصی مشکل تھی 1900 صدی کے وقت آج تو ہر کوئی باہر یورپ امریکہ انگلینڈ جانے کا سوچتا اور خواہش رکھتا ہے لیکن انگریزوں کو کیا پڑی تھی یہاں آنے کی جبکے یہاں کی عوام تو وہاں جانا چاہتی ہے کیونکہ وہاں سہولیات زیادہ ہیں انڈیا پاکستان کی نسبت **Syedhasan Qayamraza** اچھا سوال۔

	Naeem Tariq وہ نوآبادیاتی دور تھا۔پرتگالیوں اور انگریزوں کے درمیان ایک طرح کی مسابقت جاری تھی۔ولندیزی بھی اس میں کودپڑے۔ایک طرح سے سکندر اعظم کی دنیا کو فتح کرنے کی سوچ کارفرما رہی ہوگی شاید اس کی پشت پر۔سوال بہت جاندار ہے۔گڈ
جواب	کالونیکل دور میں برطانیہ، فرانس، سپین اور پرتگال بڑی پاورز تھیں، جن کا افریقہ، ایشیا، امریکاز اور آسٹریلیا کے بڑے علاقے پر قبضہ تھا۔اس کے علاوہ روس کا قبضہ وسطی ایشیا، پولینڈ، فن لینڈ اور بالٹک ریاستوں پر رہا۔نیدرلینڈز کا انڈونیشیا اور سرینیم پر۔اٹلی کا لیبیا اور صومالیہ پر، جرمنی کا ٹوگو، کیمرون، تنزانیہ اور نمیبیا پر۔جاپان کا تائیوان، کوریا، مینچوریا، ساخالین پر۔ بلجیئم کا کانگو پر۔ کالونیل دور میں مقامی پاور سٹرکچرز دور دراز کی طاقتوں نے الٹا دئے تھے۔یہ دنیا کو فتح کرنے کی جنگ تھی اور ہندوستان اس میں ایک بڑا پرائز تھا جو برٹش کے حصے میں آیا۔
سوال	**Muheb Ali** ویسے مولوی بلا کا جاسوس اور غدار تھا (کوئی ملال نہیں سہ مغل صرف نام کی مسلم حکومت تھی)، بعد میں مولوی جی کو کوئی اعزاز ، جاگیر ، نوابی وغیرہ ملک تھی بھی یا نہیں ؟
جواب	غدار کا مفہوم اپنے دوستوں یا اپنی کاز سے بے وفائی کرنے والے کے ہیں۔مولوی رجب علی کا تعلق لاہور سے تھا۔لاہور اس جنگ میں مغلوں کے خلاف اور برٹش کے حق میں تھا۔مولوی رجب علی برٹش سرکار کے ملازم تھے۔اس سے پہلے منشی اور پھر پولیٹیکل ایجنٹ رہ چکے تھے اور بہت قابل انٹیلی جنس ایجنٹ تھے۔جنگ میں اپنی سائیڈ کی جیت میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ البتہ مرزا الٰہی بخش، جو بہادر شاہ ظفر کے قابلِ بھروسہ شخص تھے، درپردہ ان کے خلاف تھے۔اپنے نواسے تک کو مروانے میں ان کا کردار اس قدر حیران کن تھا کہ خود برٹش نے انہیں "دہلی کا غدار" کہا ہے۔تاہم ان کی حویلی بھی بعد میں برٹش کے ہاتھوں نہ بچی۔
سوال	**Mohammad Ayub** آ تجھ کو بتا دوں تقدیر امم کیا ہے„ شمشیر و سناں اول طاءوس و رباب آخر
جواب	اس میں انقلابیوں کے پاس شمشیر و سناں کی بہتات تھی۔جذبہ بھی برٹش فوج سے زیادہ تھا۔کمی کسی اور چیز کی تھی۔
سوال	**Mohammad Ayub** lack of leadership sir.
جواب	نہیں۔اتنا معمولی مسئلہ نہیں تھا۔

سوال	**Saleh Javeed** ان سب واقعات اور اس انجام کو پڑھ کر ایک محاورہ یاد آجاتا ہے "بندہ تدبیر کنندہ تقدیر خندہ بہ بندہ" اور خانہ کعبہ پر حملہ والی تحریر میں جحیمی کو قتل کر دیا گیا مگر اس کے قتل اور حملے نے ایک سوچ پیدا کردی جس کا شاخسانہ القاعدہ اور داعش جیسی تنظمیں تھیں برصغیر میں بھی آزادی کی سوچ انگریزوں کی اسی بدانتظامی اور انتقامی کاروائیاں ہی تھیں
جواب	جی، بعد میں جس طرح تاریخ نے رخ لیا، اس میں ان واقعات کا بڑا ہاتھ ہے۔
سوال	**Mohsin Khan** تاریخ ہمشہ جھوٹ پر مبنی ہوتی ہیں، تاریخ کا مطالعہ کرنا ہوں تو بادشاہوں اور وڈیروں کے بجائے عام شخصیات سے معلومات لی جاے،
جواب	بادشاہ تاریخ کا حصہ نہیں ہوتے؟
سوال	**Kings Nasir** جب بادشاہوں کے درباروں میں فنون لطیفہ جگہ لے لے تو پھر ایسا ہی ہوتا ، ناچ گانے، شیروشاعری ڈھول ڈھمکے آجائیں اور اسلحہ کی بجائے سونے چاندی کے ظروف ، تو پھر مسلمان بادشاہوں کو حکمرانی کا کوئی حق نہیں ، سوائے ذلیل و خوار ہونے کے کچھ نہیں ملتا ، سقوطِ بغداد کی دردناک شکست نہیں بھولتی ، سبق کے لیے وہی کافی تھی ،،اور جو بہادر دلیر اور دین اسلام پہ چلنے والے تھے ، انھیں، میر جعفر میر صادق ، مرزا الٰہی بخش اور مولوی رجب علی ، امیر سعد الدین کو پیک امیر بھاالدین ،،،، نجانے کتنے غداروں کی غداری کے سبب تباہ ہوئے یہ سب غدار بھی اپنی ہی غلاظتوں میں ڈوب کر فنا ہوگئے ، لیکن انکی بقایاجات اب بھی اسی مشن پہ کاربند ہیں ،،،، آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے
جواب	ملکہ وکٹوریا کے دربار میں بھی تلوار بازی کے مقابلے نہیں ہوا کرتے تھے۔اور نہ ہی ملکہ پلاسٹک کی پلیٹ میں کھاتی تھیں۔بغداد کا سقوط تو بہت بار ہوا ہے۔سب سے پہلی بار اسے تاراج کرنے والے مامون تھے۔۔پھر منگولوں نے، پھر تیمور لنگ نے اس کی اینٹ سے اینٹ بجائی۔پھر صفویوں اور عثمانیوں نے اسے لوٹا اور اس پر قبضہ جمایا۔ اس لڑائی میں مولوی رجب انقلابی سپاہیوں کا ساتھ کیوں دیتے؟ ان کے پاس ایسا کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔
سوال	**Naeem Tariq** بنو امیہ کی خلافت کو عباسیوں نے ختم کر ڈالا اور ان کے خاندان کے ہر فرد کو قتل کرنے لگے۔عبدالرحمان؛ جو کہ " بیس سال کا ایک جانباز نوجوان تھا وہ فرات کے کنارے،روپوشیوں کے خیمے میں تھا کہ جب اسے پتہ چلا کہ عباسی سیاہ پھریرے لہراتے آن پہنچے ہیں چناچہ اس نے اپنے بارہ سال کے بھائی کو ساتھ لیکر دریائے فرات میں چھلانگ لگا دی۔اس

	کا بھائی کمسن تھا ماہر تیراک نہ تھا اس لیے پیچھے رہ گیا عباسیوں نے کنارے سے اسے واپس بلایا اور جان بخشی کا پیغام دیا۔وہ ان کی باتوں میں آکر واپس پلٹ آیا۔ جیسے ہی وہ کنارے پر پہنچا عباسی سپاہیوں نے سر تن سے جدا کر دیا ؛عبدالرحمان دوسرے کنارے پر پہنچ گیا اس نے واپس پلٹ کر نہ دیکھا۔کئی مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے اور کئی ملکوں "سے گزر کر وہ اپنے ماموؤں کی پاس افریقہ پہنچاجو کہ افریقی بربر قبیلے سے تھے۔یہ بنو امیہ کے دسویں خلیفہ کا پوتا تھا۔ ●●●●●●●●●●●●●●●●●● پی۔کے۔ہٹی کے تاریخی مضمون"Jewel of the world" سے اقتباس
جواب	اس بارے میں اس پوسٹ میں کچھ لکھا تھا۔ https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/permalink/1811011689001432/
سوال	**Syed Jaleel** ایسٹ انڈیا کمپنی کا جدید نام آئی ایم ایف ہے۔ برٹش سرکار کی جگہ ان کے وفادار مولوی رجب علی اور مرزا الہی بخش کی اولادیں آج ہم پہ حکمراں ہیں۔ ہماری کمائی اور محنت آج بھی ڈالر اور پونڈ کی طاقت کا سبب ہے۔
جواب	"ایسٹ انڈیا کمپنی کا جدید نام آئی ایم ایف ہے۔ آپ کی یہ والی انفارمیشن درست نہیں۔ "برٹش سرکار کی جگہ ان کے وفادار مولوی رجب علی اور مرزا الہی بخش کی اولادیں آج ہم پہ حکمراں ہیں۔" یہ والی درست نہیں۔ "ہماری کمائی اور محنت آج بھی ڈالر اور پونڈ کی طاقت کا سبب ہے۔" اور یہ والی درست نہیں
سوال	**Syed Jaleel** بس تاریخی حقائق کو اس کے مقاصد سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اولادوں کا مطلب روحانی تعلق
جواب	کونسے والے مقاصد سے؟ ·
سوال	**Syed Jaleel** فاروق خان لغاری انگریزوں کے اصبل میں کام کرنے والے جمال خان لغاری کا بیٹا صدر پاکستان رہ چکا ہے اور اس کے دونوں بیٹے ایم این اے ہیں۔ یوسف رضا گیلانی وزیراعظم اسکے بزرگ انگریز کے وفادار تھے۔

سکندر مرزا پاکستان کا پہلا صدر ٹیپوسلطان کے ساتھ غداری کرنے والے میر صادق کا پڑپوتا تھا۔ اور شرم نہیں آتی پاکستان کو آزاد کہنے والوں کو۔	
"اور شرم نہیں آتی پاکستان کو آزاد کہنے والوں کو۔" جہاں تک میرا تعلق ہے، تو نہ صرف مجھے شرم نہیں آتی بلکہ بہت فخر سے کہتا ہوں کہ پاکستان آزاد ملک ہے۔ کس کے والدین اصطبل میں کام کرتے تھے اور انگریز کے وفادار تھے، اس کا کسی بھی چیز سے کیا تعلق ہے؟ اور اگر کسی کے انگریز کے بجائے مہاراجہ گلاب سنگھ کے وفادار ہوتے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے	جواب
Syed Jaleel یہ کیسی آزادی ہے جس میں صرف وہی لوگ ہی برسراقتدار آ سکتے ہیں جن کے بزرگ انگریزی غلامی کے اسیر تھے۔ جنہوں نے حقیقی آزادی کے مجاہدین سے غداری کی اور برٹش سرکار سے جائدادیں لیں خطاب لیئے۔؟ آزاد پاکستان میں کسی حقیقی قوم پرست کو آنے کے مواقع کیوں میسر نہیں۔؟ مجھے بہرحال اسے آزاد کہنے میں شرم آتی ہے۔	سوال
کون اقتدار میں آتا ہے؟ اس کا فیصلہ اس کے آباء کی بنیاد پر نہیں کیا جاتا۔ حقیقی قوم پرستوں کو اگر پاکستان میں پسند نہیں کیا جاتا تو ان قوم پرستوں کو خود اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کو شرم آتی ہے تو شرمندہ رہنا آپ کا حق ہے۔	جواب
Syed Jaleel ہر عمل کا ایک ردعمل ہوتا ہے۔ آزادی کے بعد سے لیکر آج تک آپ کے روپے کی مسلسل گراوٹ کے پیچھے کیا کیا وجوہات پوشیدہ ہیں۔؟ کیوں ہر آنے والی گورنمنٹ سابقہ گورنمنٹ سے زیادہ خونخوار ثابت ہو رہی ہے۔؟ زرعی ملک ہونے کے باوجود روز بروز بھوک اپنی انتہاوں کو چھو رہی ہے۔؟ آپ کی اپنی مصنوعات کہاں گئیں۔؟ آر سی کولا ببمبینو شیزان گورے اپ لیدر انڈسٹری کی تباہی کے پیچھے کیا کہانی پوشیدہ ہے۔؟ سن دوہزار میں پانچ ہزور کا بکنے والا چمڑا آج چھ سو روپے میں کوئی نہیں لیتا ایسا کیوں اس کی وجوہات کیا ہیں۔؟ کپاس کے ریٹ مسلسل کم ہونا کس طرف مذید سفر کی علامت ہے۔؟ گندم مکئی باجرہ جوار جانور اور ہماری زمینوں سے منسلک ہر چیز کی تنزلی نہیں بتاتی کہ ہم آج بھی غلام ہیں۔ مارکیٹوں میں ملٹی نیشنل اشیاء کے علاوہ مقامی چیزوں کا نا ہونا ظاہر کرتا ہے ہم غلام ہیں۔ اور ہمیں غلام بنائے رکھنے میں کردار برٹش سرکار کے وفاداروں۔ کا ہے۔	سوال
"آزادی کے بعد سے لیکر آج تک آپ کے روپے کی مسلسل گراوٹ کے پیچھے کیا کیا وجوہات پوشیدہ ہیں۔؟"	جواب

	جب ہم اکنامکس پر بات کریں گے تو پھر اس کا ذکر تفصیل سے آئے گا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ "کیوں ہر آنے والی گورنمنٹ سابقہ گورنمنٹ سے زیادہ خونخوار ثابت ہو رہی ہے۔؟" اس لئے کہ ہماری یادداشت کمزور ہوتی ہے اور ہمیں لگتا ہے کہ پچھلے والے زیادہ بہتر تھے۔ماضی سے رومانس ایک معلوم اور مشہور تعصب ہے۔ "زرعی ملک ہونے کے باوجود روز بروز بھوک اپنی انتہاوں کو چھو رہی ہے۔؟" اگر اعداد و شمار دیکھے جائیں تو بھوک اور غربت کم ہوتی رہی ہے۔اوسط عمر بڑھتی رہی ہے۔ہمیں ایسا محسوس کیوں نہیں ہوتا؟ اس کا جواب پچھلے کے ساتھ ہی منسلک ہے۔ "آپ کی اپنی مصنوعات کہاں گئیں۔؟" اس میں اگر "اپنی" کا مطلب میڈ ان پاکستان ہے تو صنعتی پیداوار تو مسلسل بڑھ رہی ہے۔بڑے صنعتی گروپس کی تعداد اور آؤٹ پٹ میں مسلسل اضافہ کئی دہائیوں سے جاری ہے۔ "آر سی کولا بمبینو شیزان گورے اپ لیدر انڈسٹری کی تباہی کے پیچھے کیا کہانی پوشیدہ ہے۔؟" جو ادارہ اچھا مینج نہیں ہوتا، وہ ختم ہو جاتا ہے، یہی دستورِ زمانہ ہے اور اس سوال میں دی گئی فہرست میں تمام تباہ حال ادارے نہیں۔کئی کی شرحِ نمو بہت زیادہ ہے۔ سن دوہزار میں پانچ ہزور کا بکنے والا چمڑا آج چھ سو روپے میں کوئی نہیں لیتا ایسا کیوں اس کی وجوہات کیا ہیں۔؟" "کپاس کے ریٹ مسلسل کم ہونا کس طرف مذید سفر کی علامت ہے۔؟ اگرچہ یہ اعداد درست نہیں لیکن اشیاء کی قیمتوں میں کمی بیشی کے لئے اس جنس کی منڈی کو سمجھنا پڑے گا۔ "گندم مکئی باجرہ جوار جانور اور ہماری زمینوں سے منسلک ہر چیز کی تنزلی نہیں بتاتی کہ ہم آج بھی غلام ہیں۔" نہیں۔ "مارکیٹوں میں ملٹی نیشنل اشیاء کے علاوہ مقامی چیزوں کا نا ہونا ظاہر کرتا ہے ہم غلام ہیں۔" نہیں، پاکستانی اشیاء بھی ہیں اور باہر سے امپورٹ ہونے والی بھی۔فوڈ مارکیٹ میں نیسلے بھی ہے تو اینگرو یا دوسرے پاکستان ادارے بھی۔اس کو مقابلے کی فضا کہتے ہیں اور یہی ترقی کا کامیاب طریقہ ہے۔ "اور ہمیں غلام بنائے رکھنے میں کردار برٹش سرکار کے وفاداروں۔کا ہے۔" آپ کاpremise ہی درست نہیں تو اس کی وجہ خود ہی بے معنی ہو جاتی ہے
سوال	**Syed Jaleel** رقم ک قیمت کا روزانہ گرنا ظاہر کرتا ہے آپ کی ہر بات سوائے لفاظی کے کچھ بھی نہیں۔ ترقی نظر آتی ہے ہر جگہ ہر قدم اور ہر مقام پر جب کہ الفاظوں سے تو محل بھی تعمیر کیئے جا سکتے ہیں۔ آپ اس تنزلی کو جو چاہے مرضی نام دیں جو پردے چڑھائیں ہر باشعور جانتا ہے ملک دن بدن معاشی تباہی کی طرف گامزن ہے۔
جواب	ٹھیک ہو گیا۔یعنی کہ باشعور لوگ یہ یقین رکھتے ہیں کہ 1947 میں پاکستان معاشی خوشحالی کے عروج پر تھا؟

26۔ لاشوں کا شہر

دلی میں فوجی عدالتوں نے کام شروع کر دیا۔ انصاف کی باری تھی۔ پھانسیاں نصب ہو گئیں۔ لوگ لٹکنے لگے۔ سب سے بڑا مرکز چاندنی چوک میں بنا۔ عوام تماشا دیکھنے اکٹھے ہوتے۔ سیٹیاں بجاتے، تالیاں بجائی جاتیں، نعرے لگتے۔ ویسے ہی جیسے انقلابِ فرانس میں ہوا تھا، یہ سزائیں تفریح کا مرکز تھیں۔ تماش بینوں کے لطف کے لئے پھانسی کی رسی چھوٹی کر دی گئی۔ لمبی رسی کے برعکس اس طرح جان دیر سے نکلتی تھی۔

دہلی کی رپورٹیں گورنر جنرل کیننگ کو پہنچیں تو وہ خوش نہیں تھے۔ 25 ستمبر کو انہوں نے ملکہ وکٹوریا کو اس بارے میں تفصیل سے خط لکھا کہ دہلی میں بڑے پیمانے پر انتقام لیا گیا ہے اور شرمناک مثالیں قائم ہو رہی ہیں۔

بغاوت کے مقدمات ملٹری کمیشن سنتا۔ موت کے سوا کچھ اور سزا نہیں تھی۔ اس کی وجہ صرف انتقام نہیں تھی۔ مقامی مخبر جنہیں ایک بندہ پکڑوانے پر دو روپے ملتے تھے اور گرفتار کرنے والوں کو پکڑے جانے والے کی دولت۔۔۔ اس میں پیسہ کمانے کو بھی تھا۔

ستائیس ستمبر کو دیوانِ خاص میں دہلی کی فتح کے شکرانے کی تقریب منعقد ہوئی۔ اس کے بعد برٹش فیلڈ فورس کے لئے اگلی معرکوں کی تیاری تھی۔ فریڈ رابرٹس کے مطابق "ہم بدبودار لاشوں کا شہر چھوڑ کر جا رہے تھے"۔ بہت سے فوجیوں کا اگلا ہدف لکھنؤ تھا۔

بہادر شاہ ظفر کا اگلا جیلر ایڈورڈ اومانی کو بنایا گیا۔ انہیں مرزا نیلی کے گھر منتقل کر دیا گیا۔ ایک چارپائی، ایک کمرہ اور ایک حقہ ملا اور سفید کاٹن کا سوٹ۔ دھوبی، نائی یا حکیم تک رسائی نہیں تھی۔

ایک تحریک شروع ہوئی تھی کہ دہلی کو نقشے سے مٹا دیا جائے۔ اس نام کا شہر ہی نہ رہنے پائے۔ تمام عمارتیں گرا دی جائیں۔ چارلس ریکس نے کہا کہ "جامعہ مسجد کو چرچ بنا دیا جائے۔ اس جنگ کے شہدا کے ناموں پر اس کے پتھروں کا نام رکھا جائے"۔ کوپ لینڈ نے آرٹیکل لکھا، "اس شہر کو اگر منہدم نہ کیا گیا، اس کی خون آشام دیواروں اور سڑکوں کو کھڑا رہنے دیا گیا تو یہ برطانیہ کے وقار پر ہمیشہ رہ جانے والے بدنما داغ ہو گا"۔

ان آوازوں کے مخالف برطانوی پارلیمنٹیرین ہنری لایارڈ کی اونچی آواز بہادر شاہ ظفر کی حمایت میں تھی۔

ہم جو کر رہے ہیں وہ کسی عظیم قوم کے شایانِ شان نہیں۔ میں نے ایک بوڑھے اور شکستہ آدمی کو دیکھا جو چادر پر لیٹا تھا۔ اس کے پاس خود کو ڈھانپنے کے لئے چادر نہیں تھی۔ اسے اٹھنے میں دقت تھی۔ میں نے اس کے بازو دیکھے جو زخمی تھے اور مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ اسے پیاس لگی تھی اور پانی میسر نہیں تھا۔ اسے ٹھیک سے کھانے کو نہیں ملا تھا۔ کیا یہ طریقہ کرسچن طریقہ ہے؟ ہم جس مذہب کے پیروکار ہیں، وہ ہمیں کیا سکھاتا ہے؟ میں نے اس کی خواتین کو بھی دیکھا جو برے حال میں تھیں۔ ان کے لئے کل مختص بجٹ دو آنے روزانہ ہے۔ کیا ایک بادشاہ کے لئے یہی سزا کافی نہیں؟"۔

\-------------

لیکن بہادر شاہ کی حالت اگر بری تھی تو دہلی کے عام لوگوں کی حالت بہت بدتر تھی۔ زیادہ تر لوگ شہر کے باہر دیہی علاقوں میں قیام پذیر تھے۔ کسی قبرستان میں، کسی کھنڈر میں۔ جنگلی پھلوں پر یا مانگ تانگ کر گزارا کر رہے تھے۔ اور جو چند شہر کے اندر بچے تھے، وہ فاقہ زدگی کا شکار تھے۔

جو برٹش کے وفادار ملازم تھے اور انہوں نے اپنی حویلیوں میں رہنا پسند کیا تھا، ان کے لئے بھی زندگی گزارنا ناممکن ہو رہا تھا۔ سرکاری اور غیر سرکاری لٹیرے گھروں سے قیمتی سامان کی تلاش میں تھے۔ فوجی اس کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ فوجی قانون کے مطابق شہر سے لوٹا گیا مالِ غنیمت فتح کرنے والے کا حق تھا۔ (یہ جینیوا معاہدے سے پہلے کی دنیا تھی)۔

جو لوگ دعویٰ کر رہے تھے کہ وہ برٹش جاسوس رہے ہیں، ان کے بارے میں جنرل ولسن نے آرڈر جاری کیا تھا کہ جب تک ان کے دستخط سے جاری کردہ ٹکٹ کسی کے پاس نہ ہو، اسے برٹش حمایتی نہیں سمجھا جائے۔ منشی جیون لال دلی کے اندر جاسوسی نیٹورک کے بہت اہم جاسوس تھے اور دلی کے محاصرے کے دوران برٹش فوج کے لئے بھیجے جانے والے جاسوسی کے رقعے انہی کے گھر لکھے جاتے تھے۔ ان کے گھر کا سکھ فوجیوں نے 21 ستمبر کو صفایا کر دیا۔ اور یہاں تک کہ انگریزوں کے سب سے بڑے مددگار مرزا الٰہی بخش، جنہوں نے انگریزوں کی وفاداری میں نہ صرف اپنے کزن بہادر شاہ کو گرفتار کروایا بلکہ خود اپنے نواسے مرزا ابو بکر کو مروایا تھا، کا گھر بھی لوٹ کر سب کچھ مال غنیمت میں جمع کروا دیا گیا۔

مرزا الٰہی بخش کا کردار اس قدر حیران کن تھا کہ خود انگریزوں نے انہیں "دہلی کا غدار" کہا ہے)۔)

\------------------

دلی میں بچ جانے والوں میں سے ایک مرزا غالب تھے۔ قسمت نے ان کا ساتھ دیا تھا۔ ان کے محلے میں پٹیالہ کے مہاراجہ کے سینئیر درباریوں کی رہائش تھی۔ پٹیالہ کے مہاراجہ نے اپنی افواج برٹش کو دی تھیں، برٹش افواج کو سامان پہنچاتے رہے تھے۔ اس وجہ سے یہ محلہ محفوظ رہا تھا۔ یہاں گارڈ تعینات تھے۔ غالب شاید مغل دربار سے منسلک وہ واحد شخص تھے جن کی جائیداد نہیں چھینی گئی۔ لیکن ان کے لئے بھی یہ برا وقت تھا۔ وہ اپنی کتاب داستائی بوئی

میں لکھتے ہیں کہ کیسے ان کے محلہ داروں نے محلے کا گیٹ بند کر کے پتھروں کی دیوار بنا دی تھی اور گرفتاریوں اور قتل وغارت سے بچ گئے تھے جن سے ان کے دوست نہ بچ پائے۔ لیکن محلے والوں کی پریشانی خوراک اور پانی تھے کہ وہ کب تک بچ پائیں گے۔ غالب لکھتے ہیں۔

"نہ کوئی دکاندار تھا، نہ خریدار۔ نہ کسی سے گندم خریدی جاسکتی تھی۔ نہ دھوبی تھا جو کپڑے دھو دیتا۔ نہ کوئی نائی جو بال بنا دیتا۔ نہ کوئی صفائی والا جو فرش صاف کر دیتا۔ نہ آٹا اور پانی لینے جایا جاسکتا تھا۔ رفتہ رفتہ، گھر کا سارا سامان ختم ہو گیا۔ ہم نے بڑی احتیاط کی تھی کہ پانی کی ایک بوند بھی ضائع نہ ہو لیکن یہ بھی ختم ہو گیا۔ ہم کئی دنوں سے بھوکے تھے۔ باہر قتلِ عام جاری تھا۔ ہم قدم نہیں نکال سکتے تھے۔ پھر ایک روز بادل آئے اور بارش خوب برسی ہم نے پانی اکٹھا کر لیا۔ وہ بچے جنہیں میں نے لاڈ پیار سے پالا تھا، دودھ، پھل اور مٹھائی کی فرمائش کرتے تھے اور میں پوری نہیں کر سکتا تھا"۔

غالب کے بھائی کو برٹش فوجیوں نے گولی مار دی تھی۔ ان کو غسل دینے کو پانی نہیں تھا اور نہ ہی کفن کرنے کو۔ بالآخر پانچ اکتوبر کو برٹش فوجی محلے میں گھس آئے اور غالب کو پکڑ کر کرنل برن کے پاس لے گئے۔

کرنل نے غالب سے پوچھا، "مسلمان ہو؟" غالب نے کہا، "نصف"۔ کرنل: "کیا مطلب؟"۔ غالب: "شراب پی لیتا ہوں، سوٗر نہیں کھاتا"۔ غالب نے اس کے بعد کرنل کو خط دکھایا جس میں انہوں نے ملکہ وکٹوریا کی شان میں قصیدہ لکھا تھا اور منسٹری کی طرف سے اس کی وصولی کی تصدیق ہوئی تھی۔ کرنل نے پوچھا کہ "حکومت کی فتح کے بعد حاضری دینے کیوں نہیں آئے؟" تو غالب نے کہا کہ "چار کہار میری پالکی اٹھاتے ہیں، وہ چاروں بھاگ گئے اور مجھے اکیلا چھوڑ گئے۔ اس کے بعد غالب نے کہا کہ "میں بوڑھا، معذور اور بہرا ہوں۔ اس لئے لڑ نہیں سکتا۔ آپ کی کامیابی کے لئے دعا کر سکتا تھا اور وہ کرتا رہا ہوں اور یہ کام گھر بیٹھے بھی ہو سکتا تھا، اس لئے آپ کے پاس نہیں آیا"۔

اس ملاقات کے بعد کرنل برن نے غالب کو جانے دیا اور پھانسی کا پھندا ان کے گلے میں نہ پڑا۔

غالب کے اندازے کے مطابق شہر میں ایک ہزار مسلمان بچے تھے اور ان کے سارے دوست بھی اور رقیب بھی مارے گئے تھے۔ وہ اپنی یادیں یا اشعار کسی سے شئیر نہیں کر سکتے تھے۔ ایک خط میں انہوں نے لکھا۔

"ہندستان سے روشنی چلی گئی ہے۔ شمعیں بجھ گئی ہیں۔ لاکھوں مارے گئے اور لاکھوں قید میں ہیں۔ لوگ غم کی شدت سے پاگل ہو جاتے ہیں۔ میں نے کیا غم نہیں دیکھے۔ موت کا غم، جدائی کا غم، آمدنی ختم ہو جانے کا غم، عزت چھن جانے کا غم۔ میرے دوست مارے گئے۔ میں انہیں کیسے بھلا سکتا ہوں؟ انہیں کیسے واپس لایا جاسکتا ہے؟ رشتہ دار، دوست، شاگرد، محبوب۔ ایک شخص کا سوگ منانا کس قدر مشکل ہے۔ میرے پاس تو بے شمار ہیں جن کا غم ہے۔ خدا کی قسم، اگر آج میں مر جاؤں تو کوئی ایک ذی روح نہیں بچا جو میرے جانے کا غم کرے"۔

جو لوگ دہلی سے باہر تھے، ان کے حالات زیادہ برے تھے۔ سب سے برے انکے جن کا شاہی دربار سے کسی بھی طرح کا تعلق رہا تھا۔ پکڑے جانے پر ان کی سزا موت تھی۔ ظہیر دہلوی کو اس کا پتا تھا اور وہ حرکت میں رہے کہ پکڑے نہ جائیں۔ ایک رات مہرولی کی درگاہ پر اور پھر جھاجر پہنچ گئے جہاں کئی روز بعد پہلی بار باقاعدہ کھانے کو ملا۔ ایک ہفتہ وہاں گزارا تو پتا لگا کہ برٹش وہاں پہنچ گئے ہیں اور دہلی سے آنے والوں کی گرفتاریاں ہو رہی ہیں۔ جان بچا کر پانی پت کی طرف پیدل نکلے۔ یہاں باقی فیملی سے ملاقات ہو گئی۔ انگریزوں نے کچھ روز بعد اس شہر کا محاصرہ کر کے گھر گھر تلاشی شروع کر دی۔ انقلابی اور مغلوں سے تعلق رکھنے والے لوگ ان کو مطلوب تھے۔ ظہیر بال بال بچے۔ جب انگریز ان کے گھر آئے تو وہ باہر نکلے ہوئے تھے۔ لیکن ان کے چچا، بھائی اور بہنوئی پکڑے گئے اور دہلی لے جائے گئے جہاں ان کو لٹکا دیا گیا۔ ظہیر رات کو جنگ باز خان کے ہمراہ فرار ہوئے۔ بچتے بچاتے گنگا پار کر کے بریلی پہنچے۔ وہاں برٹش جاسوسوں نے انہیں دھر لیا۔ ان کی جان اس وقت بچی جب میر فتح علی نے انہیں بزورِ تلوار چھڑوا لیا۔

اس کے بعد رامپور گئے جہاں سے پکڑے جانے والے تھے۔ وہاں سے جے پور گئے اور پھر حیدرآباد، جہاں نئی زندگی شروع کی۔ اور یہ وہ جگہ تھی جہاں پر انہوں نے مغل دہلی کی کہانی لکھی جب وہ ستر برس کے تھے۔ ظہیر دہلوی نے واپس کبھی دہلی نہیں دیکھا، ان کی وفات جلاوطنی میں 1911 میں ہوئی۔

\---------------

اکتوبر اور نومبر میں سرچ پارٹیاں شاہی خاندان کی افراد پر لگی رہیں۔ بہت کم کوئی بچ سکا۔ اس کامیابی کی بڑی وجہ انعام کا لالچ تھا۔ سب سے پہلے بہادر شاہ کے چھوٹے بیٹے اٹھارہ سالہ مرزا بختاور شاہ اور سترہ سالہ مرزا مینڈو پکڑے گئے۔ انہیں میرٹھ کے باغیوں کا ساتھ دینے پر میجر ہیریئٹ نے مقدمہ چلانے کے بعد سزا سنا دی۔ اومانی ڈائری میں لکھتے ہیں۔

بارہ اکتوبر کو میں ان کے ساتھ تھا۔ انہیں جیسے کوئی پرواہ نہ ہو۔ صرف بیوی بچوں کو دیکھنے کی خواہش کی۔ میں مرزا مینڈو کے بیوی بچے کو ان سے ملانے “ لے گیا تا کہ وہ اپنے والد اور شوہر سے چند منٹ کی ملاقات کر لیں۔ اگلے روز انہیں چھکڑے پر بٹھا کر میدان لایا گیا جہاں پر قیدیوں کی آنکھ پر پٹی باندھ دی گئی۔ بارہ رائفل مین کو بارہ قدم دور کھڑا کر دیا گیا۔ گورکھا فائرنگ سکواڈ نے جان بوجھ کر فائر نیچے کیا تا کہ وہ سست اور تکلیف دہ طریقے سے مریں۔ وہاں پر افسر کو اپنا پستول نکال کر انہیں ختم کرنا پڑا۔ یہ گندے لوگ تھے لیکن انہوں نے بڑے حوصلے سے اپنی سزا برداشت کی تھی”۔

بہادر شاہ کے زیادہ تر بیٹوں اور پوتوں کے ساتھ جلد یا بدیر یہی ہوا۔ ہمیں صرف دو کا پتا ہے جو نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ اس بارے میں پالیسی نہیں تھی کہ شاہی خاندان کے ساتھ کرنا کیا ہے۔ کیونکہ ان میں بہت سے ایسے تھے جن کا انقلاب سے تعلق نہیں تھا۔ اور سوائے اپنے خاندان کے، ان کے پکڑے جانے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ کچھ کو سزائے موت ہوئی، کچھ کو کالا پانی بھیج دیا گیا۔ کچھ کو آگرہ، کانپور اور الہ آباد کی جیلوں میں۔ سخت حالات کی

وجہ سے زیادہ تر کا پہلے دو برس میں ہی انتقال ہو گیا۔ کچھ کو برما یا کراچی کی جلاوطنی ملی۔ تھوڑی تعداد میں جو بچے وہ کراچی اور برما میں تھے۔ دہلی میں کسی کو بھی نہیں آنے دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ شاہی محل کے پانچ ایسے افراد تھے جو کراچی سے بعد میں فرار ہو کر دہلی پہنچے اور روپوشی کی زندگی گزاری۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

صرف مغل زیرِ عتاب نہیں آئے، وہ لیڈر جو غیر جانبدار رہے تھے، وہ بھی قصوروار قرار دئے گئے۔ نواب اور راجے لائے گئے، قید میں گئے، مقدمات چلے اور پھانسی پر لٹکا دئے گئے۔

غالب کے دوست نواب مظفر الدولہ کو الوار سے گرفتار کر کے گڑ گاؤں میں پھانسی ملی۔ دہلی کی شیعہ برادری کے لیڈر نواب حامد علی خان جو دہلی چھوڑ گئے تھے انہیں کمال کے پاس پکڑا گیا۔ بلب گڑھ کے راجا کے ایجنٹ حکیم عبدالحق، نواب محمد خان کو اکٹھے پچیس نومبر کو سزائے موت ملی۔ فرخ نگر کے نواب کو ان کے بعد۔

جھاجر کے نواب کو پکڑنے تھیومیٹکاف خود گئے۔ اگرچہ وہ غیر جانبدار رہے تھے لیکن انہوں نے میٹکاف کو انقلاب کے پہلے ہفتے پناہ نہیں دی تھی۔ اومانی نواب کی بہادری سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ جب انہیں سزائے موت دی گئی تو نواب کے دو بیٹے باپ کو دیکھ کر بہت روئے۔ جب انہیں سزا کے لئے لے جایا جا رہا تھا تو ان کے خادموں نے جاتے وقت نواب کو فرشی سلام کئے۔

نواب نے جس طریقے سے عدالت میں دلائل دئے تھے، اس نے کئی لوگوں کو متاثر کیا تھا۔ مسز میوٹر، جو ان سے متاثر ہوئیں، انہوں نے اس پر لکھا ہے، نواب نے کہا۔ "ہاں، بغاوت کرنے والے بدمعاش لوگ تھے لیکن انہیں ہتھیار کس نے دئے تھے؟ انہیں ٹریننگ دینے والا کون تھا؟ جنہوں نے ہتھیار دئے اور تربیت کی، کیا وہ قصوروار ہیں؟ اور اگر وہ خود اپنے ملازمین کی وفاداری نہیں قائم رکھ سکے تو کیا وہ نااہل ہیں؟ اور وہی قصوروار اور نااہل لوگ مجھے اس عدالت میں کھڑا کر کے مجھے انصاف دیں گے؟"۔

تھیومیٹکاف نے جلد ہی ثابت کیا کہ وہ انسانوں کا شکار کتنے پرجوش طریقے سے کرتے ہیں۔ ڈھونڈ کر لانا اور پھانسی پر چڑھا دینا ان کا شوق بن گیا۔ ان کا یہ جذبہ بڑھتا گیا۔ ایک پھانسی کا پھندا انہوں نے اپنے گھر میں ہی لگا لیا تھا۔ اس سب پر برٹش بھی سوال اٹھانے لگے۔ خاص طور پر ایک کیس نے توجہ حاصل کی۔ ایک گاؤں والوں پر الزام تھا کہ انہوں نے تھیو کے ایک ملازم کو انقلابیوں کے حوالے کیا تھا۔ اس کے جواب میں تھیو نے گاؤں کے اکیس معززین کو سزائے موت دے دی۔

دہلی کے قرب و جوار میں تھیو کی دہشت تھی۔ کسی پر شک بھی ہوتا تو بغیر سوال جواب کئے گولی سے اڑا دیتے۔

تھیو کے جنون کی یہ باتیں لاہور کے جان لارنس تک پہنچیں۔ ان کا کرنل سینڈرز کو لکھا ہوا خط محفوظ ہے۔

میں تھیو کے بارے میں جو سن رہا ہوں، وہ اگر ٹھیک ہے تو ہمیں کچھ کرنا ہو گا۔ اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔" اگلا خط اس سے زیادہ سخت الفاظ میں" تھا۔

صرف مغل بادشاہت ہی نہیں، ایسٹ انڈیا کمپنی کا وقت بھی پورا ہو رہا تھا۔ ایک ملٹی نیشنل کمپنی کا ملک چلانے کا تجربہ اپنے انجام کو بڑھ رہا تھا لیکن کمپنی بہادر کی قسمت سے پہلے ابھی بہادر شاہ ظفر کی قسمت کا فیصلہ کئے جانا تھا۔

ساتھ لگی تصویر کشمیری دروازے کی 1860 میں لی گئی۔ اس میں جنگ سے ہونے والا نقصان واضح ہے۔

سوالات و جوابات

سوال	**Khan Inaam Khan** ہمارے نصاب اور نہ ہی مقابلوں کے امتحانات میں ان حالات کا ذکر نیں ملتا۔ شاہد آج بھی سیاسی طور پے ہم ان سے خائف ہیں۔
جواب	اگر "ہم" سے مراد موجودہ پاکستان کے علاقے میں رہنے والے ہیں، تو ان کی اکثریت 1857 کی اس جنگ میں برٹش کی حمایتی تھی

سوال	**Khan Inaam Khan** خاص طور پے کونسے " علاقوں والے ؟ صاف نام لیں ڈر کس بات کا جناب؟ "صوبہ پنجاب" پنجابی قوم۔۔۔
جواب	Wahara Umbakar لڑنے والوں میں زیادہ تعداد پنجابی اور پٹھانوں کی تھی۔(پنجابیوں میں سکھ زیادہ تھے، ملتان سے آنے والے سکھوں کے بعد سب سے زیادہ تھے)۔کشمیری اور گورکھا (شمالی ہندوستان سے آنے والے) بھی تھے۔بلوچ رجمنٹ بھی تھی۔ یہ کہنے میں ڈر کس چیز کا اور کیوں؟
سوال	**Khan Inaam Khan** پٹھانوں کا آج پہلی بار آپ سے سنا ہے
جواب	بنگال رجمنٹ (جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج کا سب سے بڑا حصہ تھا) تحلیل ہونے کے بعد سب سے زیادہ بھرتیاں موجودہ پنجاب اور خیبرپختونخواہ سے ہی ہوتی رہی تھیں۔یہیں کے فوجی تھے جنہوں نے برٹش جنگوں میں حصہ لیا۔جب پاکستان بنا تو ان علاقوں میں سے ہی فوجی سب سے زیادہ تھے اور سب سے سینئیر تھے۔(ان میں سے ایک ایوب خان بھی تھے جن کا تعلق پشتونوں کے ترین قبیلے سے تھا)۔اور 1857 کی جنگ میں بھی دہلی کے جنرل بخت خان پشتون تھے لیکن بہت عرصہ برٹش فوج میں رہے اور برٹش افغان جنگ میں برٹش کی طرف سے لڑنے والے ہیرو تھے۔
سوال	**Khan Inaam Khan** میں جناب عوامی سطح کی بات کر رہا ہوں فوج کی نیں۔عوامی سطح پے جیسے پنجاب کے پیر مخدوم چوہدری وغیرہ۔پٹھانوں کے کس خان۔ملک نے انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔
جواب	عوامی سطح سے ہی فوجی بھرتی ہوتے تھے۔برٹش نے یہاں Corps of Guidesبنائی تھی جو برٹش انڈیا کی آرمی میں ممتاز مقام رکھتی تھی۔اس علاقے کی مغلوں سے لڑائی کی تاریخ پرانی ہے۔اورنگزیب کے دور میں آفریدیوں کے ساتھ بہت خونی جنگ ہوئی تھی اور اس علاقے میں رہنے والے مغلوں سے کوئی ہمدردی نہیں رکھتے تھے۔ برٹش کو اس علاقے میں مزاحمت کبھی نہیں رہی۔روس اور برٹش گریٹ گیم کی وجہ سے یہ برٹش انڈیا کے لئے اہم علاقہ تھا۔یہاں کے مقامی حکمرانوں سے معاملات آسانی سے ہی ہوتے رہے اور آبادی راج کی وفادار رہی۔سرکاری

	ملازمین، فوجیوں اور دیگر انتظامی معاملات میں بھرتیوں میں بھی کبھی مشکل نہیں ہوئی۔
سوال	**Khan Inaam Khan** کیا سر اپ برٹش آرمی میں پشتونوں کی تعداد بتا سکتے ہیں؟
جواب	جی بالکل، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ یہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں پشتون سردار اپنی افواج کے ساتھ پہنچے تھے۔ اس سلسلے میں میر خان کا ذکر کیا ہے جو اپنا دستہ لے کر پہنچے تھے۔ نکلسن اپنے ساتھ پشاور سے فوج لے کر آئے تھے۔ آخری بڑی کمک میں بھی پشتون شامل تھے۔ کل تعداد کا مجھے علم نہیں۔ 1947 میں برٹش انڈیا آرمی میں آبادی کے تناسب کے حساب سے پشتون سب سے زیادہ تعداد میں تھے۔ اس کی تفصیلات ایک پچھلے سلسلے میں لکھی ہیں۔ پشتون اور افغان ایک قوم کے دو نام نہیں ہیں۔ افغانوں میں بیالیس فیصد پشتون ہیں۔ پشتون پاکستان میں بھی ہیں جن میں سے بہت سے خود کو افغان بالکل نہیں کہتے۔ افغانوں میں تاجک، ازبک، نورستانی، ہزارہ، ترکمان، پامیری، ایماق، مردم پشائی بھی ہیں جو خود کو افغان کہتے ہیں، پشتون نہیں کہتے
سوال	**Khan Inaam Khan** ہزارہ ترکمن تاجک قطعاً اپنے اپ کو افغان نیں بولتے یہ صرف پشتونوں کیلے مخصوص ہے۔ اگر اپ اس بارے میں مزید جاننا چاہتے ہیں تو ان کے نئے شناختی کارڈ میں قومیت کے خانے پہ تنازع دیکھے۔ نیز کسی کے کہنے سے یا نہ ماننے سے افغان ہونا نیں بدلتا۔ تمام پشتونوں کی تاریخ افغانستان سے منسلک ہیں
جواب	جی، مجھے اس تنازعے کا اچھا علم ہے۔ بہرحال، آج کی حقیقت یہ ہے کہ افغان افغانستان سے تعلق رکھنے والے کو کہا جاتا ہے اور افغانستان میں پشتون سب سے بڑا نسلی گروپ تو ہیں لیکن اکثریت میں نہیں ہیں۔ کئی لوگ اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے اور یہ سب سے زیادہ پشتونوں کے لئے ایک بڑی بدقسمتی رہی ہے۔ اس پر کچھ تفصیل ایک سیریز میں پہلے لکھی تھی
سوال	**Mohammad Zackaryaa Mohiuddin** جناب مرزا غالب کے بھائی کا نام مرزا یوسف تھا یہ فاتر العقل تھے۔ دستنبو میں غالب نے کافی تفصیل سے ان کا ذکر کیا ہے۔ ہنگامہ کے دوران ان کو اس گھر میں دفن کر دیا گیا جہاں یہ مقیم تھے۔ نماز جنازہ بھی نہیں ہو سکی تھی۔ بچ جانے والوں میں ایک بڑا نام سر سید احمد خان کا بھی شامل ہے جنہوں نے بعد ازاں اسباب بغاوت ہند لکھی۔ جھجھر کے نواب کی پھانسی کا بھی خاصہ تفصیلی ذکر ہے کہ ان کی جان پھانسی کے پھندے پر سب سے مشکل سے نکلی۔ انگریز افسران نے پھانسی کو تفریح کا ذریعہ بنالیا تھا۔ تصحیح فرمادیں
جواب	بالکل درست۔ بچ جانے والے اور بھی بہت تھے۔ البتہ مرزا غالب کا تعلق دربار سے تھا۔ دربار سے منسلک لوگ یا پھانسی پا گئے یا جائیداد ضبط کر لی گئی۔ سر سید احمد خان کا تعلق دربار سے نہیں تھا۔ غالب شاید واحد شخص تھے جو دربار سے منسلک رہے لیکن پھر بھی جائیداد کی ضبطی نہ ہوئی

سوال	**Sahibzada Fakher Maharvi** سر سید احمد خان نے برٹش فوجیوں کے خاندان والوں پناہ دی گئی تھی اس لئے ان کو چھوڑا گیا تھا۔
جواب	بالکل درست۔ بہت سے مسلمان شرفاء کی طرح سر سید احمد خان نے بھی برٹش شہریوں کی زندگیاں انقلابیوں کے قتلِ عام سے بچانے میں مدد کی تھی
سوال	**Muheb Ali** پچھلی تحریروں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مغل حکومت برائے مسلمانوں کی تھی جبکہ، مندرجہ بالا تحریر میں جن کو سزائیں دی گئی اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سزائیں صرف اور صرف مسلمانوں کو ھی دی گئی، کیونکہ وزیر مُشیر تو مسلمانوں سے زیادہ ھندو، سکھ وغیرہ تھے۔
جواب	"مغل حکومت برائے مسلمانوں کی تھی" مطلب؟ سزائیں صرف مسلمانوں کو نہیں دی گئیں۔ دربار میں سکھ مشیر نہیں تھے۔ دہلی میں سکھ نہیں تھے اور سکھ مغلوں کے اورنگزیب کے زمانے سے مخالف رہے تھے۔ اس کی ایک وجہ تیغ بہادر کا کیا گیا قتل تھا (جس کے بارے میں اس سیریز میں پہلے لکھا ہے)۔ جھانسی، کانپور اور کئی دوسرے علاقوں میں تو اس تحریک میں لڑنے والے تقریباً تمام ہندو ہی تھے
سوال	**Anwar Ali** سر یہ جنگ آفیشلی کمپنی کی طرف سے یا برطانوی حکومت کیطرف سے لڑی گئی تھی؟؟
جواب	کمپنی نے لڑی تھی۔ ہندوستان برٹش تاج کے تلے اس کے بعد میں آیا
سوال	**Janbaz Sipahi** محترم کیا وجہ تھی کہ پنجابیوں اور پٹھانوں نے مغلوں کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دیا۔ آپ کے اس پورے شاہکار میں مجھے یہ سوال بہت پریشان کررہی ہے کہ اپنوں نے غیروں کا ساتھ کیوں دیا؟ برآئے مہربانی رہنمائی کیجیے۔ **Mohammad Zackaryaa Mohiuddin** جناب مصنف کے نکتہ نگاہ سے قبل میں عرض کروں کہ مغلوں کے خلاف سکھوں اور پشتونوں میں باغیانہ خیالات موجود تھے دوسرے یہ کوئی صرف مسلمانوں یا صرف ہندوں کی جنگ نہیں تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج میں سب شامل تھے کیونکہ وردی تنخواہ اور لنگر ملتا تھا
جواب	ہیر وارث شاہ میں ایک بند ہے جس میں لکھا ہے کھادا پیتا لاہے دا باقی احمد شاہے دا جو کھا پی لیا، وہ ٹھیک۔ باقی سب احمد شاہ ابدالی نے لوٹ ہی لینا ہے)۔)

	یہ پنجاب کے اٹھارہویں صدی کے وسط میں صورتحال تھی۔ اٹھارہویں صدی کے وسط میں مغلوں کے ہاتھ سے پنجاب نکل چکا تھا۔ یہاں پر لوگوں کی جان ومال بالکل بھی محفوظ نہیں رہی تھی۔ جو تھا، وہ یا لٹیرے لے جاتے تھے یا حکمران۔ رنجیت سنگھ کے دور میں کچھ امن وامان آیا تھا جو رنجیت کے جانے کے بعد پھر ختم ہو گیا تھا۔ کمپنی نے انتظامیہ فراہم کی تھی۔ لٹیروں کے ساتھ سختی سے نمٹ کر امن قائم کیا تھا اور قانونی نظام لے کر آئے تھے۔ لوگوں کی بڑی تعداد اس لئے اس راج کی وفادار تھی۔ مغلوں کا دور یہاں پر سو سال پہلے کا تھا (موازنے کے لئے: پاکستان بنے ابھی سو سال نہیں ہوئے)۔ نہ ہی مغلوں کے ساتھ اور نہ ہی باغی سپاہیوں کے ساتھ ان کا کوئی خاص تعلق اور ہمدردی تھی
سوال	**Tahir Mahmood** سر یہ شعر ستھرا کا ہے یہ اسی شاعر اسی دور ہے جب ہندوستان میں بدامنی تھی
جواب	جی، آپ کی بات درست ہے۔ احمد شاہ ابدالی کی فوج کی لوٹ مار کے بارے میں جو مکمل بند ہیر وارث شاہ میں ہے، وہ یہ ہے اوہنوں پھاٹ کے کُٹ چک چُور کیتا سیاہیں لائیکے پاسنا دھائیاں نیں ہتھیں بال مواتڑے کاہ کانے وڈے بھانبڑے بال لے آئیاں نیں جُھگّی ساڑ کے بھانڈڑے بھن سارے ککڑ کُتیاں چاء بھجائیاں نیں جُل پاڑ کے ساڑ کے فتح پائی لگیاں ہیر نوں ملن ودھائیاں نیں فوجاں شاہ دیاں وارثا مار متھرا ڈھو پھیر لاہور نوں آئیاں نیں
سوال	**Janbaz Sipahi** سر اس کا مطلب ہے کہ مغل عیاش ظالم لٹیرے اور بے انصاف تھے حکومت کرنے کے قابل نہیں تھے۔
جواب	نہیں، اس کا یہ مطلب نہیں ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ پنجاب اور دہلی کو الگ ریاستیں اور ممالک سمجھ لیں۔ جس طرح آج لاہور میں رہنے والے خود کو دہلی کا وفادار صرف اس لئے نہیں کہیں گے کہ یہ قریبی علاقے ہیں یا ایک وقت میں یہاں ایک ہی حکومت ہوا کرتی تھی بلکہ آج کے حالات دیکھیں گے، ویسا ہی معاملہ تھا۔ برٹش غیر مقبول حکمران نہیں تھے، ورنہ ان کے لئے رہنا ممکن نہ ہوتا۔
سوال	**Jamshaid Jaffar** سر جو مارے گئے یا لٹکائے گئے ان کی اکثریت مسلمان تھے؟ لیکن دہلی میں تو آدھی آبادی ہندوں کی تھی
جواب	دہلی میں ہندو بھی لٹکائے گئے اور مسلمان بھی۔ چونکہ دربار میں اکثریت مسلمانوں کی تھی، اس لئے زیادہ تناسب ان کا تھا
سوال	**Jamshaid Jaffar** آپ نے لکھا کہ جب غالب کو لایا گیا تو اس سے پوچھا کہ کیا تم مسلمان ہو اس سے اندازہ ہوتا ہے اس کے علاوہ بھی پوری سریز میں بھی جن لوگوں کا آپ نے تذکرہ کیا جن کو سزائیں ملیں وہ سب مسلمان ہی تھے درباریوں کے علاوہ عام لوگوں کو بھی تو مارا گیا ان میں تو ہندو برابر تعداد میں تھے؟

جواب	اگر ہم 1857 کے انقلاب کو دیکھیں تو ہندو اور مسلمان دونوں شاید برابر ہوں گے۔ جھانسی کی رانی، کنور سنگھ، ناناصاحب، ٹاٹیاٹوپے، ہندو حکمران تھے جنہوں نے اس انقلاب میں برٹش کے خلاف جنگ کی۔ دہلی میں شروع میں برابر تھے لیکن جب تک برٹش نے قبضہ کیا تو لڑنے والوں میں مسلمان زیادہ تھے۔ دہلی کے اس فوجی توازن کے بارے میں اس سیریز میں اس بارے میں پہلے کچھ تفصیل لکھی ہے
سوال	**Mohammad Zackaryaa Mohiuddin** جناب جھانسی کی رانی کا نام ویسے تو منیکرنیکا تھا شادی کے بعد ان کا نام۔ لکشمی بائی رکھا گیا دامودر راوان کے لے پالک بیٹے تھے۔ تانتیا ٹوپے بعد ازاں پکڑے گئے تھے اور دار پر چڑھائے گئے ناناصاحب کا سنا ہے لاپتہ ہو گئے تھے
جواب	جی، آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ لکشمی بائی ان کا مشہور نام تھا۔
سوال	**Anas Siddiqui** آج کے بھارت میں برطانیہ کے ظلم کی کوئی بات نہیں کرتا ہے لیکن مغلوں کو ویلن بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔۔۔۔۔
جواب	یہ درست نہیں ہے۔ پاکستان میں عام طور پر تحریکِ آزادی کے ولن کے طور پر کانگریس کو دکھایا جاتا ہے جب کہ ہندوستان میں برطانیہ کو۔ بہادر شاہ ظفر کی قبر میں کئی ہندوستانی لیڈر خاص طور پر جا کر حاضری دے چکے ہیں۔ ساتھ دی گئی تصویر نریندر مودی کی ہے
سوال	**Mohammad Zackaryaa Mohiuddin** بھارت میں اکبر اعظم کو بھی بہت اونچا مقام حاصل ہے **Anas Siddiqui** شاید اس لئے کہ اکبر بادشاہ کا جھکاؤ ہندوؤں کی طرف کچھ زیادہ ہی تھا پھر اس نے ہندو راجپوت جودھا بائی سے شادی کی تھی نیز ایک نیا دین بھی قائم کر لیا تھا
جواب	اکبر نے نیا دین نہیں دیا تھا۔ یہ غلط فہمی انگریز ترجمہ کرنے والوں کی ہے، جنہوں نے جب فارسی سے ترجمہ کیا تو اس کو دینِ الٰہی کا نام دے دیا۔ جس کو دینِ الٰہی کہا جاتا ہے، یہ اصطلاح بھی اکبر کے بعد کی ہے۔۔ اکبر کی ایک ڈاکٹرائن تھی۔ جو pluralism کی تھی اس کے مطابق ہندوستان کثیر القومی علاقہ تھا جو مسلمانوں، ہندو، بدھ، سکھ، کرسچن، سب کا تھا اور اس میں کسی ایک گروپ کی ڈکٹیٹرشپ نہیں ہو سکتی تھی۔ اب اس ڈاکٹرائن سے کوئی اتفاق کرے یا اختلاف، یہ الگ معاملہ ہے۔ لیکن اس کو "دین" نہیں کہا جاتا۔

27۔ مقدمہ

جنوری 1858 تک دربار کے تمام معززین مقدمات کے بعد لٹکائے جا چکے تھے۔اب بہادر شاہ ظفر کی قسمت طے کئے جانے کی باری تھی۔لکھنو میں جنگ ابھی چل رہی تھی۔ماہرینِ قوانین اور مترجمین نے دہلی پہنچنا شروع کر دیا۔کیا احکامات جاری ہوئے تھے؟ کس نے کئے تھے؟ بادشاہ کا کیا ہاتھ تھا؟ ہوڈسن کی دی ہوئی زندگی کی گارنٹی کی قانونی حیثیت کیا ہے؟ کیا لارڈ کیننگ سے منظوری کے بغیر ہوڈسن ایسا کرنے کے مجاز تھے؟ یہ طے ہو گیا کہ ان پر "بغاوت، غداری اور قتل" کے مقدمات چلائے جائیں گے۔میجر ہیریئٹ وکیلِ استغاثہ تھے۔

ایک اور بڑا سوال یہ تھا کہ مقدمے کی قانونی حیثیت کیا ہے اور کمپنی یہ کیسے کر سکتی ہے۔کمپنی نے یہ پوزیشن لی تھی کہ بہادر شاہ کمپنی سے پنشن وصول کرتے تھے اس لئے کمپنی کے پنشنر کے طور پر کمپنی کے ملازم تھے۔یہ کمپنی کا اپنے ملازم پر لگایا گیا چارج تھا۔ اصل قانونی پوزیشن زیادہ پیچیدہ تھی۔ کمپنی کا چارٹر تجارت کا تھا اور انڈیا میں اس کی کارروائیاں مغل بادشاہ کی اجازت سے تھیں۔پلاسی کی جنگ کے بعد کمپنی کو مغلوں کی طرف سے بنگال سے ٹیکس اکٹھا کرنے کا ٹھیکہ ملا تھا۔1832 تک کمپنی خود کو مغل بادشاہ کا باجگزار تسلیم کرتی تھی۔اس کے جاری کردہ سکوں پر "فدوی شاہ عالم" لکھا ہوتا تھا۔اگرچہ یہ ہٹا دیا گیا تھا لیکن قانونا اس تعلق میں تبدیلی کے لئے کچھ نہیں کیا گیا تھا۔ کمپنی نے بادشاہ کو یکطرفہ طور پر نذر دینا بند کر دی تھی۔لیکن کسی مغل بادشاہ نے کبھی یہ تسلیم نہیں کیا تھا کہ کمپنی ان کے زیرِ نگیں نہیں۔اس نقطہ نظر سے بہادر شاہ پر شکست کھانے والے دشمن بادشاہ کی حیثیت سے مقدمہ چلایا جا سکتا تھا لیکن رعایا کے طور پر نہیں۔اور اگر رعایا نہیں تھے تو بغاوت اور غداری کے الزامات ویسے ہی غیرمتعلقہ ہو جاتے تھے۔ قانونی طور پر یہ اچھا کیس بنایا جا سکتا تھا کہ دراصل بغاوت کمپنی نے کی تھی جو اپنے فیوڈل آقا سے حکم عدولی کا جرم تھا جس سے کمپنی نے وفاداری کا حلف اٹھایا تھا۔

اس مقدمے کے بے تکا ہونے پر ٹائمز کے صحافی ولیم رسل (جو جنگ کی صحافت کے بانی سمجھے جاتے ہیں) نے لکھا ہے۔رسل نے جب لال قلعہ دیکھا تھا تو کہا تھا کہ اس میں اور ملکہ وکٹوریا کے ونڈسر قلعے کی شان و شوکت میں فرق نہیں۔اور جب وہ اس کے مکین سے اس حالت میں ملے جب وہ کمپنی کے قیدی تھے اور انہیں بغاوت کا ماسٹرمائنڈ کہا گیا تھا تو ان کا تاثر تھا، "ان کی آنکھیں دھندلی اور آوارہ پھرتی تھیں، ان کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکلا۔جیسے وہ اپنی حالت سے بے خبر ہوں۔بڑھاپا جھلک رہا تھا۔کسی نے انہیں اپنے شعر پڑھتے سنا تھا اور جلی لکڑی سے دیوار پر لکھنے کی کوشش کرتے دیکھا تھا۔ان کا محل وہ جگہ تھی جہاں سے کچھ تاجروں کو انڈیا میں کام کرنے کا اجازت نامہ تھمایا گیا تھا۔اور اب ہم ان پر شکرگزار نہ ہونے کا الزام لگا رہے تھے"۔

رسل نے نتیجہ نکالا تھا کہ اگر مقدمہ چلایا ہی جانا ہے تو ملٹری کمیشن میں نہیں، باقاعدہ عدالت میں چلایا جائے۔جو الزامات لگائے گئے تھے، ان کا ثابت ہونا ناممکن تھا۔فوجی عدالتوں میں تو کچھ بھی ثابت ہو جایا کرتا ہے لیکن برطانوی عدالت میں دہلی کے بادشاہ پر غداری کا الزام ثابت کرنا ناممکن ہوتا۔

مقدمہ 27 جنوری 1858 کو شروع ہوا۔بہادر شاہ اس وقت بہت علیل تھے۔انہیں دیوانِ خاص پالکی میں لایا گیا۔ایک طرف ان کا بیٹا مرزا جوان بخت اور دوسری طرف ایک خادم۔انہوں نے سہارا دے کر انہیں بٹھایا۔

پانچ جج تھے جو سب آرمی افسر تھے اور زیادہ سینئیر نہیں تھے اور کوئی اچھی ہندوستانی زبان نہیں جانتا تھا۔الزامات پڑھ کر سنائے گئے۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا وہ خود کو قصوروار تسلیم کرتے ہیں۔تھوڑی دیر میں پتا لگ گیا کہ بہادر شاہ کو پتا ہی نہیں کہ ہو کیا رہا ہے۔ خاصی تاخیر کے بعد انہیں قائل کیا گیا کہ وہ بتائیں کہ وہ قصوروار نہیں اور مقدمہ آگے چل سکے۔

اگلے دنوں میں ثبوت اور گواہ پیش ہوئے۔محل سے حاصل کردہ دستاویزات پڑھ کر سنائی گئیں۔بہادر شاہ کے وکیل غلام عباس نے ان کا مطالعہ کیا۔بادشاہ نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ انہیں ان کا کچھ نہیں پتا۔پھر بادشاہ کی توجہ بھٹکنے لگی اور وہ اونگھنے لگے۔انہیں اس سب میں کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔

کئی بار بادشاہ عدالت میں آنے سے انکار کر دیتے اور خرابیِ صحت کے باعث کارروائی ملتوی کر دی جاتی۔جب آتے تو کارروائی پر کوئی توجہ نہ دیتے۔بہت سے الزامات کے بعد انہوں نے اردو میں ایک بار تفصیلی جواب دیا جو اس کی عکاسی کرتا ہے کہ اگرچہ وہ اس کارروائی سے لاتعلق تھے لیکن ذہنی طور پر چست تھے۔“بغاوت کے دن سے پہلے مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔میں نے انہیں بارہا کہا کہ وہ چلے جائیں۔میرا گواہ تو خدا ہی ہے کہ میں نے نہ ہی فریزر کو اور نہ ہی کسی اور یورپی کو قتل کرنے کا حکم دیا۔جہاں تک میری مہر کے ساتھ جاری کردہ احکامات کا تعلق ہے تو جب سے سپاہی آئے تھے، وہ کر رہے تھے جو ان کی مرضی تھی۔مجھ سے خالی لفافوں پر مہر لگوا لیا کرتے تھے۔مجھے نہیں پتا کہ اس کے اندر کیا کاغذ تھے اور کس کو بھیجے جا رہے تھے۔وہ میرے ملازمین پر انگریزوں سے سازباز کا الزام لگاتے تھے اور مجھے ہٹا کر مرزا مغل کو بادشاہ بنانا چاہتے تھے۔میرے پاس اختیار ہی کیا تھا؟ وہ یہاں تک چلے گئے تھے کہ انہوں نے ملکہ زینت محل کو ان کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا۔وہ اسے قید کرنا چاہتے تھے کہ وہ انگریزوں سے ملی ہوئی ہے۔جو ہوا، وہ باغی فوج نے کیا تھا۔میں خود خوف میں جکڑا بے بس قیدی تھا۔میں نے غربت کا فیصلہ کر لیا تھا۔میرا ارادہ سرخ چادر اوڑھ کر قطب صاحب، اجمیر اور پھر مکہ چلے جانے کا تھا۔باغی تو مجھے سلام تک نہیں کرتے تھے۔وہ میرے دیوان میں گھس جاتے

تھے۔ تسبیح خانے میں جوتے لے کر آ جاتے تھے۔ان باغیوں نے تو خود اپنے افسروں کو مارا تھا۔وہ نمک حرام تھے۔ان پر بھروسہ کیسے کیا جا سکتا تھا۔ قاتل وہ تھے۔میں تو قیدی تھا۔میرا گواہ خدا ہے اور وہ جانتا ہے کہ میں نے جو لکھا ہے، وہ سچ ہے"۔

عدالت میں وکیلِ صفائی غلام عباس کی پرفارمنس اور جرح کمزور رہی۔جس طرح کیس آگے بڑھتا گیا، یہ مزید بے تکا ہوتا گیا۔ تکنیکی بنیادوں پر نہیں، الزامات کے حوالے سے۔

ہیریئٹ نے کہا کہ ظفر ایک شاطر چالباز ہیں اور ایک بڑی بین الاقوامی سازش کے سرغنہ ہیں۔یہ سازش قسطنطنیہ، مکہ، تہران اور دلی کے لال قلعے کی دیواروں تک پھیلی ہوئی ہے۔اس کا مقصد برٹش سلطنت کو ختم کرنا اور ان کی جگہ مغلوں کو لانا ہے۔(یہ سب شواہد کے بالکل خلاف تھا۔ حتیٰ کہ بغاوت کرنے والوں میں اکثریت ہندوؤں کی تھی۔دوسرا یہ کہ شیعہ فارس اور سنی عثمانیوں کا کسی بھی مقصد کے لئے اکٹھا ہونا ناممکن تھا)۔استغاثہ کے وکیل کے مطابق،

"یہ سازش سپاہیوں تک محدود نہیں تھی۔یہ ان کے شروع کرنے والے بھی نہیں تھے۔بڑا باغی بہادر شاہ ظفر ہے۔یہ سازشی شخص جھوٹ اور فساد کا پیکر ہے۔اس نے ان بدمعاشوں کو اپنے پاس منصوبے کے تحت بلایا۔اس بڑے جال اور مذہبی جنونیوں کا سرغنہ ہے۔یہ جنونی ہم پر اور دنیا پر اپنا نظام مسلط کرنا چاہتا تھا"۔

ہیریئٹ کی پیش کردہ تصویر اس وقت کے برٹش قوم پرست شدت پسندوں کے جذبات کی عکاس تھی۔تین فروری کو ہیریئٹ نے ثبوت پیش کرتے ہوئے بتایا کہ باغی سپاہی اور بادشاہ پہلے ہی آپس میں ملے ہوئے تھے۔یہ طے شدہ تھا۔درجن بھر باغی اس سے ساڑھے تین سال پہلے ان کے پاس آئے تھے اور ان کے مرید بن گئے تھے۔حقیقت یہ تھی کہ کئی لوگ بادشاہ کو صوفی پیر سمجھتے تھے۔بادشاہ مرید قبول کیا کرتے تھے۔ہیریئٹ نے اس کو اپنی تخیلاتی عظیم سازش کے نکتے جوڑنے کے لئے استعمال کیا جو ان کے مطابق برسوں کی پلاننگ کا نتیجہ تھی۔

اومانی ڈائری میں لکھتے ہیں "ہیریئٹ کی پیشکردہ عظیم سازش کی تھیوری نہ صرف غلط ہے، بلکہ مضحکہ خیز ہے"۔

ایک کے بعد دوسرا پیش ہونے والا گواہ بتا رہا تھا کہ بہادر شاہ ظفر کی ترجیح دہلی کی رعایا کی جان بچانا رہی تھی۔بادشاہ نے کانپور میں کرسچن قتلِ عام کی شدید مذمت کی تھی۔دہلی کے لوگوں کو انقلابیوں کی لاقانونیت سے بچانے کی کوشش کی تھی اور لوگوں کو دہلی سے باہر قبائلی ڈاکوؤں سے بچانے کی کوشش کی تھی۔

مقدمہ دو ماہ تک چلتا رہا۔آخری ہفتوں میں بادشاہ کی آنکھیں کارروائی کے دوران بند ہی رہتیں۔

نو مارچ کو صبح گیارہ بجے کورٹ مارشل آخری بار ہوا۔پرہجوم عدالت میں ہیریئیٹ نے آخری بار دلائل ڈھائی گھنٹے کے لئے دئے۔ایک بار پھر انقلاب کو عالمی اسلامی سازش قرار دیا۔اور بہادر شاہ ظفر کو اس عظیم سازش کا لیڈر نہیں تو اس کا اہم حصہ۔

تین بجے جج فیصلہ سنانے کے لئے صلاح کرنے گئے۔چند منٹ بعد واپس آئے اور متفقہ فیصلہ سنا دیا۔بہادر شاہ ظفر پر لگائے گئے تمام الزامات درست قرار دئے گئے۔فیصلہ سناتے وقت کہا گیا کہ اگرچہ ایسے غدار اور مجرم کی سزا موت ہے لیکن ہوڈسن نے زندگی کی ضمانت دی تھی تو عدالت اس کا احترام کرتی ہے۔ملزم کو کالاپانی جلاوطن کر دیا جائے یا کسی بھی اور جگہ جسے گورنر جنرل منتخب کریں۔

اگلے سات ماہ جلاوطنی کے لئے مناسب مقام ڈھونڈا جاتا رہا۔بڑا خدشہ یہ تھا کہ ہندوستانی انہیں چھڑوانے کی کوشش نہ کریں۔آخر ستمبر 1858 کو فیصلہ کر لیا گیا کہ انہیں دہلی سے نکال لیا جائے۔اومانی ان کے ساتھ ہوں گے اور یقینی بنائیں گے کہ ریاستی قیدی کسی سے رابطہ نہ کر سکے۔

سات اکتوبر کو صبح چار بجے، پہلے مغل بادشاہ بابر کے دہلی فتح کرنے کے 332 سال بعد آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر بیل گاڑی پر دہلی سے نکل گئے۔ان کے ساتھ ان کی بیویاں، دو بچے، حرم کی خواتین اور خادم تھے۔کل اکتیس لوگ ایک سکواڈرن کے ہمراہ دہلی سے نکلے۔منزل خفیہ تھی۔بہادر شاہ کو بھی اس کا نہیں بتایا گیا تھا۔انہیں صبح تین بجے اٹھا دیا گیا تھا اور نکلنے کی تیاری کا کہا گیا تھا۔ صبح کے اندھیرے میں، جب ہر شے رکی ہوئی تھی اور شہر سناٹے میں تھا۔آخری مغل بادشاہ نے دہلی ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا۔اس وقت میں انہیں کوئی الوداع کہنے والا نہیں تھا۔

بہادر شاہ ظفر کی جلاوطنی کی جگہ برما طے کی گئی۔دہلی سے دور اور یہاں کی مقامی آبادی کو ہندوستان کے معاملات سے سروکار نہیں تھا۔بہادر شاہ سفر میں خوشگوار موڈ میں تھے۔یہ دہلی کی قید سے بہتر صورتحال تھی۔سفر کے شروع کے کچھ ہفتے اچھے گزرے۔راستے میں کہیں پر جلی ہوئی عمارتیں یہ یاد کرواتی تھیں کہ سفر کیا کیوں جا رہا ہے۔الہ آباد کے قریب پہنچے تو برٹش فوج شہر پر حملہ آور ہونے کی تیاری میں تھی۔یہ آخری جگہ تھی جہاں پر برٹش افواج نے بغاوت ختم کی تھی۔

قافلے کی خواتین کے درمیان اختلافات ہو جانے کے سبب آدھی پارٹی الگ ہو گئی اور دہلی واپس جانے کا فیصلہ کیا۔بہادر شاہ ظفر کے قافلے میں پندرہ لوگ بچے تھے۔اٹھارہ نومبر کو یہ مرزاپور پہنچے اور سٹیمر پر سوار ہو گئے۔بہادر شاہ کے لئے بحری جہاز پر سفر کا یہ پہلا تجربہ تھا۔گنگا میں سفر میں اس کے شاندار گھاٹ، بنارس کی عمارتیں، برٹش جنگی کشتیاں جو بکسار کی جنگ سے بھاگنے والے انقلابیوں کی

نگرانی کے لئے تھیں۔۔۔یہ سب بہادر شاہ کے لئے نئے نظارے تھے۔بکسار وہ مقام تھا جہاں مغل اور برٹش پہلی بار 1764 میں آمنے سامنے آئے تھے۔رامپور میں سٹیمر تبدیل کیا اور چار دسمبر کو کلکتہ پہنچ گئے۔

یہاں سے بحری جنگی جہاز ماگارا پر سوار کر دیا گیا۔پانچ روز کے بعد یہ سمندر پار کر کے دریائے رنگون داخل ہو گیا۔رنگون کی بندر گاہ پر بہت سے لوگ قیدی کو دیکھنے آئے تھے۔

اپریل 1852 کو کمپنی کی فوج نے جس میں سکھ رجمنٹ تھی، رنگون پر حملہ کیا تھا۔برمی فوج کو منڈالے تک پیچھے دھکیل دیا گیا تھا۔ یہاں پر بھی مالِ غنیمت تلاش کرنے والوں نے شہر کو لوٹا تھا اور شہر کی عبادت گاہوں میں بت توڑ دئے تھے تا کہ جواہرات تلاش کئے جا سکیں۔رنگون کو بھی دہلی کی طرح ری ماڈل کیا جا رہا تھا۔

اب کمپنی حکومت کے زیرِانتظام رنگون آخری مغل بادشاہ کے آخری برسوں میں قیام کے لئے جگہ تھی۔

(جاری ہے)

تحریر: وہارا امباکر

پہلی تصویر بہادر شاہ ظفر کی جوانی کی

دوسری میں بہادر شاہ ظفر دربار میں

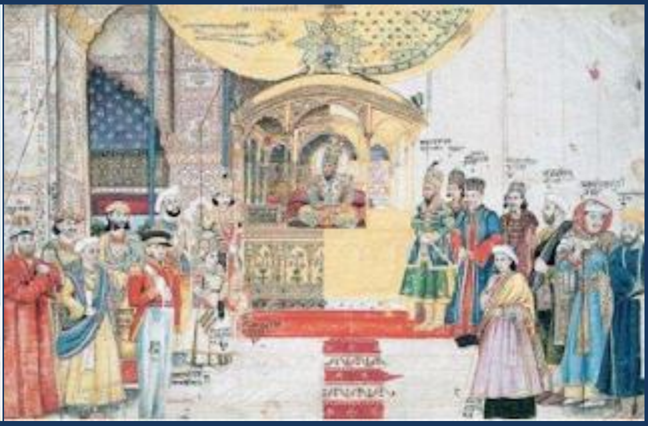

تیسری تصویر بہادر شاہ ظفر کی جو تھامس میٹکاف نے مصور سے بنوائی تھی

چوتھی تصویر بہادر شاہ ظفر کی دہلی میں مقدمے کے دنوں میں

سوالات وجوابات

سوال	**Riaz Ahmad** بے چارے بھادر شاہ ظفر مغلوں کے سارے کرتوں توں کے ملبے تلے دب گئے۔ بھر حال ھمارے لئے اس میں کئ طرح کے سبق موجود ہیں۔ ایک یہ کہ دھوکہ فریب منافقت مغربی اقوام کی جینز میں شامل ہے ان پر عتبار کرنا بڑی بیوقوفی ہے۔ دوسری یہ کہ زاوال ایک قدرتی عمل ہے یہ ھو کر رہے گا۔
جواب	"بے چارے بھادر شاہ ظفر مغلوں کے سارے کرتوں توں کے ملبے تلے دب گئے" کونسے کرتوت؟ "دھوکہ فریب منافقت مغربی اقوام کی جینز میں شامل ہے " اللہ نے تو تمام اقوام کو ایک ہی جیسا بنایا ہے۔ آپ نے جینز میں جھانک کر کیسے پتا لگا لیا یا یہ انکشاف صرف متعصبانہ نفرت کا نتیجہ ہے۔ "زاوال ایک قدرتی عمل ہے یہ ھو کر رہے گا۔" یہ سبق کہاں سے نکالا ہے؟
سوال	**Afaq Ahmad Khan** لیکن جیسی سازشی شاطر چالاک قوم یہود ہے ویسی کوئی بھی نہیں
جواب	برٹش قومِ یہود نہیں تھے۔جب اس ٹاپک پر پوسٹ ہو تو اپنی تحقیق شئیر کر دیجئے گا۔

سوال	**Riaz Ahmad** اکبر کی مختلف ادیان کا ملغوبہ دین جسے وہ دین الھی کھتا تھا کہ وہ سورج کو سجدہ کرتا اور اس کے پیروں کار اس کا سجدہ کرتے تھے۔بقول اورنگزیب عالمگیر "پدر ما اکفر بود۔خیر اس بات کو چھوڑئے اورنگزیب عالگیر نے بھی اپنے بھائیوں کی لاشوں پر اپنی سلطنت قایئم کی تھی تھوڑا سا مغلوں کا اخلاقی معیار دیکھنا چاہتے ھوں تو احمد شاہ رنگیلے کی تاریخ پڑھوں کہ جس کے بارے میں اس زمانے کے ایک پشتون شاعر کا ایک شعر بھت مشھور ہے۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ پشتونوں کے خون کے پیاسے مغلوں کا دور دور تک نام ونشان نہیں اور پشتون ایک زندہ قوم ہیں دیکھوں اپ کے ارد گرد کتنے پشتون ہیں اور مغل کتنے ہیں۔
جواب	کونسے والے پشتون؟ وہ جو انگریز کے ساتھی تھے؟ یا وہ جنہوں نے سوویت کا دم بھرنے میں بڑا قتلِ عام کیا؟ یا وہ جنھوں نے آپس میں نہ صرف خود ایک دوسرے پر بدترین مظالم ڈھائے ہیں بلکہ اقلیت نسلوں کو اپنا ہم وطن تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیا۔اور وہ جنھوں نے برِصغیر میں آ کر۔۔۔۔خیر چھوڑیں، یہ پوسٹ اس موضوع پر نہیں۔اور کشمیری، دہلی والے، پنجابی، سندھی، پشتون، تلنگے، براہوی، بلتی، ایرانی، روسی، بنگالی، سنہالی سبھی ہمارے لئے بہت محترم ہیں۔ صرف یہ کہ اگر اپنی نسلی غرور اور برتری کو اخلاقی بنیادوں پر کوئی بھی جتائے گا، تو بھائی وہ بہت ہی کمزور بنیاد پر کھڑا ہے۔
سوال	**Riaz Ahmad** اپ بھی تھوڑا سا اپنے اس بات کی وضاحت فرمانا پسند کریں گے کہ اللہ نے تمام اقوام ایک جیسے پیدا کیا ہے اپ کا مطلب یہ یکسانیت شکل کی اعتبار سے ہے یا نظریے اور عقیدے کے اعتبار سے۔
جواب	جی، میں ضرور بتانا پسند کروں گا۔اس سے پہلے آپ اپنی تحقیق شئیر کر دیجئے جس میں آپ نے جینیاتی تجزیہ کیا ہے۔
سوال	**Riaz Ahmad** زوال ایک فطری عمل ہے۔اپ کو معلوم ہے کہ مسلمانوں نے دنیا کے کتنے حصے پر حکومت کی ہے۔ایک زمانہ تھا کہ ایک مظلوم عورت کی پکار پر ایک مسلمان حکمران 40ہزار ابلقی گھوڑے لے جاکر ایک بڑی سلطنت کی دروارے پر دستک دیتا ہے۔خیر ایک زمانہ تھا کہ برطانوی سلطنت پر سورج غروب نہیں ھوتا تھا،وہی برطانیہ ہے کہ ان کے شھری اب پنے سابقہ نوابادیاتی مملک کا بغیر ویزے کا سفر نہیں کر سکتے۔خیر اس سلسلے میں قران پاک کا ایک ایت بھی مجھے یاد ایا"وتلک الا ایام نو دا و لھا بین الناس۔تھوڑا سا اپنے ارد گرد نظر دوڑایئے اپ دیکھیں گے کہ" سکون محال ہے قدرت کے کار خانے میں ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے۔ ان شیطانی بیماریوں کا تعلق دل ودماغ سے ھوتاہے اور باقی اعضا انہی کے تابع ھوتے ہیں۔آپ کو معلوم ہے کہ بیماری

	بھی دو قسم کی ھوتی ہیں اخلاقی اورجسمانی جس طرح بعض جسمانی بیماریاں اور دوسرے خدوخال والدین سے جینز کے زریعے اولاد تک منتقل ہو جاتی ہے اس طرح بعض اخلاقی بیماریاں بھی انے والے نسلوں تک منتقل ھوجاتی ہے جو ماحول کے زیر اثر پنپتی ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ اپنا اثر شروع کرتی ہے۔البتہ ھدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ چاہے جسے دے چاہے نہ دے۔
جواب	"جس طرح بعض جسمانی بیماریاں اور دوسرے خدوخال والدین سے جینز کے زریعے اولاد تک منتقل ہو جاتی ہے اس طرح بعض اخلاقی بیماریاں بھی انے والے نسلوں تک منتقل ھوجاتی ہے " یہ سوچ سائنس سے پہلے کی تھی۔اور بدترین تعصبات اور مظالم کو جواز بنانے کا سبب بنی ہے۔نسل پرستی، غلامی، طبقاتی اور ذات پات کے نظام، نسلی غرور، اعلیٰ خون جیسے قابلِ نفرت خیالات کو جواز اس پری سائنٹفک سوچ سے دیا جاتا رہا ہے۔ جینیات کی سائنس کو اس سے شدید ترین اختلافات ہیں۔
سوال	**Muheb Ali** ابھی تک سمجھ نہیں آئی کہ ھندوستانی سپاھی جس میں ھر مذہب سے تعلق رکھنے والے تھے ، آخر انگریز کے اتنے وفادار کیوں کر ھوئے، مذہب کی وجہ تو سمجھ نہیں آتی کیونکہ بادشاہ بظاہر مسلمان تھا جبکہ عملاً حکومت میں ھندووں اور سکھوں کی اکثرئت تھی۔دوسری طرف ھندوستان میں معاشی طور بھی لوگ آسودہ حال تھے، لیکن پھر بھی بادشاہ کی بجائے انگریز کی طرف سے لڑے اور جنگ کا پانسہ پلٹ کر خود کو غلامی کے حوالے کرگئے
جواب	بہت سے لوگ برٹش سے پہلے کے فیوڈل نظام، امن و امان نہ ہونے، مقامی نوابوں اور راجوں کے ظلم، ریاستوں کی جنگوں میں قتل و غارت جیسے مسائل سے تنگ تھے اور برٹش سسٹم کو پچھلے نظام سے بہتر سمجھتے تھے۔ یہ نیشلزم کی آمد سے پہلے کی دنیا تھی۔نیشلزم اس کے بہت بعد میں آیا اور یہ تصور کہ کالونیل سسٹم غلامی ہے، بیسویں صدی کا ہے۔
سوال	**Asir Asir** انفنٹری ملکہء جنگ نامی کتاب میں مصنف " جو فوجی آفیسر تھے،" نے ذات پات اور کمی کمین جیسی ہندوستانی اقدار کو انگلش سے وفاداری کی وجہ لکھا ہے... فوج میں آنے کے بعد ایک جیسی وردی میں سب برابر لائن میں کھڑے ہوتے،بیگار یا فصل آنے پر کچھ اناج کی جگہ تنخواہ اور ڈسپلن قانون پسندی کی وجہ سے ایک عام ہندوستان فوج میں بہت بہتر محسوس کرتا تھا
جواب	جی بالکل۔یہ ہندوستان میں ایک انوکھی جدت تھی کہ یونٹ میں سب برابر تھے۔اونچی نیچی ذات، مذہب اور نسل کے ملے جلے یونٹ میں اکٹھی پریڈ اور پھر مالِ غنیمت پر انحصار کے بجائے لگی بندھی ماہانہ تنخواہ۔۔۔یہ ملٹری آرڈر کی جدتیں تھیں

سوال	**Shoaib Nazir** جب فیصلہ اپنی مرضی کا سنانا تھا تو عدالت کس لیے لگائی گئ؟۔ نتیجہ تو پہلے سے ہی طے نہیں تھا؟۔
جواب	کیا آپ نے پاکستان میں ایسا ہوتے دیکھا ہے کہ عدالت کا فیصلہ پہلے سے ہی سب کو معلوم ہوتا ہے؟ اس کے باوجود due processکی اپنی بڑی اہمیت ہے۔ آج کے انگریز اس عدالت کے فیصلوں کو سخت تنقید کا نشانہ اس لئے بنا سکتے ہیں کہ یہ سب ریکارڈ محفوظ ہے۔
سوال	**Shoaib Nazir** سر اگر آج کے انگریز اس وجہ سے تنقید کر سکتے ہیں کہ یہ سب آن دی ریکارڈ موجود ہے تو پھر۔۔۔ یہ بے وقوفی کیوں کی گئ؟۔۔۔ اس تنقید سے بچنا بھی تو ان کے ہاتھ میں تھا؟۔
جواب	اس وقت بہادر شاہ ظفر ایک خطرہ تھے۔ایک علامت تھے جن کے گرد آئندہ بھی لوگ اکٹھا ہو سکتے تھے۔اگر قرونِ وسطیٰ کی طرح شکست کھا جانے والے حکمرانوں کی طرح ان کا سر اتار کر دریا میں بہا دیا جاتا تو بھی کوئی کیا کر لیتا۔ لیکن انیسویں صدی میں کھوپڑیوں کے مینار بنانے والا طریقہ یا ہاتھی تلے روند دینے والا انصاف ناقابلِ قبول ہو چکا تھا۔ لیکن پھر بھی، ایسے کہہ لیں کہ ۲۰۲۰ میں ۱۸۵۷ کے فیصلوں پر تنقید کرنا آسان ہے۔
سوال	**Mohammad Fahad** سر اگر اس سلسلے میں تھوڑی سی معلومات چند سطور ذاتی کردار کے بارے میں بھی ہو تو مجھ جیسے قاری کو سمجھنے میں آسانی ہو جیسے شاہ کا عوام کیساتھ کردار کیسا تھا اسوقت یا پھر کمپنی کے لوگ اور جو لوگ کمپنی کا ساتھ دے رہے تھے . ویسے یہ اس سلسلے کے مقصد سے ہٹ کر ہے مگر آخر میں اگر کچھ تحریر کر دیں تو
جواب	اس سلسلے کی اقساط میں کئی جگہ پر ذکر آیا ہے۔مثلاً، پہلی قسط سے ایک اقتباس " جب اپنے والد کی وفات کے بعد بہادر شاہ ظفر بادشاہ بنے تو ان کی عمر پینسٹھ سال کے قریب تھی۔اس وقت تک مغلوں کا سیاسی انحطاط روکنا ناممکن ہو چکا تھا لیکن وہ دہلی دربار میں بڑے شاندار دماغ اکٹھا کرنے میں کامیاب رہے۔ تمام مغلیہ بادشاہوں میں شاید وہ سب سے زیادہ ٹیلنٹ رکھنے والے، روادار اور ہر ایک میں پسند کئے جانے والے بادشاہ تھے۔ماہر خطاط، مصنف، صوفی، مصوری کا زبردست ذوق رکھنے والے اور مصوروں کی حوصلہ افزائی کرنے والے، باغبان اور امیچور آرکیٹکٹ۔اور وہ ایک سنجیدہ صوفی شاعر تھے۔انہوں نے شاعری نہ صرف اردو اور فارسی میں کی بلکہ براج بھاشا اور پنجابی میں بھی۔اور ان کی سرپرستی تھی جس وجہ سے یہ دور اردو ادب کا ایک سنہرا دور رہا۔وہ خود غزل لکھتے تھے لیکن مرزا غالب اور ان کے رقیب ذوق جیسے اساتذہ کے ٹیلنٹ کی قدر بھی شاہی دربار سے کی گئی۔ "

28۔ بادشاہ کے بعد

لگتا ہے پورا شہر مسمار کیا جا رہا ہے۔خاص بازار، اردو بازار اور خانم کا بازار غائب ہو چکے ہیں۔یہ بھی نہیں پتا لگتا کہ وہ کہاں تھے۔" گھر والے اور دکاندار اشارہ کر کے بھی نہیں بتا سکتے کہ ان کی دکان اور گھر کدھر تھے۔کھانا مہنگا ہے اور موت سستی"۔

غالب کا لکھا یہ پیراگراف ایک منصوبے پر ہونے والے عملدرآمد کا بتا رہا تھا۔اصل پلان تو زیادہ بڑا تھا اور لاہور کرونیکل میں شائع ہوا تھا۔"سزا کے طور پر دہلی کا نام و نشان مٹا دیا جائے"۔اس پلان کے بہت سپورٹر تھے۔ہندوستان میں بھی اور لندن میں بھی۔لارڈ پامرسٹون نے کہا کہ دہلی کو نقشے سے ہی ختم کر دیا جائے اور ہر عمارت کو، خواہ کتنی ہی اہم ہو یا کتنی ہی آرٹسٹک، بلاتمیز ختم کر دیا جائے۔گورنر جنرل کیننگ اس تجویز کی حمایت میں تھے لیکن جو شخص انہیں اس سے منع رکھنے میں کامیاب رہے، وہ جان لارنس تھے۔

جان لارنس کو لاہور سے دہلی فروری 1858 کو ٹرانسفر کیا گیا۔وہ اس سے پہلے پنجاب کے چیف کمشنر رہے تھے اور دہلی کو فتح کرنے میں بڑا ہاتھ تھا، اس وجہ سے ان کی رائے اثر رکھتی تھی۔وہ قتلِ عام اور دہلی میں پھیلائی جانے والے تباہی کے مخالف تھے۔ سب سے پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ قتلِ عام کے پرجوش حامی اور اپنے پیشرو تھیو میٹکاف کو جلاوطن کر دیا اور جبری رخصت پر انگلستان بھجوا دیا۔2 مارچ کو تھیو ہمیشہ کے لئے ہندوستان چھوڑ گئے۔

اپریل کو لارنس نے عام معافی دینے کی سفارش کی۔غیر متوقع طور پر اس میں انہیں اپنے حامی بنجمن ڈسرائیلی کی صورت میں مل گئے (جو بعد میں برطانوی وزیرِاعظم بنے) جنہوں نے برطانوی پارلیمنٹ میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "میں نے وہ سنا ہے اور وہ پڑھا ہے جو یہ بتاتا ہے کہ مسیح کے نام پر ہم مسیح کے بجائے مولک کا طریقہ اپنا رہے ہیں"۔(مولک کنعان میں دیوتا تھا جس کے آگے بچوں کو بھینٹ چڑھایا جاتا تھا)۔

یکم نومبر 1858 کو ملکہ وکٹوریا کے جاری کردہ فرمان سے یہ سرکاری پالیسی بن گئی۔اس کے ساتھ

Act for Better Government of India

عمل میں آ گیا۔تاجِ برطانیہ نے ہندوستان کی حکومتی ذمہ داری ایسٹ انڈیا کمپنی سے ختم کر کے خود اپنے پاس لے لی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی چوبیس ہزار کی ملٹری فورس برٹش آرمی کا حصہ بن گئی۔

غداری کے مقدمے اور پھانسیوں کے سلسلے ختم ہوئے۔ہندوستان اپنے شئیر ہولڈرز کے لئے کام کرنے والی ایک ملٹی نیشنل کمپنی کی حکمرانی کے بجائے باضابطہ کالونیل حکومت میں آ گیا۔

دہلی کو مسمار کئے جانے پر بحث چلتی رہی۔کیننگ نے دہلی کی دیواروں اور دفاعی حصار کو مسمار کرنے کے احکامات جاری کر دئے تھے لیکن لارنس نے انہیں رکوا دیا۔ان کا کہنا تھا کہ اتنے میل لمبی دیوار گرانے کے لئے بارود دستیاب نہیں۔1859 کے آخر تک کچھ حصہ گرانے پر اتفاق ہو گیا۔1863 میں چاندنی چوک سے ضریبہ تک مسماری کا آپریشن جاری رہا جو اس کے بعد ترک کر دیا گیا۔اس دوران دہلی کا بہت سے حصہ گر چکا تھا جس کا ذکر غالب اپنے خطوط میں اداسی سے کرتے رہے۔راج گھاٹ (جو دریائے جمنا کے پاس مشرق میں تھا) سے جامع مسجد کے درمیان بلامبالغہ صرف اینٹوں کا ڈھیر تھا۔غالب کے خط کا اقتباس۔

“راج گھاٹ کے دروازے کو گرا دیا گیا ہے۔ملبے کا ڈھیر ہے۔چوڑی سڑک بنانے کے لئے کلکتہ دروازے اور کابل دروازے کے درمیان زمین ہموار کی گئی ہے۔پنجابی کٹھرا، دھوبی وارا، رام جی گنج، سادات خان کا کٹھرا، مبارک بیگم کی حویلی (جو اوکٹرلونی کی بیوہ تھیں)، صاحب رام کی حویلی اور باغ۔اب کچھ بھی باقی نہیں رہا”۔

غالب کے دوسرے خطوط میں اکبر آبادی مسجد، کشمیری کٹھرا مسجد، شیخ کلیم اللہ جہان آبادی کے مزار، مولوی باقر کے امام باڑہ، بلقی بیگم کے محلے، ضریبہ کے دروازے کے منہدم ہونے کا ذکر ہے۔شہر کے چار بڑے شاندار محل مکمل طور پر مسمار کئے گئے۔جس میں جھاجر کے نواب کی حویلی، بہادر گڑھ اور فرخ گڑھ کے نواب اور بلب گڑھ کے راجہ کی حویلی تھی۔شالیمار باغ، جہاں اورنگزیب کی تاجپوشی ہوئی تھی، کو زرعی اراضی کے طور پر نیلام کر دیا گیا۔جہاں مغل عمارتیں نہیں گرائی گئیں، ان کے نام بدل دئے گئے۔بیگم باغ اب کوئنز گارڈن ہو گیا۔

لارنس نے کوشش کی تھی کہ لال قلعے کو بچایا جا سکے لیکن کامیاب نہ ہوئے۔انہوں نے جامعہ مسجد اور محل کی دیواروں کو بچا لیا لیکن لال قلعے کا اسی فیصد حصہ ڈھا دیا گیا۔ہئیریٹ ٹیلر اس سب پر رنجیدہ تھیں۔انہوں نے دہلی کی دیوانِ عام کے اوپر سے تصویر بنائی ہے

جو مغلیہ دہلی کی آخری تصویر ہے۔انہوں نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے، "دہلی میں موت کا سناٹا تھا۔خالی گھر اور ہو کا عالم۔جیسے کسی بدن سے روح نکل گئی ہو"۔

لال قلعے کو نومبر 1857 سے مسمار کئے جانا شروع ہوا۔سب سے پہلے شاہی حمام سے یہ کام شروع کیا۔آرکیٹکچر کے مورخ جیمز فرگوسن لکھتے ہیں کہ یہ قلعہ یورپ کے کسی بھی قلعے سے دگنا ہو گا۔مارچ 1859 تک یہ جاری تھا۔چھوٹا رنگ محل، حیات بخش باغ، مہتاب باغ ختم ہوئے۔دریائے جمنا کے کنارے اس کا بیس فیصد حصہ بچ گیا اور یہ بچت اس لئے ہوئی کہ اس کو برٹش فوجیوں نے اپنا آفس اور میس بنا لیا تھا۔

گنبد اور سنگِ مرمر کی فٹنگ کو اتار لیا گیا اور مالِ غنیمت میں داخل کر دیا۔اس میں شاہ جہان کا کروایا گیا پرچین کاری کا شاندار کام بھی تھا جو ان کے تخت طاوس کے پیچھے تھا۔نقار خانہ، جہاں اصفہان یا قسطنطنیہ سے سفیروں جیسے اہم مہمانوں کی آمد پر باجے اور ڈھول بجائے جاتے تھے، برٹش سٹاف سارجنٹ کے کوارٹر بن گیا، دیوانِ عام آفیسرز لاونج میں تبدیل ہوا۔شاہی خوابگاہ کینٹین بن گئی، رنگ محل آفیسرز میس میں بدل گیا۔ممتاز محل کو ملٹری جیل بنا دیا گیا۔لاہور دروازے کا نام وکٹوریا گیٹ رکھ دیا گیا۔ظفر محل، جو تیرتا پویلین تھا، افسروں کے لئے سوئمنگ پول۔جب کہ حیات بخش باغ کے خیمے ٹوائلٹ بنے۔

بغاوت کے ایک سال بعد پہلے شہر میں دہلی کے ہندووٗں کو واپس آنے کی اجازت آہستہ آہستہ ملنے لگی۔دسمبر 1859 میں دہلی کے مسلمانوں کی طرف سے ملکہ وکٹوریا کو درخواست کی گئی کہ انہیں بھی واپس آنے دیا جائے، وہ مشکل میں ہیں اور ملکہ سے رحم کی توقع کرتے ہیں کہ وہ انہں معاف کریں گی اور واپس دہلی جانے دیں گی۔ان کے پاس نہ سر پر چھت ہے اور نہ سردی سے بچنے کا انتظام۔ یہ اجازت مل گئی، لیکن جو تاجِ برطانیہ سے اپنی وفاداری ثابت نہیں کر سکے، ان کے گھر ضبط کر لیے گئے۔مسلمانوں کے خلاف تعصب کی صورتحال اتنی بری تھی کہ برٹش پریس میں آوازیں اٹھنے لگیں۔جون 1860 میں موفصلائیٹ میں اس پر لکھا مضمون ہے، "ہمارا غصہ، آخر کب تک؟"۔

ضبط شدہ جائیدادیں نیلام ہوئیں۔ان کو خریدنے والے زیادہ تر ہندو کھشتریہ اور جین بینکار تھے، جیسا کہ چُنا مل یا رام جی داس یا مہیش داس۔چنا مل نے فتح پوری مسجد بھی خرید لی جبکہ ایک ہندو نانبائی نے زینت المساجد خریدی۔مغل دور کی اشرافیہ اب یا تو غربت میں تھی یا کچھ لوگوں کو سکول ٹیچر یا ٹیوٹر جیسے کام مل گئے تھے۔

مرزا غالب نے جنوری 1862 میں دوست کو خط لکھا ہے۔"یہ وہ دلی نہیں جہاں تم پیدا ہوئے تھے، سکول گئے تھے، جہاں تم میرے گھر آیا کرتے تھے۔یہ وہ دلی نہیں جہاں میں نے اکاون برس گزارے۔یہ ایک کیمپ ہے۔مسلمان یا تو ہنرمند ہیں یا برٹش کے ملازم۔ باقی سب ہندو ہیں۔شاہی خاندان کے مرد اب برٹش سرکار سے پانچ روپے مہینہ وصول کرتے ہیں۔شاہی محل کی خواتین اگر زیادہ عمر کی ہیں تو دلالہ ہیں، کم عمر کی ہیں تو طوائف"۔(برٹش سرکار نے نئے قوانین کے تحت عام معافی کے علاوہ شاہی خاندان کے افراد کی تاحیات پانچ روپے مہینہ پنشن مقرر کر دی تھی)۔

مغلوں کے خاتمہ کے ساتھ ہی دہلی کے ادب اور کلچر کا خاتمہ ہوا۔لائبریریاں تباہ ہوئیں۔مسودے ضائع ہو گئے۔مدارس بند کر دئے گئے۔سب سے بڑی درسگاہ مدرسہ رحیمیہ رام جی داس نے نیلام میں خریدی اور اسے گودام بنا لیا۔

غالب شکوہ کرتے ہیں کہ کتابوں کے اس شہر میں ایک بھی کتاب فروش نہیں رہا، جلدساز یا خطاط نہیں رہا۔شاعر غائب ہو گئے۔ "ممنون کہاں ہے؟ ذوق کہاں ہے؟ مومن خان کہاں ہے؟ دو باقی بچے ہیں۔ایک آزردہ جو خاموش ہے اور دوسرا غالب جو گم ہے اور حواس میں نہیں۔کوئی شعر کہنے والا نہیں اور کوئی شعر کا قدردان نہیں"۔غالب کا اپنا بہت سا کام ضائع ہوا۔وہ اپنی غزلوں کی کاپیاں اپنے پاس نہیں رکھتے تھے۔ان کے دوستوں کی نجی لائبریریاں جہاں یہ موجود تھیں، تباہ ہونے کے ساتھ غالب کا بہت سا کام بھی چلا گیا۔ایک خط میں لکھتے ہیں، "کچھ روز پہلے ایک خوش الحان فقیر تھا جسے میری غزل کہیں سے ملی تھی اور اس نے اسے لکھ لیا تھا۔جب اس نے مجھے دکھائی تو میری آنکھ میں آنسو آ گئے"۔

ایک اور 1861 کے خط میں، "شہر صحرا بن گیا ہے۔دلی والے اپنی زبان پر فخر کرتے ہیں لیکن یہ کیا بے کار کی باتیں ہیں۔اردو بازار تک تو بچا نہیں، اردو نے کہاں بچنا ہے۔دہلی کو چار چیزیں زندہ رکھتی تھیں۔قلعہ، جامعہ مسجد کا مجمع، جمنا کی سیر اور سالانہ پھولوں کا میلہ۔ان میں سے کچھ نہیں رہا تو دلی کہاں رہ سکتا تھا۔ہاں، ہندوستان میں کبھی اس نام کا بھی ایک شہر ہوا کرتا تھا"۔

ایک اور خط میں، "آنسو پیاس نہیں بجھاتے۔جب مایوسی حد سے بڑھتی ہے تو خود کو بس خدا کی رضا کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔مجھے اب بس موت کی امید ہے جو زندہ رکھے ہوئے ہے۔میری روح جسم میں ویسے ہے جیسے قفس میں بے قرار پرندہ"۔

نہ دہلی کالج رہا اور نہ مدرسے، نہ چھاپہ خانے اور نہ اردو اخبار اور مغل دربار کی سرپرستی کے بغیر دہلی کے آرٹ مرجھا گئے۔ انڈواسلامک تہذیب ختم ہوئی۔غالب نے موت سے کچھ قبل لکھا، "یہ سب بس اس وقت تک تھا، جب تک بادشاہ تھے"۔

مورخ جیمز فرگوسن لکھتے ہیں کہ "جو دہلی میں ہوا، وہ تباہی تھی۔اس کے علاوہ ایسا صرف پیکنگ میں ہوا۔اس کی کوئی وجہ نہ تھی، کوئی جواز نہ تھا۔ایک وقت میں قسطنطنیہ اور کینٹن کے درمیان اس کے پائے کا کوئی شہر نہ تھا۔حمام اور باغ، ہزار ستونوں کے ہال اور شاندار مقبرے، صوفی خانقاہیں اور مساجد"۔اک شہر تھا، جو ختم ہوا۔

ساتھ لگی تصویر لال قلعے کے دیوانِ خاص کی۔اس کو آفیسرز میس بنا لیا گیا تھا۔

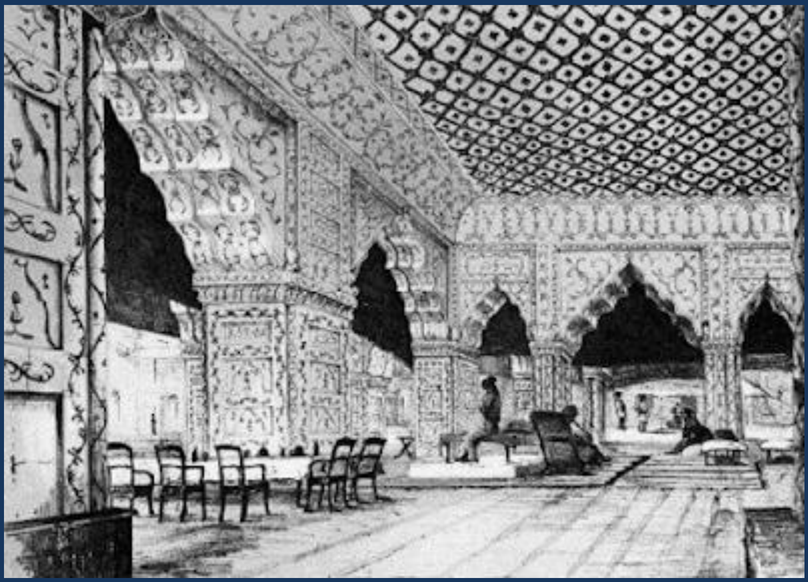

سوالات وجوابات

سوال	**Syed Adnan Hyder Kazmi** وہارا صاحب۔۔۔مغل بادشاہ کے آخری سفر کی خاموشی بالکل اسی طرح ہوگی جیسے اس کے باپ دادا نے مختلف رجواڑوں اور خاص کر دہلی کو تاراج کرکے اس وقت کے راجوں اور دہلی کے تخت نشینوں کے چہروں پہ افسردگی لائی ہوگی۔۔۔ یہ زیست کا سفر ہے۔۔وہئ برٹش ایمپائر بھی اسی طرح وہاں سے رخصت ہوئی۔۔۔اور اب وہاں ہوسکتا ہے مسلمانوں کا نام و نشاں باقی نہ رہے۔۔۔کیونکہ دہلی پہ اب وہ حاکم ہیں۔۔۔جن کو کبھی تہ تیغ کیا گیا تھا۔۔اب وہ چن چن کر اسلاف کے بدلے لینے کے لیے پر تول رہے ہیں۔۔۔۔
جواب	تیمور لنگ، نادر شاہ اور برٹش۔یہ تین موقعے تھے جب دہلی میں سب سے زیادہ تباہی مچی۔یہ پوسٹ ان میں سے تیسری اور سب سے بڑی تباہی کے بارے میں ہے۔

سوال	**Tanveer Ahmed** بہت معلوماتی سلسلہ ۔جب ایسٹ انڈیا کمپنی ختم ہوئ تو اس کے چوبیس ہزار ملازمین برطانوی فوج کا حصہ بن گئے. جو کمپنی کے مقامی ملازمین تھے انکا کیا بنا ؟
جواب	کمپنی کو نیشنلائز کر لیا گیا تھا۔ان کا کاروبار کچھ عرصہ جاری رہا۔چین سے برطانیہ کے درمیان چائے کا کاروبار ان کے پاس تھا۔بعد میں 1873 میں بنائے گئے قانون کے مطابق اس کمپنی کو بالکل تحلیل کر دیا گیا۔
سوال	**نور محمد محسود**۔اگر بہادر شاہ ظفر ظہر کی نماز کے بعد دوبارہ عوام کے پاس آتے تو کیا فائدہ نہ ھوتا ؟
جواب	شاید کچھ وقت کے لئے ٹل جاتی۔اصل مسئلہ زیادہ بڑا تھا۔ اس سلسلے کی آنے والی قسط سے اقتباس " بغاوت جہاں ہمیں مغل نام کی طاقت کا دکھاتی ہے، وہیں پر اس کی ناکامی فرسودہ مغل فیوڈل آرڈر کی ناکامی تھی۔بہادر شاہ ظفر کے دربار میں انتظامی صلاحیت کا شدید فقدان تھا۔گورننس کا فرسودہ نظام تھا۔ٹیکس اکٹھا کرنے کا، امن و امان قائم رکھنے کا طریقہ نہیں تھا۔فوج کو خوراک فراہم کرنے کے لاجسٹکس نہیں تھے۔بہادر شاہ ظفر خود کمزور حکمران تھے۔اپنے پیشرووٗں کی طرح بادشاہت کی لڑی کے ایک اور نااہل حکمران تھے۔مغل فیوڈل آرڈر جدید دنیا میں کام نہیں کرتا تھا۔صرف دہلی ہی نہیں، پورے ہندوستان میں جگہ جگہ پر سیاسی آرڈر ہر طرح سے ناکام رہا تھا۔فاقہ زدگی کا شکار صرف سپاہی نہیں تھے۔ہندوستان کی عظیم اور شاندار سلطنت ہزاروں میل دور سے آنے والے مٹھی بھر سپاہیوں کے ہاتھوں اپنے تابناک ماضی کے ساتھ زمین بوس ہو گئی۔ برٹش افواج نے دہلی کا کشمیری دروازہ جب دھماکے سے اڑایا تھا تو یہ بس اسے لگنے والا ایک آخری دھکا تھا۔"
سوال	**Janbaz Sipahi** سر اس وقت کا اردو اخبار گوگل پہ سرچ کیا لیکن بلر ہے پڑھنے کے قابل نہیں ہے اگر کوئی لنک ہو آپ کے پاس تو عنایت کیجیے
جواب	یہ کتاب ہے جس میں اس اخبار کے شمارے مل جائیں گے http://www.marfat.com/BookDetailPage.aspx?bookId=8ab9988e-0836-45fd-9737-e3b135c95485
سوال	**Muheb Ali** ایسا ہی ھونا تھا جب حکمرانوں نے اپنا اصل یعنی اپنی رعایا کی فکر چھوڑا ، فوج اور دفاع پر توجہ کی بجائے گانے بجانے، سُخنورد وغیرہ لوگوں کو پزیرائی ملی تو انجام تو یہی ھونا تھا ، پچھلی اقساط میں ذکر ہے کہ بہادر شاہ ظفر نے پھلی بار سمندر کا سفر کیا اور سٹیمر دیکھا، سائنسی علوم پر توجہ نہ دی بس سپارے پڑھتے رھے اور مناظرے کرتے رھے، عشق کرتے رھے اور یادگارے بناتے رھے، لیکن شاید پھر بھی اُن کو ملال نہیں تھا ، کہ آخری وقت میں بھی درگاھوں اور خانقاھوں پر بقیۂ زندگی گزارنے کی خواہش تھی
جواب	جس دور کی ہم بات کر رہے ہیں، اس وقت رعایا کو دیکھنا کسی کی ترجیح نہیں ہوتی تھی۔یہ روایت بیسویں صدی کی ہے جسے people's century کہا جا سکتا ہے۔اس سے پہلے دنیا بھر میں (بشمول کامیاب ترین ریاستوں کے) فیوڈل نظام تھا۔ اس نظام کا مطلب کیا تھا؟ اس کو سمجھنے کے لئے ہم نرسری کی ایک نظم کی تشریح سے مدد لے سکتے ہیں۔ https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/permalink/1300750730027533/

29۔ سرکاری قیدی

اپریل 1859 کو بہادر شاہ ظفر کو نئی رہائش گاہ منتقل کر دیا گیا۔ اس میں چار چھوٹے کمرے تھے۔ ایک سابق بادشاہ کے پاس تھا۔ ایک ان کے بیٹے جوان بخت اور بہو کے پاس۔ ایک زینت محل کے پاس اور ایک چھوٹے بیٹے شاہ عباس اور ان کی والدہ کے پاس۔ ساتھ آنے والے چار خادم واپس انڈیا چلے گئے۔ باقی گھر کے برآمدے میں ہوتے۔ گھر کے اوپر کی منزل کو چق ڈال کر ڈھکا گیا تھا۔ بادشاہ اور بیٹے یہاں بیٹھ کر وقت گزارتے۔ سمندری ہوا کے جھونکے آتے اور اچھا منظر تھا۔ راہگیروں کو گزرتے دیکھنا اور جہاز دیکھنا مقید زندگی کی یکسانیت توڑتا تھا۔ دو سے تین سنتری پہرے پر مقرر تھے۔ اس سب کے لئے گیارہ روپے روزانہ دئے جاتے تھے۔ اتوار کو ایک اضافی روپیہ اور پہلی تاریخ کو اضافہ دو روپے۔

ان سے وہ کچھ سامان خرید لیتے جیسے ٹوائلٹ کی چیزیں۔ قلم، دوات اور کاغذ سختی سے منع تھا۔ بہشتی، دھوبی اور صفائی والا ہندوستانی تھے۔ لوگوں سے میل ملاقات کی اجازت نہیں تھی۔ کام کرنے والے اجازت نامے کے ساتھ ہی جاسکتے تھے۔

اومانی کے جانے کے بعد اگلے جیلر ڈیویس تھے۔ وہ بہادر شاہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"ان کی یادداشت اچھی ہے لیکن دانت نہ ہونے کی وجہ سے کئی بار ان کی بات سمجھ نہیں آتی۔ ایسا نہیں لگتا کہ وہ اب زیادہ ذہنی توانائی رکھتے ہیں لیکن چھیاسی برس کی عمر کے لحاظ سے صحت اچھی ہے۔ زیادہ وقت گم سم گزارتے ہیں۔ اور بہت دیر سے کسی چیز میں دلچسپی نہیں لے رہے"۔

زینت محل سے ڈیویس کی بیوی نے ملاقات کی اور ان کا کہنا تھا۔

"اچھی صحت ہے اور بتاتی ہیں کہ ان کا بہت سا خزانہ اور زیورات اور جائیداد گم گئے ہیں۔ ہوڈسن نے ان سے لکھ کر وعدہ کیا تھا کہ وہ محفوظ رہیں گی۔ کہتی ہیں کہ ہوڈسن نے تو انہیں سنبھال کر رکھا لیکن دہلی کے کمشنر نے یہ سب ہڑپ کر لیا اور وہ دستاویز بھی۔ یہ سب بیس لاکھ روپے کی مالیت کا تھا۔ میں نے بتایا کہ ان کے شوہر کو سزا ہوئی ہے اور تمام مال بحقِ سرکار ضبط ہو چکا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں نے انہیں کوئی امید نہیں دلائی کہ انہیں یہ واپس ملے گا"۔

اس کے بعد شاہ زمانی بیگم کے بارے میں (جو بہادر شاہ ظفر کی بہو تھیں)۔

نوجوان اور خوبصورت لڑکی ہے جس کی عمر پندرہ سال کے قریب ہو گی۔ دو بچوں کو جنم دے چکی ہے۔ (شاہ زمانی بیگم کی شادی دس سال کی عمر میں" گیارہ سالہ شہزادے جوان بخت سے ہوئی تھی اور یہ دہلی کی تاریخ کا سب سے شاندار فنکشن سمجھا جاتا تھا)۔ قید کی زندگی کا سب سے برا اثر اس پر ہوا ہے۔ ایک بچہ رنگون آمد کے کچھ دیر بعد ہی ہوا تھا لیکن وہ لڑکا بچ نہ سکا۔ زمانی بیگم کا بہت اصرار تھا کہ سیر کو جانے کی اجازت دی جایا کرے"۔

بہادر شاہ کے بیٹوں مرزا جوان بخت اور شاہ عباس کے بارے میں۔

دونوں بیٹے صحتمند ہیں۔ بڑا لڑکا جوان بخت مغرور طبیعت کا ہے۔ شاید اس لئے کہ وہ ملکہ کا بیٹا تھا جبکہ اس کا چھوٹا سوتیلا بھائی خادمہ کا۔ دونوں بالکل ہی" ان پڑھ ہیں۔ بڑا بیٹا فارسی کو تھوڑا سا لکھنا پڑھنا جانتا ہے لیکن عام چیزوں کے بارے میں بھی کوئی معلومات نہیں۔ انہیں اپنے ملک کے بارے میں یا ان کی سرحدوں کا بھی پتا نہیں ہے۔ لیکن وہ سیکھنے میں دلچسپی دکھاتے ہیں۔

میں اس کو اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ حکومت کے علم میں یہ بات لاؤں کہ دونوں پڑھنا چاہتے ہیں اور خاص طور پر انگریزی زبان سیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انہیں پڑھنے کے لئے انگلستان بھیجا جائے۔ دونوں الگ الگ یہ بات کہہ چکے ہیں۔ دونوں ذہین ہیں اور جلد پروگریس کر سکیں گے۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ اگر حکومت نے مدد کی تو وہ پوری محنت کریں گے۔ میں نے انہیں بتا دیا ہے کہ میں ان کی خواہش حکومت تک پہنچا دوں گا۔ بہادر شاہ ظفر اور زینت محل کی بھی یہی خواہش ہے۔ ان کے والد کی زندگی کے زیادہ دن نہیں بچے۔ ہمیں ابھی سوچ لینا چاہیے کہ ان کے بچوں کے ساتھ آخر کرنا کیا ہے"۔

ڈیوئس کی تجویز کو فوری طور پر کلکتہ میں رد کر دیا گیا اور انہیں جھاڑ پلا کر کہا گیا کہ آئندہ خطوط میں ایسے چھوٹے موٹے معاملات کا ذکر نہ کریں جن کا حکومت سے سروکار نہیں۔ ڈیویس کو اس پر بھی سرزنش کی گئی کہ انہوں نے بہادر شاہ ظفر کے لئے سابق بادشاہ اور زینت محل کے لئے بیگم کا لفظ استعمال کیا تھا اور بتایا گیا کہ انہیں صرف دہلی کا سرکاری قیدی کہا جائے۔

ان دونوں لڑکوں کے پاس کسی بھی قسم کی تعلیم کا واحد راستہ ڈیویس اور مسز ڈیویس تھے اور لڑکے ان کے گھر باقاعدگی سے جاتے۔ ان کے لکھے دوسری خطوط جوان بخت کی بڑھتی بے رخی کا ذکر کرتے ہیں۔ شاہ عباس سنتری کے ساتھ سیر پر چلے جایا کرتے۔ جوان بخت نے کسی کی گارڈ میں جانے سے انکار کر دیا۔

بہادر شاہ ظفر کے پاس نہ قلم تھا اور نہ کاغذ۔ ہم صرف اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جلاوطنی اور تنہائی کی زندگی میں وہ کیا محسوس کرتے تھے۔ اور ان کی مشہور اداس اور تلخ نظمیں جن کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے قید میں لکھیں، غالباً ان کی لکھی نظمیں نہیں۔ نہ ہی وہ ان کی دیوان کا حصہ ہیں اور نہ ہی رنگون میں لکھی کسی شاعری کے ریکارڈ ہونے کا امکان تھا۔

بہادر شاہ ظفر 1862 میں 87 برس کے ہو چکے تھے۔ اگرچہ کمزور تھے لیکن صحت مجموعی طور پر ٹھیک رہی تھی۔ موسمِ برسات کے بعد اکتوبر کے آخر میں ان کی حالت اچانک بگڑ گئی۔ کچھ نگل نہیں سکتے تھے اور کھانا پینا محال ہو گیا تھا۔ انہیں یخنی پلائی جاتی تھی لیکن پھر وہ بھی مشکل ہو گیا۔ 5 نومبر کو سول سرجن نے رپورٹ دی کہ ان کا بچنا مشکل ہے۔

ڈیویس نے ایک تنہا جگہ پر قبر بنانے کی تیاری کر لی۔ رات بھر کی تکلیف کے بعد بروزِ جمعہ 7 نومبر 1862 کو صبح پانچ بجے بہادر شاہ ظفر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

برٹش مشینری فوری حرکت میں آ گئی۔ یہ خاموشی سے ہو جائے۔ کم سے کم لوگ اس کو دیکھ سکیں۔ شام چار بجے مین گارڈ کے پاس قبر میں انہیں دفنا دیا گیا۔ اس کو ڈھک کر اوپر سے مٹی ڈال کر میدان ہموار کر دیا گیا۔ ساڑھے تین سو سال ہندوستان پر حکومت کرنے والے خاندان کے آخری بادشاہ کی زندگی تمام ہوئی۔ اس علاقے کے گرد باڑ لگا کر الگ کر دیا گیا۔ جب تک یہ باڑ ختم ہوئی، گھاس اگ کر قبر کو بے نشان کر چکی تھی۔

اگلے روز ڈیویس نے اپنی سرکاری رپورٹ بھیجی، "اس واقعے کا یہاں کچھ اثر نہیں ہوا۔ نہ ہی پسماندگان پر اور نہ ہی یہاں کی مسلمان آبادی پر۔ شاید دو سو کے قریب لوگ دیکھنے والے تھے لیکن یہ راہگیر تھے جو قریب کے صدر بازار سے شہر کی طرف ریس دیکھنے جا رہے تھے"۔

دو ہفتے بعد بہادر شاہ ظفر کے موت کی خبر دہلی پہنچی جو غالب نے اودھ اخبار میں بیس نومبر کو پڑھی۔ یہی وہ دن تھا جب جامعہ مسجد مسلمانوں کو واپس کر دی گئی تھی۔ غالب، جو بہت سے لوگوں کی اموات دیکھ چکے تھے، کاردِ عمل زیادہ نہ تھا، انہوں نے لکھا، "بروز جمعہ، سات نومبر اور چودہ جمادی الاول کو، ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ اپنے جسم کی قید سے آزاد ہو گئے۔ بے شک ہم سب نے لوٹ کر خدا کی طرف ہی جانا ہے"۔

کسی اخبار، نہ برٹش اور نہ انڈین، نے بہادر شاہ کی موت کی خبر کو زیادہ جگہ دی۔ اس قدر خون بہہ چکا تھا، اس قدر جنازے اٹھائے جا چکے تھے اور ایک طرح سے بہادر شاہ ظفر کا سوگ پہلے ہی منا لیا گیا تھا اور بھلا دیا گیا تھا اور انہیں دہلی سے گئے ہوئے پانچ برس ہو چکے تھے۔

آہستہ آہستہ وقت کے ساتھ ہی اندازہ ہوا کہ یہ کتنا بڑا خلا تھا۔ انقلاب کے وقت بغیر کسی کے کہے ہندو اور مسلمانوں کا مغلوں کی قیادت میں خود بخود اکٹھے ہو جانا ایک حیرت انگیز مثال تھی کہ اگرچہ ان کے پاس عملی، سیاسی، عسکری یا اکنامک طاقت تو ایک سو سال سے نہیں تھی لیکن سب کی ہی توقع کے خلاف پادشاہ کی کشش زندہ تھی۔

اور آج کے جدید مورخین بھی یہ نکتہ نظر انداز کرتے ہیں کہ ہندوؤں کے لئے بھی اس میں اتنی ہی کشش تھی جتنی مسلمانوں کے لئے۔ جدید مورخین کا ایک حصہ، خاص طور پر ہندوستان کا رائٹ ونگ، مسلمانوں کو ہندوستان میں آنے والے بیرونی حملہ آور کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن بغاوت کے وقت کے واقعات ہمیں بتاتے ہیں کہ ہندو بھی اپنی قیادت کے لئے مغل دربار کی طرف ہی دیکھتے تھے۔ اور انہوں نے بھی برٹش کالونیل راج کے خلاف مغلوں کے راج کو واپس لانے کی کوشش کی تھی۔

\-------------

اور دوسری طرف، بغاوت جہاں ہمیں مغل نام کی طاقت کا دکھاتی ہے، وہیں پر اس کی ناکامی فرسودہ مغل فیوڈل آرڈر کی ناکامی تھی۔ بہادر شاہ ظفر کے دربار میں انتظامی صلاحیت کا شدید فقدان تھا۔ گورننس کا فرسودہ نظام تھا۔ ٹیکس اکٹھا کرنے کا، امن وامان قائم رکھنے کا طریقہ نہیں تھا۔ فوج کو خوراک فراہم کرنے کے لاجسٹکس نہیں تھے۔ بہادر شاہ ظفر خود کمزور حکمران تھے۔ اپنے پیشروؤں کی طرح بادشاہت کی لڑی کے ایک اور نااہل حکمران تھے۔ مغل فیوڈل آرڈر جدید دنیا میں کام نہیں کرتا تھا۔ یہ کسی ایک شخص یا خاندان کی نہیں، نظام کی ناکامی تھی۔

صرف دہلی ہی نہیں، ہندوستان میں ہر جگہ پر سیاسی آرڈر ہر طرح سے ناکام رہا تھا۔ فاقہ زدگی کا شکار صرف سپاہی نہیں تھے۔ ہندوستان کی عظیم اور شاندار سلطنت ہزاروں میل دور سے آنے والے مٹھی بھر سپاہیوں کے ہاتھوں اپنے تابناک ماضی کے ساتھ زمین بوس ہو گئی۔ برٹش افواج نے دہلی کا کشمیری دروازہ جب دھماکے سے اڑایا تھا تو یہ بس اسے لگنے والا ایک آخری دھکا تھا۔

ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ ناکام ہو جانے والے نظام اپنے ناکام ہو جانے کے بعد بھی چلتے رہتے ہیں لیکن جب گرتے ہیں تو بہت کچھ بہا لے جاتے ہیں، بہت کچھ دفن کر دیتے ہیں۔ یہی تاریخ کی کہانی ہے۔

ساتھ لگی تصویر مرزا جوان بخت اور مرزا شاہ عباس کی۔ یہ دو شہزادے بہادر شاہ کے ساتھ جلاوطن ہوئے تھے۔

سوالات وجوابات

سوال	**Shoaib Nazir** سر فیوڈل سسٹم پر تھوڑی وضاحت کریں۔۔۔ اس میں بیرونی حملہ آور سے بچنے کا کیا طریقہ ہوتا تھا؟۔
جواب	زمیندار اپنے سے بڑے جاگیردار کو، جاگیر اپنے سے بڑے کو، بڑا اپنے سے بڑے کو اور یوں اس پیراڈ میں سب کے اوپر بادشاہ۔یہ فیوڈل ہائیرارکی ہے۔اگر میں کسی کا باجگزار ہوں تو اپنے بڑے کو خراج دینا میری ذمہ داری ہے تا کہ بڑا مجھ سے میرا عہدہ چھین نہ لے اور اس کے لئے میں اپنے سے نچلے درجے والوں سے اس کو اکٹھا کروں گا۔بڑے کا کام دوسروں کے خلاف میری حفاظت ہے۔اس کے لئے وہ اپنے ہر باجگزار سے مدد لیتا ہے۔ہر کسی کو اپنے اتحاد ٹھیک اور طاقت کی سمت میں رکھنے ہوتے ہیں تا کہ کمزور کے ساتھ اتحاد کر کے مارا نہ جائے۔طاقتور کا کام طاقت کی ہیبت برقرار رکھنا ہے۔ کسی دوسرے پر فوج کشی کا مقصد اس کے باجگزاروں کو اپنا باجگزار بنانا ہے۔یہ کسی بھی سطح پر ہو سکتا ہے۔
سوال	**Shoaib Nazir** بہترین سر۔۔۔ مرا پوائنٹ جنگی حوالے سے ہے۔ جنگ کی صورت میں فیوڈل سسٹم میں کیا طریقہ اختیار کیا جاتا تھا؟۔
جواب	اپنے باجگزاروں سے لڑنے والے اکٹھے کر کے حملہ آور سے مقابلہ کیا جاتا تھا۔اور اس کو سمجھنے کے لئے آج کے نیشنلزم کے تصور کو بھلانا پڑے گا۔"ملک" نام کی جدت سترہویں صدی کی ایجاد ہے۔
سوال	Mohammad Zackaryaa Mohiuddin مرزا جوان بخت کی شادی میں سہرا استاد ذوق نے لکھا تھا اس شادی کا تفصیلی احوال ملتا ہے
جواب	جی ہاں۔اور یہاں پر غالب اور ذوق کی رقابت تھی اور غالب نے اپنی آمد کے ساتھ بھی سہرا پڑھا تھا۔ خوش ہو اَے بخت کہ ہے آج تِرے سر سہرا باندھ شہزادہ جواں بخت کے سر پر سہرا !کیا ہی اِس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے ہے تِرے حُسنِ دل افروز کا زیور سہرا سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرفِ کُلاہ

	مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے تِرا لمبر سہرا ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہوں گے موتی ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا سات دریا کے فراہم کئے ہوں گے موتی تب بنا ہو گا اِس انداز کا گز بھر سِہرا رُخ پہ دُولھا کے جو گرمی سے پسینا ٹپکا ہے رگِ ابرِ گُہر بار سَراسَر سِہرا یہ بھی اِک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے رہ گیا آن کے دامن کے برابر سِہرا جی میں اِترائیں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اِک چیز چاہیے پُھولوں کا بھی ایک مقرّر سہرا جب کہ اپنے میں سماویں نہ خوشی کے مارے گوندھے پُھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سِہرا رُخ روشن کی دَمک ، گوہرِ غلتاں کی چمک کیوں نہ دکھلائے فرُوغِ مہ و اختر سہرا تار ریشم کا نہیں ، ہے یہ رَگِ ابرِ بہار ! لائے گا تابِ گرانبارئ گوہر سِہرا ہم سُخن فہم ہیں ، غالبؔ کے طرفدار نہیں دیکھیں ، اس سہرے سے کہہ دے کوئی بڑھ کر سہرا
سوال	**Ehtisham Said** سندھی صاحب باہر سے آنے والے مغلوں و باقی یہاں بس جانے والے لوگوں کو ہندوستانی ہی سمجھتے ہیں۔کیونکہ رائج الوقت دستور یہی تھا اس بات کو رائٹ ونگ سمجھتا لیکن لیفٹ ونگ کے لوگ یا جدید لبرل (فیک لبرل) مستشرقین کے پراپیگنڈے میں آ کر باہر سے آنے والوں کو غاصب و ظالم ہی سمجھتے ہیں حالانکہ جب تک عدل رہا۔باہمی طور پر سب لوگ اس کے حق میں ہیں۔ فیوڈل راج کے متعلق کیا کہتے ہیں ؟؟ مغل دور میں تو جاگیرداریت نہیں تھی
جواب	پری انڈسٹریل دور میں سلطنت کو منظم کرنے کا سب سے موثر نظام فیوڈل طریقہ تھا۔

سوال	**Ehtisham Said** زمین تو ریاست کی ملکیت تھی۔یہ نبوی دور مین اور اسکے بعد بھی رہی مشہور ترین خلیفہ عمر بن عبد العزیز کا سیٹ اپ تھا جب زمینیں ریاست نے ضبط کیں
جواب	ہندوستان میں ریاست کا تصور نہیں تھا۔زمین ریاست کی ملکیت نہیں تھی۔زمین کے ریکارڈز کا نظام بھی برٹش دور میں آیا۔یہ ڈی فیکٹو نظام تھا۔جھگڑے کی صورت میں علاقے کے فیوڈل آقا کا فیصلہ ہوتا تھا۔
سوال	**Hayat Ullah Nangial** سر بس بہت دکھ ہوتا ہے۔آج جو بھی ہو رہا ہے انڈیا میں اگر ہمارے مسلمان بادشاہاں غلطی نہ کرتے تو آج یہ نوبت نہ آتی
جواب	بادشاہی نظام ایک ایک کر تقریباً تمام دنیا سے ختم ہو گیا۔اس نے ختم ہونا ہی تھا۔ایک وقت میں دنیا کے بڑے علاقوں میں حکومتوں کا یہی طریقہ ہوا کرتا تھا لیکن کہیں رفتہ رفتہ یہ فیڈ ہو گیا اور کہیں یکایک منہدم ہوا۔یورپ میں اس کے جھٹپٹے کے وقت کی ایک تصویر https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/permalink/1385817741520831/
سوال	**Junaid Ahmed** سر۔مضون میں ہے کہ گراونڈ برابر کردیا گیا تاکہ قبر کی نشاندہی نہ ہوسکے تو پھر بعد میں بہادر شاہ ظفر کی قبر کس طرح دریافت ہوئ ؟
جواب	اس جگہ پر اندازے کے ساتھ 1907 میں کتبہ لگا دیا گیا۔1991 میں وہاں سے کچھ دور کھدائی کرتے وقت ان کی باقیات دریافت ہوئیں
سوال	**Shahid Hussain** Sir, yah tamaam angraiz east India company k mulazim thy kiya mulazemeen itni iman dari sy kici company ko chala sakty hain jbky voh aik joint venture ho aur usky hidayt deny (director) bhi hazaroon meel door hoon. Indians main corruption or ghadarin buht hain in chezon ka asr in goroon PR kion nahi hoa. 1947 main aazadi hasil krny ka idea 1857sy liya gaya kah yah loog nakabi e shikast nahi
جواب	دنیا میں کمپنیاں تو بہت سے چل رہی ہیں۔سام سنگ ہو، ایپل، نیسلے، یونی لیور، شیل یا کوئی بھی اور۔کارپوریشنز چلنے اور چلانے کا طریقہ ہوتا ہے۔اور اسے کمپنی کے ملازمین ہی چلاتے ہیں۔
سوال	**Jahan Khan** .....میری رائے میں اگر ریفرنس کے طور پر چند کتابوں کا ذکر ہو تو مزید بہتر لگے گی تحریر

	Khalid Mehmood Azaad ریفرینس کے طور پر عموماً سر سے کچھ لوگ سوال کرتے ہیں تو سر کمنٹس میں متعلقہ بک کا نام بتا دیتے ہیں اور بعض مواقع پر لنکس بھی پیش کر دیے جاتے ہیں باقی سر بہتر سمجھتے ہیں
جواب	اس کی تیسری قسط کے آخری سیکشن میں ذکر ہے کہ یہ انفارمیشن کہاں کہاں سے، کس نے اور کیسے لی ہے۔
سوال	سر کیا اپ کے خیال میں جموریت (مغرب میں) ایک آڈیل نظام ہے ؟ کیا بادشاہیت میں شورہ کا جو نظام تھا وہ موجودہ سینٹ کی طرح کام نیں کرتا تھا۔یعنی ہر فیصلہ صلح مشورے سے نیں ہوتا تھا
جواب	جمہوریت آئیڈیل نظام نہیں۔لیکن عملی طور پر بادشاہت یا کسی بھی دوسری طرح کی آمریت سے بہتر ثابت ہوا ہے۔ اہمیت صلاح مشورے کی نہیں، عوام کی حکومت اور اپنی قسمت میں شرکت کی ہے۔مثال کے طور پر بادشاہت میں عوام کا پیسہ، عوامی حقوق جیسے تصورات نہیں ہوتے۔
سوال	**Sajjad Hussain** Sir lekin mai ny sana hai ki angreezo nai bahadar shah ki 2 beto ko zabha kis tha kiya ye teek hai?
جواب	نہیں، کسی شہزادے کو ذبح نہیں کیا گیا۔گولیاں ماری گئیں تھیں۔ان کا ذکر پچھلی اقساط میں ہے۔
سوال	**Sajid Hussain** Sir i have read some where that the king was given to an army officer who kept him in his garage where he died. The army officer buried him in his back yard. Now i am confused about these 2 stories. Please reply
جواب	مجھے معلوم نہیں کہ ایسی کہانیاں کون اور کیوں بناتا ہے۔

30۔ انقلاب کے بعد

جب دہلی گرا تو نہ صرف شہر اور مغلیہ دربار ختم ہوا بلکہ مغلوں کے ساتھ منسلک سیاسی اور کلچرل خود اعتمادی اور اتھارٹی بھی۔ یہ شکست جس قدر فاش تھی اور جس قدر بڑی تباہی اور جس قدر ذلت، اس نے نہ صرف پرانی اشرافیہ کے نظام کو زمین بوس کیا بلکہ ہندو مسلم تعلقات کا بھی تیاپانچہ کر دیا۔ انڈو اسلامک تہذیب کا بھی۔ رواداری کی روایات کا بھی۔ غالب کی غزلوں کا بھی۔

برٹش کے لئے 1857 کے بعد مسلمان کمتر انسان ہو گئے۔ اور اس بارے میں اس دور میں ویسا متعصب رویہ نظر آتا ہے جیسے برٹش کا اس وقت میں آئرش کیتھولک یا یہودیوں کے بارے میں تھا۔ اور دوسری طرف ہندوستانی آبادی کے کچھ حصے میں بھی خود پر اعتمادی کی کمی اور اپنے کلچر اور روایات کو مکمل طور پر مسترد کر دینے والا رویہ سرایت کر گیا۔

مغل فوج برٹش جنرلوں کے آگے ناکارہ ثابت ہوئی تھی۔ مرزا مغل کی انتظامی امور کی کوششوں کا کمپنی کی بیوروکریسی سے کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ یہ ہر لحاظ سے فاش شکست تھی۔ لیکن یہ شکست کلچر کی شکست بھی بن گئی۔ مغل منیچر پینٹنگ کا آرٹ گم ہو گیا۔ دہلی کی روایتی شائستگی کا کلچر بھی نہ رہا۔ مشاعروں میں دانشوروں کے لئے کشش ختم ہو گئی۔ محمد حسین آزاد لکھتے ہیں، "جیتنے والی کی ہر چیز اپنالی جاتی ہے اور فخر سے اپنائی جاتی ہے۔ شکست بہت کچھ ساتھ لے ڈوبتی ہے"۔

ظاہر ہے کہ ہر تبدیلی منفی نہیں تھی۔ مغل دور کے آٹوکریٹک سیاسی سٹرکچر ختم ہو گئے۔ اس کے صرف نوے سال بعد برٹش نے ہندوستان چھوڑ دیا۔ اس وقت تک نیشلزم جاگ چکا تھا۔ ملک کی مہار اور فیصلے صرف اشرافیہ کے چند لوگوں کے ہاتھوں میں نہیں رہے تھے۔ نہ مغلوں کے جانشینوں کے پاس، نہ فیوڈل حکمرانوں کے اور شہزادوں کے پاس۔ برطانیہ سے آزادی کی تحریک اشرافیہ کی تحریک نہیں تھی۔ عوام کی تحریک تھی۔ اور اس کے اہم کردار وہ تھے جو انگلش اداروں میں پڑھے تھے، کالونیل سروس میں رہے تھے۔ مغربی جمہوری نظام کو اور طریقوں کو جانتے تھے۔ ان کا طریقہ بندوقیں، تلوار، ڈنڈے اور گنڈاسے لے کر مرنے مارنے کا نہیں تھا۔ سیاسی پارٹیاں، ہڑتال، احتجاجی مارچ، عوامی کنویسنگ اور ووٹ کا تھا اور یہ کامیاب رہے۔

آج کے آگرہ کے چوک میں جھانسی کی رانی، شیواجی اور سبھاس چندرا بوس کے مجسمے تو ہیں، مغلوں کے بارے میں کچھ نہیں۔ آج کے انڈیا اور پاکستان میں مغلوں کا (صحیح یا غلط) تاثر وہی ہے جو 1857 کے بعد ترتیب دئے گئے تعلیمی نصاب کا حصہ بنا۔ جس میں مغلوں کو مندر گرانے والے، عیش و عشرت کے دلدادہ اور عیاش حملہ آوروں کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ اکبر، داراشکوہ اور بعد تک آنے والوں کے بارے میں اور ان کی شاندار اور

کثیر القومی تہذیب کے بارے میں جدید انڈیا اور پاکستان میں واقفیت نہیں۔ ماسوائے کوئی مغلیہ پکوان کھا لینے یا ان کے بارے میں بالی وڈ کی کوئی فلم دیکھنے سے زیادہ بالکل نہیں۔

بہادر شاہ ظفر کے بارے میں عام طور پر ایک ہمدردی کا تاثر پایا جاتا ہے۔ لیکن گمشدہ سلطنت کا رومانس مغل کلچر بچانے کے لئے کافی نہیں تھا۔ انقلاب کے بارے میں ان کا متذبذب رویہ، پہلے اقرار، پھر نیم رضامندی اور آخر میں انکار اور کمزور لیڈرشپ۔ انہوں نے اپنے حمایتیوں کے لئے کچھ چھوڑا ہی نہیں۔ حتیٰ کہ کوئی باربط سیاسی آئیڈیا بھی نہیں۔ کہ آخر وہ لڑ کس لئے رہے تھے؟ ان کی موت کے سات سال بعد مرزا غالب کی وفات ہو گئی۔ اس وقت تک ایک پوری تہذیب کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ وہ تہذیب پھر کبھی واپس نہیں آئی۔

جس سال غالب کی وفات ہوئی، اسی سال گجرات میں 1869 میں ایک لڑکے کی پیدائش ہوئی جس کا نام موہنداس کرمچند گاندھی رکھا گیا۔ اور اس کے سات سال بعد کراچی میں محمد علی جناح کی۔ ہندوستان کے مستقبل کی سیاست نہ ہی بہادر شاہ ظفر کی تھی اور نہ ہی لارڈ کیننگ والی، نئی سیاست اس نئی آنے والی نسل کی تھی۔

بہادر شاہ ظفر کے بعد شاہی خاندان بکھر گیا جیسا ڈیویس نے اپنی اگلی رپورٹ میں لکھا۔ زینت محل اور ان کی بہو کا شدید جھگڑا تھا۔ ایک ہی گھر میں تین گروپ تھے۔ ایک زینت محل، دوسرا جوان بخت اور بیوی، تیسرا شاہ عباس اور ان کی والدہ۔ تینوں اپنا کھانا الگ پکاتے اور الگ کھاتے۔ ان کی آپس میں بات چیت نہیں تھی۔

وقت کے ساتھ یہ حالات بدتر ہوتے گئے۔ 1867 میں ان کی قید ختم ہو گئی اور انہیں گھر چھوڑنے کی اجازت مل گئی۔ شاہ زمانی بیگم جو دس سال کی عمر میں دہلی کی گلیوں سے بے مثال شان و شوکت کے ساتھ بادشاہ کی بہو بننے آئی تھیں، شدید ڈیپریشن کا شکار ہو چکی تھیں اور بینائی جانے لگی تھی۔ 1872 میں مکمل نابینا ہو گئیں۔

مرزا شاہ عباس نے رنگون میں ایک مسلمان تاجر کی بیٹی سے شادی کر لی۔ ان کی نسل اب بھی رنگون میں ہے۔ زینت محل دو خادماؤں کے ساتھ رہنے لگیں۔ انہوں نے واپس ہندوستان جانے کی اجازت طلب کی لیکن وہ مسترد ہو گئی۔ وہ افیم کے نشے کا شکار ہو گئیں۔ ان کی وفات 1882 میں ہوئی۔ اس وقت تک بہادر شاہ ظفر کی قبر کی جگہ بھلائی جا چکی تھی اور انہیں اس کے قریب ہی کسی جگہ دفن کر دیا گیا۔ دو سال بعد سٹروک سے مرزا جوان بخت کی وفات صرف بیالیس سال کی عمر میں ہو گئی۔

سوالات وجوابات

سوال	**Khan Inaam Khan** بہت ہی اعلی جامع تحریر۔ مجھے مغلوں کی زوال کیساتھ ساتھ جو دیگر وجوہات تھی۔ شاید ان میں سے سب سے اہم وجہ وہ جدید دور کے تقاضوں سے خود کو ہم اینگ نہ کر سکے۔ بعد میں سر سید جیسے حضرات کی کوششوں سے حالات بدلے۔
جواب	جی ہاں، مسلمانوں کو انتہائی پستی سے واپس لانے والوں میں سید احمد خان کا بھی بڑا کردار تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ اکیلے تو نہیں بلکہ پوری تحریک تھی اور یہی تحریک تھی جس نے ہندوستان کے مسلمانوں میں دوسروں کے علاوہ اقبال اور جناح جیسے لوگ پیدا کئے۔

31۔ آخری عظیم مغل

رنگون کے مسلمانوں نے 1905 میں برٹش سرکار سے درخواست کی کہ بہادر شاہ ظفر کی قبر پر نشانی لگانے کی اجازت دی جائے۔ درخواست میں لکھا گیا کہ "بطور انسان اور بادشاہ، وہ ہماری تعریف کے مستحق بے شک نہ ہوں، لیکن اس کے مستحق ضرور ہیں کہ انہیں یاد رکھا جائے"۔اس کی اجازت اگست 1907 میں ملی کہ ان کی قبر پر ایک کتبہ لگا دیا جائے۔اسی سال زینت محل کی قبر پر کتبہ بھی لگا دیا گیا۔1925 تک یہ باقاعدہ عمارت بن گئی جس پر چھت ڈال دی گئی۔

سولہ فروری 1991 کو مزدوروں کو کھدائی کرتے ہوئے اینٹوں سے ڈھکی قبر ملی جو زمین سے تین فٹ نیچے تھی اور جہاں مزار بنایا گیا تھا، وہاں سے پچیس فٹ دور تھا۔ یہاں پر آخری مغل بادشاہ کا ڈھانچہ مل گیا۔

آج بہادر شاہ کی قبر پرانے مزار کے قریب ہے اور یہاں لوگ فاتحہ پڑھنے جاتے ہیں۔انڈیا، پاکستان اور بنگلہ دیش سے آنے والے پھول چڑھاتے ہیں۔انڈیا سے بھی راجیو گاندھی نے یہاں قالین چڑھایا تھا۔من موہن سنگھ خاص طور پر یہاں پہنچے تھے۔نریندر مودی نے میانمار جا کر قبر پر حاضری دی تھی اور اس کو غسل دیا تھا۔

جیتنے والوں نے جب تاریخ لکھی تو بہادر شاہ ظفر اس میں مذاق بنا دئے گئے۔ تاریخ کی جدید کتابوں میں بہادر شاہ ظفر کے کوئی مداح نہیں۔ایک طرح سے یہ ٹھیک بھی ہے۔ان کی زندگی ناکامی کی زندگی تھی۔انہوں نے ایک سلطنت گرتے دیکھی۔ان کا طرزِ عمل ہیرو والا نہیں تھا۔نیشنلسٹ مورخین انہیں لیڈرشپ میں ناکامی کا موردِ الزام ٹھہراتے ہیں۔لیکن بڑا مشکل تھا کہ وہ کچھ بھی اور کر سکتے۔یا کم از کم بیاسی سالہ شخص کے طور پر کر سکتے۔جسمانی لحاظ سے کمزور تھے، بڑھاپے کے باعث ذہنی مضبوطی بھی نہ تھی۔اپنے فوجیوں کو دینے کو پیسے نہیں تھے۔اس عمر کے لوگ میدانِ جنگ میں قیادت نہیں کیا کرتے۔وہ انقلابیوں کی لوٹ مار روکنے میں اور دہلی والوں کو بچانے میں ناکام رہے۔اگرچہ تاریخی کاغذات دکھاتے ہیں کہ انہوں نے ایسا کرنے کی اپنی پوری کوشش کی تھی۔

وہ نہ ہیرو تھے اور نہ انقلابی لیڈر۔لیکن وہ ایک شاندار روادار اسلامی تہذیب کی ایک پرکشش علامت تھے۔اچھے شاعر اور خطاط، جنوبی ایشیا کی تاریخ کے اہم انٹلکچوئل ان کے دربار کا حصہ تھے۔دہلی کی علمی روایات کے سرپرست، کمیونل ہم آہنگی اور رواداری کی

علامت اور ہر ایک میں پسند کئے جانے والے صوفی بادشاہ۔وہ اپنے کسی بھی حریف کی طرح غیر حساس اور متکبر نہیں تھے۔کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ عیش میں یادِ خدا یا طیش میں خوفِ خدا بھولنے والے شخص تھے۔اور وہ اپنے ہم آہنگی برقرار رکھنے والے کردار کو بڑی سنجیدگی سے لیتے تھے۔انقلاب کے دوران بھی وہ ایسا کرتے رہے۔

مغلوں کے چلے جانے کے بعد مسلمانوں کی عزت، اعتماد اور علم ڈوب گئے۔دولت، تعلیم اور طاقت ہندوؤں کے پاس جانے لگی۔ہندو اور مسلمانوں میں فاصلہ زیادہ ہونے لگا۔تلخیاں در آئیں۔دہلی سے پڑنے والے شگاف وسیع ہوتے گئے۔وہ وقت آ گیا کہ یہ تصور کرنا محال ہو گیا کہ یہ بھی ممکن ہو سکتا تھا کہ ہندو سپاہی لال قلعے میں ایک مسلمان بادشاہ کے گرد اکٹھا ہوں گے اور مسلمانوں کے ساتھ ملکر مغل سلطنت کے احیاء کی کوشش کریں گے۔

مسلمان خود الگ سمتوں میں بٹ گئے۔ایک طرف یہ کہ ہمیں اگر واپس آنا ہے تو وہ سیکھنا ہو گا جو ہمارے پاس نہیں۔ہمیں مغرب سے تعلیم لینا ہو گی۔جہاں پیچھے رہ گئے تھے، وہ راستہ طے کرنا ہو گا۔یہ واپسی کا طریقہ ہے۔علی گڑھ یونیورسٹی کو ہندوستان میں آکسفورڈ بنانے کی کوشش اسی فکر کے تحت ہوئی تھی۔اس فکر سے اٹھنے والی اگلی پود میں انگلستان سے پڑھنے والے محمد علی جناح اور محمد اقبال جیسے لوگ تھے۔

ایک دوسری مخالف ردِ عمل کی سمت مغرب کو مکمل طور پر رد کر دینے اور ماضی کی طرف جانے کی تھی۔شاہ ولی اللہ کے مایوس ہو جانے والے شاگرد جیسا کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے جنہوں نے مختصر مدت کے لئے شملی کے قریب آزاد اسلامی ریاست قائم کی تھی۔انہوں نے مغل دارالحکومت سے سو میل شمال پر دیوبند کے مقام پر ایک مدرسہ بنایا۔یہاں پر مغلیہ، ہندو اور یورپی، اس کے نصاب اور فلسفے میں ہر چیز کو مسترد کر دیا گیا۔یہ طریقہ ہندوستان میں یا انگریز کے خلاف تو کبھی کچھ بھی خاص اثر نہیں کر سکا لیکن اپنے بننے کے 130 سال بعد اسی پس منظر میں تخلیق کئے گئے نصاب کو پڑھ کر نکلنے والوں نے افغانستان میں کچھ عرصے کے لئے حکومت قائم کی۔

آج جب دنیا ایک بار پھر ایک مشکل تقسیم سے دوچار ہے جس کو کئی لوگ مذہبی جنگ کے طور پر دیکھتے ہیں۔جہادی اور امپیریل پاورز کی جنگ ایک دوسرے کو مجسم برائی کے طور پر دیکھنے کی جنگ ہے۔

اور اس تاریک دوئی کے وقت میں، بہادر شاہ ظفر کو دیکھا جا سکتا ہے اور ان کی مثال لی جا سکتی ہے۔زندگی کی طرف پرامن اور برداشت کے رویے کی مثال۔اور اس پر افسوس کیا جا سکتا ہے کہ برطانیوں نے جب 1857 میں مغل بادشاہت ختم کی تھی تو یہ محض سیاسی خاندان کا خاتمہ نہیں تھا۔ایک شہر کا خاتمہ نہیں تھا۔مغلوں کا رواداری کا اور صلحِ کُل کا فلسفہ بھی اس کے ساتھ ہی جڑ سے اکھڑ گیا تھا۔وہ جو صدیوں سے ہندوستان کے انڈواسلامک کلچر کی بنیاد تھا۔اس کی واپسی پھر کبھی نہیں ہوئی۔

ناکام حکمران، صوفی بادشاہ یا آخری عظیم مغل؟ بہادر شاہ ظفر ہماری تعریف کے مستحق بے شک نہ ہوں، لیکن اس کے مستحق ضرور ہیں کہ انہیں یاد رکھا جائے۔

سوالات وجوابات

سوال	**Ehtisham Said** ولی الہی تحریک کچھ بھی خاص نہ کر سکی ؟ یعنی جنگ آزادی بالاکوٹ کا واقعہ پھر حکومت پھر خلافت کا بچاؤ پھر رولٹ ایکٹ جنکے لیے آیا ،جنہیں سزائیں ملیں اور کوآپریٹو اور نان کو آپریٹو طبقے میں بٹے آپ کو عبیداللہ سندھی رح کی لکھی گئی تاریخ بھی پڑھنے کی ضرورت ہے۔کیونکہ آپ انگریزی سامراج کی بہت بڑی دیوار کو دو لفظوں میں بیان کر رہے مغلیہ سلطنت کے زوال کا ادراک شاہ ولی اللہ نے کیا ، پھر 1731 میں مغلیہ

	سلطنت کے مسائلِ کا حل بھی بتایا اور جدت سے ہم آہنگ فلسفہ بھی پیش کیا پھر انکے بیٹے نے مدرسے سے جدوجہد کا آغاز کیا۔ولی الہی تحریک کا بنیادی مقصد مغلیہ سلطنت کو فکس کرنا تھا جسکے لیے پانی پت کی لڑائی بھی ہوئی۔لیکن مغلیہ سلطنت بحال نہ ہو سکی۔ پھر جنگ آزادی لڑنی پڑی اور انقلاب کی جدوجہد بھی۔جب جنگ آزادی کی ضرورت پڑی وہ بھی لڑی لیکن بیسویں صدی میں اس چیز کا احساس ہوا جسے سرواجی منشور میں عبیداللہ سندھی نے لکھا ہے کہ یہ قومی جمہوریتوں کا دور ہے۔ جہاں روسی انقلاب کو دیکھا وہیں اتاترک کے انقلاب کو بھیٔ حرم میں جا کر ترتیب دیا کیونکہ انگریزی سامراج نے سندھی صاحب کو ملک بدر کیا تھا۔ریشمی رومال تحریک کے بعد۔ اب خلافت کی تحریک ڈوب چکی تھی تو ولی الہی تحریک دو طبقات میں بٹ ایک نے انگریزی حکومت کا ساتھ دیا تو دوسروں نے مخالفت سے انکی جڑیں کمزور کیں۔ بحوالہ : سرواجی منشور ، عبیداللہ سندھی رح افادات و ملفوظات شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک
جواب	جی ہاں، جنگ سے آزادی کے طریقے ناکام رہے۔
سوال	**Muhammad Nadeem Khan** سر سارا سلسلہ پڑھ لیا سلامت رہیے۔ تحریر کا انداز بیاں لاجواب ہے۔ قاسم نانوتوی رح کے مدرسے کا قیام جدید علوم کے ترک کا بلکل نہیں تھا مگر اس نفسا نفسی کے عالم میں اس ورثے کی حفاظت کی خاطر اس کا قیام روبہ عمل لایا گیا۔اور یہی بات سچ ہے۔جب اپکے شاگرد رشید شیخ الہند محمود الحسن مالٹا کی اسیری کے بعد تشریف لائے تو پہلی فرصت میں جامعہ ملیہ دہلی کی بنیاد رکھی۔اور جو خطبہ دیا اس سے اپ اندازہ لگا سکتے ہیں
جواب	آپ کی بات درست ہے۔ابتدا میں اس کا مقصد جدید علوم کا ترک بالکل نہیں تھا۔
سوال	**Shoaib Nazir** ہندوؤں اور مسلمانوں میں فاصلہ کیوں بڑھ گیا تھا؟۔
جواب	کمیونل ہم آہنگی کی کسی وجہ کا نہ ہونا۔اور 1857 کے چند برسوں میں برٹش کا متعصبانہ رویہ۔ری ایکشنری تنظیمیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔
سوال	**Shoaib Nazir** برٹش کا متعصبانہ رویہ؟؟ اس کی وضاحت کر دیں سر۔
جواب	اگر بہادر شاہ پر کیس کا دیکھیں جس میں اس انقلاب کو مسلمانوں کی عالمی سازش کہا گیا تو یہ سوچ برٹش انتہاپسند قوم

	پرستوں میں تھی۔یہ ویسا ہی بے بنیاد تھا جیسے آجکل کی عظیم یہودی سازشیں لیکن اس پر یقین کرنے والے مل جاتے ہیں۔ابتدائی برسوں میں اس بنا پر پالیسی رکھی گئی۔جیسا کہ دہلی میں ہندووں کو آنے کی اجازت 1858 میں ملی لیکن مسلمانوں کو واپسی 1860 میں۔اس کا مطلب یہ نکلا کہ وہ پوزیشنیں جو مسلمانوں کے پاس تھیں، وہ ہندوؤں کے پاس چلی گئیں۔
سوال	**Shoaib Nazir** شکریہ سر۔۔۔ باٹم لائن۔۔۔ ہندوستان کی تاریخ خاص کر ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد سے لے کر بعد کے واقعات حتی کے بٹوارے تک کے لیے کوئی مستند کتب تجویز کر لیں۔
جواب	Freedom at Midnight: Larry Collins اس میں گاندھی، جناح، ماونٹ بیٹن، چرچل، نہرو کے خیالات کی ڈویلپمنٹ اور آزادی ہند کی تاریخ کو بہترین طریقے سے بتایا گیا ہے۔
سوال	**Shoaib Nazir** اگر مغلوں کا خاتمہ انگریز کے ہاتھوں نا ہوتا۔۔۔ ہم فرض کر لیں کوئی اور طاقت تھوڑے یا زیادہ وقت کے بعد ایسا کر دیتی تو کیا پھر بھی ہندوؤں و مسلمانوں میں گیپ بڑھتا؟۔ اس کی مین وجہ کیا ہے؟۔
جواب	اس کا انحصار ہے کہ کونسی طاقت کیا رویہ رکھتی۔اس وقت میں برِصغیر میں مذہبی شناخت مضبوط تھی۔
سوال	**Shoaib Nazir** کیا یہی جنگ آزادی بٹوارے کا پیش خیمہ ثابت ہوا؟۔
جواب	جی۔اس وقت کے واقعات کا بھی کردار ہے۔
سوال	**Shoaib Nazir** کیا یہ مفروضہ درست ہے کہ ہندوؤں و مسلمانوں کے درمیان جھگڑا انگریز کی سازش تھی؟۔
جواب	نہیں، سازش نہیں تھی۔ہم اس کو پالیسی کا ایک نتیجہ کہہ سکتے ہیں۔
سوال	**Shoaib Nazir** پالیسی کا نتیجہ ؟۔

	مطلب یہ ان کے مقاصد کا حصہ تھا؟۔
جواب	برٹش کا مقصد حکومت کرنا تھا۔دنیا میں ہر حکمران کا ہمیشہ سے یہی مقصد رہا ہے اور یہی مقصد ہوتا ہے۔
سوال	**Shoaib Nazir** انگریز نے ہندوستان کیوں چھوڑا؟۔ بڑی وجہ چھوڑنے کی؟۔
جواب	دوسری جنگِ عظیم
سوال	**Shoaib Nazir** دوسری عظیم جنگ نہ ہوتی۔۔۔ تو واپسی مستقبل کا نقشہ کیسا رہتا؟۔
جواب	دنیا میں کالونیل نظام کچھ زیادہ عرصہ چل جاتا۔
سوال	**Shoaib Nazir** سر۔نشنلزم کی آوازیں اس وقت ہندوستان میں ہی اٹھ رہی تھیں یا یہ باقی دنیا کی لہر کا ایک حصہ تھا؟۔
جواب	صرف انڈیا میں نہیں۔مثلاً، عثمانیہ خلافت کا انہدام اس وجہ سے نہیں ہوا کہ باہر سے کوئی آیا۔رفتہ رفتہ سیاسی قوتوں نے طاقت لینا شروع کر دی۔ینگ عثمانیوں اور ینگ ترکوں نے سیاسی طاقت سلطان سے لینا شروع کر دی تھی۔ اسی طرح یورپ میں ایک ایک کر کے نیشلسٹ قوتوں نے فیوڈل نظام الٹا دئے۔روس سے بادشاہت کا خاتمہ بالشویک انقلاب نے کر دیا۔چین سے بادشاہت کا بوریا بستر بھی انقلاب نے لپیٹ دیا۔یہ لہر دنیا بھر میں آئی اور ایک یا دوسرے طریقے سے فیوڈل نظام گراتی گئی۔
سوال	**Shoaib Nazir** سر۔سلطنت عثمانیہ کے انہدام کا تو بظاہر ایسا لگتا ہے کہ جنگ عظیم اول کی وجہ سے ایسا ہوا۔
جواب	جی، پہلی جنگِ عظیم کے بعد سلطنت ختم ہو گئی لیکن سلطان کی طاقت اس سے بہت پہلے سے ہی کم ہو رہی تھی۔ انتخابات کا نظام آ چکا تھا۔بااختیار وزیرِاعظم آ چکے تھے۔
سوال	**Sohail Qureshi** میرے خیال میں ولی اللہی تحریک کے متعلق آپ کا مطالعہ علی گڑھ کے گریجویٹ مورخوں یا انگریزی کتب کا ہے۔ولی اللہی تحریک اور مدرسہ دیوبند جدیدیت کا ہر گز مخالف نہیں تھا، بلکہ انگریزی غلامی کا مخالف تھا۔شاہ ولی اللہ کے بیٹے شاہ عبدالعزیز نے باقائدہ ولائتی زبان سیکھنے کا فتوی جاری کیا۔دیوبند کے صدر مدرس مولانا محمود الحسن نے علی گڑھ سے باقائدہ معاہدہ کیا کہ اس کے گریجویٹ دیوبند آئیں گے اور یہاں کے گریجویٹ علی گڑھ جائیں گے۔ یہ تحریک ہر گز قدامت پرست نہیں تھی، بلکہ حکومت مخالف ہونے کی وجہ سے اسے بدنام کیا گیا، اور علی گڑھ کو

پروموٹ کیا گیا۔ مدرستہ عالیہ کلکتہ، جو فرقہ واریت کا گڑھ اور قدامت پرستی کا اصل ماخذ ہے، وہ خود انگریز نے اپنی سرپرستی میں قائم کروایا۔	
یہ درست ہے کہ ابتدا میں علی گڑھ اور دیوبند کے اداروں کا اشتراک تھا۔شاہ عبدالعزیز کے بارے میں بھی بالکل درست ہے اور اس سلسلے میں اس کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ دیوبند کی تحریک نے جلد ہی قدامت پرستی کا راستہ لے لیا۔اپنے سیاسی مقاصد میں ناکام رہی۔نہ ہی خاص پذیرائی حاصل کر سکی اور نہ ہی کوئی فکری قیادت پیدا کر سکی۔یہ تاریخ کا فٹ نوٹ رہی۔برِصغیر پاک و ہند میں تو یہ بڑی حد تک غیر متعلقہ رہی ہے۔افغانستان کا ایک مختصر وقت اس میں استثنا ہے۔ اس تحریک کا انگریزی زبان یا سائنس سمیت دوسرے جدید علوم سے عمومی رویہ کیا رہا ہے؟ اس کے لئے ہمیں ماضی میں جانے کی ضرورت بھی نہیں۔ انگریزی یا اردو کی کتاب پڑھ لیں یا خود مشاہدہ کر لیں۔یہ تو بالکل واضح ہے۔	جواب
Muhammad Farooq Jb badsha itni omr aur cmzor ho jae to ki zuri ha kursi se chmta rh apne kis bete ko kursi de deta. Is kusri ki waja se Hindustan hat se gayi aur ise ki waja se Est pakistan bh gayi	سوال
بادشاہی نظام میں ریٹائرمنٹ نہیں ہوتی بھائی۔ (اور بہادر شاہ کے پاس یہ اختیار بھی نہیں تھا۔اس بارے میں سیریز کی ایک قسط "آخری ولی عہد" کے عنوان سے پڑھ لیں)۔	جواب
Farman Hussain سر کومن ویلتھ ممالک کیاہیں؟ یے کیسانظام ہے؟	سوال
چون ممالک پر مشتمل عالمی سیاسی آرگنائزیشن ہے جو برٹش کالونی ہوا کرتے تھے	جواب
Muheb Ali جھاں بادشاہت ہے/تھی، تو عموماً جب بادشاہ بوڑھا ھوتا تھا، جیسا اب سعودی عرب میں ھے، تو بادشاہ اپنا کوئی نوجوان بئٹا وغیرہ اپنا جانشین مقرر کرتا، جس کے پاس بادشاہ کے اختیارات ھوتے تھے/ھئں، لیکن بہادر شاہ ظفر نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ کیا ھندو مغل بادشاہت گرنے سے پہلے ہی مغربی تعلیم حاصل کر چکے تھے، یا وہ اتنی جلدی کیسے انگریز کے منظورِ نظر بن گئے۔	سوال
فیوڈل سسٹم ایسے کام نہیں کرتے۔بادشاہ، نواب، سلطان، راجہ، خلیفہ سردار، خان، نظام، مہاراجہ، امیر، ملک، جاگیردار،	جواب

	زار یہ تادمِ مرگ رہنے والے عہدے ہوتے ہیں۔اور حکمران کی موت کے بعد جانشینی کا مرحلہ بھی دشوار ہوتا ہے۔ خواہ برطانیہ کا بادشاہ ہو، عثمانی سلطان، منگول خان، جاپان کا بادشاہ، روس کا زار یا کوئی بھی اور فیوڈل حکمران۔یہ ایسے ہی کام کرتے ہیں۔ یہ جدید دنیا کے تصورات ہیں جن کی نظر سے ہم پرانے وقت کو جج کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو کنفیوژن کا شکار ہوتے ہیں۔"ریاست ذاتی ملکیت نہیں ہوتی" کا آئیڈیا بھی سولہویں یا سترہویں صدی تک کسی کو مضحکہ خیز لگتا۔
سوال	محمد بن مدثر جب تلوار پکڑنے کا وقت تھا اس وقت پان, زبان, بیان اور مستی میں مست رہے جب گریبان پر لگے بٹن بھی غدار بن گئے دنیا ٹیکنالوجی, معیشت, سیاست اور معاشرت میں منزلیں طے کر گئی پھر بے ربط, غیر منظم اور چند بے عمل جذباتی لوگوں کا گروہ کیا کرتا ذوق, غالب, درد, میر, داغ, جیسے میراثیوں کی بجائے فارابی, الکندی, الزاہروی, ابن سینا, البیرونی, جیسوں کی حوصلہ افزائی کی ہوتی وہ مشیر ہوتے تو کبھی بھی رنگوں کی دیواریں سیاہ نہ کرتے
جواب	کیا ہی اعلیٰ کمنٹ کیا ہے۔ آنکھیں کھول کر رکھ دی ہیں۔ اب اگر کچھ وقت لگا کر تاریخ پڑھیں اور پھر تبصرہ کریں تو پھر دیکھئے گا کہ اس کمنٹ کے معیار میں کس قدر اضافہ ہو جائے گا))
سوال	Imran Malik شکریہ اس قدر شاندار اور فکر انگیزی کی دعوت دیتا سلسلہ پیش کرنے کے لیئے... جتنا شدید انتظار تھا اتنا ہی اطمنان بھی ملا پڑھنے کے بعد ... سر کیا ہندوستان کی مذہبی بنیادوں پر تقسیم برٹش اسٹریٹیجی کا حصہ تھی یا عوامی مطالبہ ؟
جواب	یہ عوامی مطالبہ تھا۔انتخابات میں مذہبی بنیاد پر علیحدگی پسند جماعت کی پوری ہندوستان میں بہت واضح کامیابی اسی وجہ سے ہوئی تھی۔
سوال	Muhammad Farooq Ashraf Gill پر بہادر شاہ ظفر کو اتنی اہمیت دینے کا مقصد ہی کیا ہے ؟
جواب	بہادر شاہ ظفر اتنے اہم تھے تو اتنی اہمیت دی ہے۔ سرکار نے انہیں گمنام رکھنے کی پوری کوشش کی۔ان کی تاریخ مٹا دی گئی۔ایک گمنام اور بے نشان قبر بنی۔کوشش کی کہ انہیں بھلا دیا جائے۔پچاس سال تک قبر پر نشان لگانے تک کی اجازت نہ تھی۔پھر بھی انہیں ختم نہ کر سکی۔یہاں تک کہ آج کے انڈیا کا ہر وزیرِاعظم بھی یہاں جاتا ہے۔اور اس سب کی آخر کوئی تو وجہ ہے۔

ختم شُد